گلہای پریشاں

آراستہ

الیاس احمد

(ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج)

گلہای پریشاں

آراستہ

الیاس احمد

(ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج)

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
سخنہای گفتنی		سر	۳۹
حمد	۱	صورت	۳۹
نعت	۶	چشم	۳۹
حسن	۸	مژگان	۴۱
عشق و محبت	۱۰	سینہ	۴۱
خصوصیات عشق و محبت	۱۶	دل	[illegible]
وسعت محبت	۱۷	ہاتھ	۴۵
مشکل محبت	۱۷	[illegible]	۵۰
سرچشمۂ محبت و جذبۂ محبت	۱۸	جامۂ عاشق	۵۱
اثرِ محبت	۱۹	پیراہن	۵۱
انجامِ محبت	۲۰	گریبان و دامن	۵۱
انتہائے محبت	۲۰	سراپائے معشوق	۵۳
گوناگوں	۲۰	قدِ یار	۵۳
عاشق	۲۲	صورتِ یار	۵۶
معشوق	۲۶	زلفِ یار	۵۷
کم سنی	۲۹	روئے یار	۶۲
شباب	۳۰	ابروئے یار	۶۳
آمدِ شباب	۳۲	مژگانِ یار	۶۴
آغازِ عشق	۳۳	نرگسِ شہلا	۶۵
سراپائے عاشق	۳۹	بینی	۷۰

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عارض	۷۰	نقاب	۹۰
لب لعلین	۷۰	دوپٹہ	۹۰
دہن	۷۲	پیراہن و قبا	۹۱
دندان	۷۲	محرم	۹۱
خطِ سبز	۷۲	تکمہ	۹۱
خال	۷۴	دامن و گریبان	۹۲
گردن	۷۴	**آلاتِ کشتنی**	۹۴
جباب	۷۵		
دل	۷۵	تیغِ یار	۹۴
دست و بازو	۷۵	خنجرِ یار	۹۴
کلائی	۷۷	ناوک و پیکان	۹۵
موئے میان	۷۷	**سامانِ آرائش**	۹۷
بدن	۷۸		
پا و کفِ پا	۷۸	**معشوق کی تصویر**	۹۹
ادائیں جن کا تعلق سراپا سے ہے	۷۹	**نقوشِ مانی**	۱۰۰
تیرِ نظر	۷۹		
تبسمِ یار	۸۲	تصویرِ معشوق	۱۰۰
بوسۂ جاں بخش	۸۳	تصویرِ عاشق	۱۰۵
گفتارِ یار	۸۴	تصویرِ عاشق و معشوق	۱۰۵
سادگی، شوخی و نزاکت	۸۵	**معشوق کی ادائیں**	۱۰۸
انگڑائی	۸۶	سیر و شکار	۱۰۸
خوابِ ناز	۸۷	خاموشی	۱۱۰
خرامِ ناز	۸۷	مزاجِ یار	۱۱۰
نشانِ کفِ پا	۸۹	تغافل	۱۱۱
نکہت زلفِ یار	۸۹	غرور	۱۱۲
جامۂ معشوق	۹۰	شوخی	۱۱۳
دستار	۹۰	غمزہ و ناز و انداز	۱۱۳

مضمون	صفحہ
انکارِ وصل	۱۱۴
روٹھنا	۱۱۵
بیوفائی و بدعہدی و بیمروتی	۱۱۶
بیداد	۱۱۸
رنجش	۱۲۱
تلون طبعی	۱۲۱
پشیمانی	۱۲۲
شرم و حیا	۱۲۳
سلام کرنا	۱۲۳
قسم کھانا	۱۲۴
رحم و التفات و وفا	۱۲۴
پرسش	۱۲۷
بدگمانی	۱۲۸
بھولاپن	۱۲۸
اداہائے دیگر	۱۲۹
عاشق کی ادائیں	۱۳۷
بیخودی	۱۳۷
بیہوشی	۱۳۸
بیقراری و بیتابی	۱۳۸
مستی و جنون	۱۴۰
وحشت و دیوانگی	۱۴۱
خاموشی	۱۴۲
سادگی و سادہ دلی	۱۴۲
نزاکت مزاج و طبیعت	۱۴۳
غرور و استغنا	۱۴۴
رتبۂ عاشق	۱۴۴

مضمون	صفحہ
انداز	۱۴۵
ہوشیاری	۱۴۵
ہمت و عالی حوصلگی	۱۵۳
پاسِ یار	۱۵۵
معشوق سے خطاب	۱۵۶
سوال و جواب	۱۵۹
راز و نیاز	۱۶۱
انتہائے راز و نیاز	۱۸۲
نوائے عاشق	۱۸۳
کارہائے عاشق	۱۹۷
مصائبِ معشوق	۱۹۸
مصائبِ عاشق	۲۰۱
رنج و غم	۲۰۱
درد دل و درد جگر	۲۰۲
زخمِ دل و زخمِ جگر	۲۰۴
سنگِ طفلاں	۲۰۶
گوناگوں	۲۰۶
مشغلۂ عاشق	۲۳۵
گریہ و زاری	۲۳۵
آہ و نالہ و فریاد و فغاں	۲۳۹
یادِ یار	۲۴۱
یادِ ماضی	۲۴۵
تصور	۲۵۰
گوناگوں	۲۵۱
شیوۂ عاشق	۲۵۳
وفا و تسلیم و رضا	۲۵۳

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
رازِ عاشق	۲۵۵	کفر و ایمان	۲۹۷
داستانِ عاشق	۲۵۷	وحدت و کثرت	۲۹۹
جذباتِ عاشق	۲۶۰	گوناگوں	۲۹۹
شوق	۲۶۰	ناصح	۳۰۰
امید و یاس	۲۶۱	رقیب	۳۰۴
آرزو و تمنّا	۲۶۳	زُندان	۳۰۹
حسرت	۲۶۸	مناظرِ قدرت	۳۱۰
رشک	۲۶۹	نسیم و صبا	۳۱۰
افسردہ دلی	۲۶۹	چمن	۳۱۱
بدگمانی	۲۷۰	غنچہ	۳۱۱
ضبط	۲۷۰	گُل	۳۱۲
ندامت	۲۷۱	بلبل	۳۱۳
اضطراب	۲۷۲	گُل و بلبل	۳۱۵
ارادہ	۲۷۲	باغبان	۳۱۷
گوناگوں	۲۷۳	صیّاد	۳۱۸
آدابِ عشق	۲۷۵	مُرغِ اسیر	۳۲۰
مذہبِ عاشق	۲۷۸	قفس و آشیان	۳۲۸
مضامین جن کا تعلق مذہب سے ہے	۲۸۰	خطابِ گُل بہ گلچیں	۳۳۱
تسبیح و زُنّار	۲۸۰	آمدِ بہار	۳۳۲
سجّادہ	۲۸۰	بہار	۳۳۳
امام	۲۸۰	خزاں	۳۳۶
زاہد	۲۸۱	برشگال	۳۳۷
واعظ	۲۸۴	آبشار	۳۳۸
شیخ	۲۸۶	جو	۳۳۸
پارسا و اللہ والے	۲۹۱	مہِ نو	۳۳۹
صوفی	۲۹۳	آفتاب	۳۴۰
دیر و حرم	۲۹۳	مناظرِ مختلف	۳۴۰

مضمون	صفحہ
خمریات	۳۴۲
میخانہ	۳۴۲
جام	۳۴۳
پیمانہ	۳۴۳
ساغر	۳۴۴
مے	۳۴۵
مطرب	۳۴۷
ساقی	۳۴۷
پیرِ مغاں	۳۵۱
رند	۳۵۲
محتسب	۳۵۶
نوائے رند	۳۵۷
توبہ	۳۶۸
مضامین مختلف	۳۷۱
ہمہ اوست	۳۷۱
اللہ کی بارگاہ میں گذارش	۳۷۲
جواب بارگاہِ ایزدی	۳۷۶
کلیم و طور	۳۷۶
محمود و ایاز	۳۷۷
منصور	۳۷۸
بچپن	۳۷۸
جوانی	۳۷۸
پیری	۳۸۰
وطن	۳۸۲
غربت	۳۸۲
بیابان	۳۸۳
گردشِ دوران	۳۸۵

مضمون	صفحہ
جبر و اختیار	۳۸۸
عصیان	۳۸۹
دعا	۳۸۹
سزا و جزا	۳۹۰
بمطلب می رسد جویائے کام آہستہ آہستہ	۳۹۱
تحریرِ خط سے پہلے کے جذبات	۳۹۱
خط بہ یار	۳۹۱
مضمونِ خط	۳۹۲
پیامبر	۳۹۴
انجامِ خط	۳۹۶
واپسی پیامبر	۳۹۶
جوابِ خط	۳۹۷
وعدہ	۳۹۷
انتظار	۳۹۹
محملِ یار	۴۰۱
آمدِ یار	۴۰۱
مکانِ عاشق	۴۰۳
مہمانِ عاشق	۴۰۴
محفلِ عاشق	۴۰۵
رخصتِ یار	۴۰۶
عاشق کا دیارِ یار کی طرف روانہ ہونا	۴۰۸
شہرِ یار	۴۰۹
رہگذرِ یار	۴۰۹
کوچۂ یار	۴۱۰
پاسبان	۴۱۳
کاشانۂ یار	۴۱۴
دیوارِ کاشانہ	۴۱۴

مضمون	صفحہ
بامِ کاشانہ	۴۱۴
درِ یار و آستانِ یار	۴۱۵
سنگِ آستان	۴۱۶
خاکِ در	۴۱۶
کوئے یار میں عاشق کی صدا	۴۱۶
محفلِ دوست	۴۱۷
شمع و پروانہ	۴۲۱
وصل	۴۲۴
شبِ وصل	۴۲۵
مرغِ سحر	۴۲۶
مؤذن	۴۲۶
رخصت	۴۲۶
ہجر	۴۲۸
شامِ ہجر	۴۳۱
شبِ ہجر	۴۳۲
چارہ گر	۴۳۵
بیمار	۴۳۶
بسترِ بیمار	۴۳۶
بیمار کا خطاب حکیم سے	۴۳۷
عیادت	۴۳۷
انجام	۴۳۹
وعدۂ فردا	۴۳۹
نگاہِ واپسین	۴۳۹
تمنائے آخر	۴۳۹
ہچکی	۴۴۰
دمِ واپسین و وقتِ نزع	۴۴۰
موت	۴۴۱

مضمون	صفحہ
موت کے بعد	۴۴۳
لاش	۴۴۴
تجہیز و تکفین	۴۴۵
سوگ	۴۴۵
پھولوں کی محفل	۴۴۶
عبرت	۴۴۷
زندگی	۴۴۸
ہستی و نیستی	۴۵۱
لحد	۴۵۷
محبوب کا مزار پر آنا	۴۵۹
شمعِ مزار	۴۶۰
مشتِ غبارِ عاشق	۴۶۲
اخلاقیات	۴۶۳
اطاعت	۴۶۴
قناعت	۴۶۴
تسلیم و رضا	۴۶۴
صبر	۴۶۵
دوستی	۴۶۶
کرم	۴۶۷
نصیحت	۴۶۷
طریقۂ زندگی	۴۶۷
اخلاقیات کے مختلف پہلو	۴۶۸
صحرائے محشر	۴۸۰
بہشت	۴۸۵
دوزخ	۴۸۶

راقم الحروف شاعر نہیں مگر مدت سے شعر و سخن سے لگاؤ ہے بالخصوص اس صنف شعر سے جسے غزل کہتے ہیں،

شاعری ایک قسم کی مصوری ہے، مصور مادی اشیاء کی تصویر کھینچتا ہے، اور شاعر خیالات جذبات اور احساسات کی، شاعری وجدانی اور ذوقی چیز ہے، چند الفاظ میں اس کی جامع تعریف ممکن نہیں، ایک موزون طبع انسان پر کوئی جذبہ طاری ہو، اور جذبہ کے ماتحت اس کے دل میں اچھے خیالات پیدا ہوں اور ان خیالات کو وہ مناسب اور موزوں الفاظ میں ادا کر سکے تو خیالات کی اس نئی صورت کو شعر کہینگے، ایک عمدہ شعر میں وزن، ردیف، قافیہ، ترنم، تخیل، سادہ اور شیریں الفاظ، طرز ادا اور تاثیر سب کچھ ہونا چاہیئے،

شاعری کیا ہے فقط تصویرِ جذباتِ نہاں
قوتِ تخییل کے ہمراہ تاثیرِ زباں

عالم شعر و شاعری میں غزل کو وہی رتبہ حاصل ہے جو تختۂ گلاب کو چمن میں یا بالفاظ دیگر جس طرح دنیائے رنگ و بو میں گلاب بے مثل پھول ہے اُسی طرح دنیائے نظم میں غزل بے مثل صنفِ شعر ہے، غزل آبروئے شاعری،

غزل میں اجمال ہوتا ہے مگر اس اجمال میں بوئے گُل کی سی ہمہ گیری ہوتی ہے، علاماتِ غزل میں جامعیت ہوتی ہے، چمن، گُل، بُلبُل، صیاد، باغبان، قفس، آشیان، برق، میکدہ، مے، ساقی، محتسب، اغیار، پاسبان وغیرہ رسمی اشارے نہیں بلکہ زندہ استعارے ہیں، ان کے سہارے شاعر جو چاہتا ہے نہایت خوبی سے کہہ دیتا ہے،

غزل کے بادہ و ساغر میں مشاہدہ حق بھی ہے اور مطالعہ کائنات بھی، غزل حدیثِ دلبراں بھی ہے اور حکایتِ سوختگاں بھی، غزل کے حسن و عشق و افسانہ و افسوں میں زندگی کی ساری پہنائیاں سمٹ آئی ہیں،

کہنے کو غزل کا موضوع عشق و محبت کے سوا کچھ نہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اوائل ہی سے شعرا نے اس کو جذباتِ انسانی کے اظہار کا ایک ذریعہ بنا لیا، اور ہر قسم کے جذبات مثلاً رنج و خوشی، حسرت و ندامت، امید و یاس وغیرہ اس میں ظاہر کئے جانے لگے، یہاں تک کہ اخلاق و مواعظ تک اس سے مستثنیٰ نہیں رہے،

غزل کہنا عوام میں آسان سمجھا جاتا ہے بالخصوص آجکل، لیکن واقعہ یہ ہے کہ غزل کہنا بہت مشکل ہے، ردیف و قافیہ کی پابندی تو الگ رہی اظہار خیال ایسے نرم و شیریں الفاظ میں ہونا چاہیئے جو نقائص سے بھی پاک ہوں اور جن میں روانی بھی ہو اور آمد بھی، اثر بھی ہو اور موزونیت بھی، سادگی بھی ہو اور ستھرا پن بھی، جن الفاظ میں غزل گو شاعر کی مشکل پیش کی گئی ہے وہ الفاظ کچھ غیر شاعرانہ سے ہیں، غزل گو شعرا کی زبان سے اس مشکل کا حال سنئے،

جُز شعرِ تو نیستی ندانم ——— خونِ جگرے بدیں روانی

سخن بے چاکِ دل برلب نیاید نکتہ سنجاں را ——— دلیلِ ایں سخن صانع شگافِ خامہ را ماند

مجھ کو شاعر نہ کہو تیرؔ کہ صاحب میں نے ——— دردِ دل لاکھوں کئے جمع تو دیوان ہوا

مصرعہ کبھی کبھی کوئی موزوں کروں ہوں میں ——— کس خوش سلیقگی سے جگر خوں کروں ہوں میں

غزل گو شعراء کو جو عزت و مرتبہ حاصل ہے وہ اُن کے مستحق ہیں، اگر زمانہ سازگار ہوا تو اُن کی بڑی قدر و منزلت ہوئی،

قدرداں گوہرِ سخن کے ریاضؔ
منہ مرا موتیوں سے بھرتے ہیں

اگر نہ سازگار ہوا تو تحسینِ سخن شناس اور شاعروں کی واہ واہ کیا کم ہیں، ؎

شاعر کو مست کرتی ہے تعریف شعر کی
سَو بوتلوں کا نشہ ہے اک واہ واہ میں

ہندوستان میں زبانِ اردو کے آغاز کے ساتھ ہی غزل کا عروج شروع ہوا اور یہ عروج اُسے مدتوں اصل رہا، حالی چوٹی کے غزل گو شاعر تھے مگر سرسید کے زمرہ احباب میں داخل ہونے کے بعد اُنھوں نے یہی نہیں کیا کہ ترکِ غزل گوئی کی بلکہ غزل گوئی کو ایک بیکار سی چیز کہی، اُن کے بعد ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا جو غزل کے خلاف اور آزاد نظم کا دلدادہ ہے، پھر بھی یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ غزل کی طرف شعراء اور تعلیم یافتہ طبقہ کا رجحان بالکل نہیں ہے، بہر حال جب تک زبانِ اُردو کا قیام ہے باوجود نشیب و فرازِ روزگار کے غزل کی محبوبیت اور دلکشی قائم رہیگی، غزل کی سی

دلربائی کسی اور صنفِ شاعری میں کوئی کہاں سے لائیگا ،

جو لگاؤ مجھ کو شعر و شاعری سے تھا اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب کوئی اچھا شعر سننے یا پڑھنے کا موقع ملتا تو اُسے لکھ لیتا ، اچھے اشعار کی جستجو میں اگر وقت ملتا مطالعہ بھی کرتا ، عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا ، رفتہ رفتہ اس خوشہ چینی سے اشعار کا کافی ذخیرہ ہوگیا ،

تمتع زِ ہر گوشۂ یافتم

زِ ہر خرمنے خوشۂ یافتم

۱۹۳۴ء میں اُن اشعار کا گلدستہ " بہار " کے نام سے معارف پریس اعظم گڑھ سے شائع ہوا ، یہ گلدستہ ادبی حیثیت سے کیا درجہ رکھتا تھا اس کے متعلق میں کیا عرض کروں متعدد رسائل اور اخبارات میں اس پر تنقید ہوئی ، ان رسائل اور اخبارات میں سے ہر رسالہ اور اخبار نے اس کے لئے دو کلمۂ خیر لکھے ، احباب و کرم فرما بھی اس کے مطالعہ سے محظوظ ہوئے ہمارے محترم کرم فرما مولوی حاجی ابوالحسن صاحب آئی ای ایس ریٹائرڈ انسپکٹر آف سکولس تو اب تک اس سے جی بہلا لیا کرتے ہیں ، پبلک کے ایک مخصوص طبقہ نے بھی اظہار پسندیدگی کیا اور گلدستہ کو بہ نظرِ تحسین دیکھا ، اب یہ گلدستہ نایاب ہو رہا ہے ، اس سے یہ مطلب نہیں کہ کتاب ہاتھوں ہاتھ بک گئی ، مرزا غالب نے اپنے دیوان کے متعلق کہا تھا کہ ؎

ایں مے از قحطِ خریداری کہن خواہد شدن

تو پھر مؤلفِ بہار کو کیا غلط فہمی ہو سکتی تھی ، ہوا یہ کہ کچھ جلدیں بکیں ، بیشتر تقسیم ہوئیں ، جو بچ رہیں وہ تاج کمپنی لاہور کے سپرد کر دی گئیں اور معاوضہ میں دوسری کتابیں لے لی گئیں

بعد تقسیم ملک لاہور سے کتاب منگانا آسان نہیں، اس لئے میں نے گلدستۂ بہار" کے متعلق نایاب کا لفظ استعمال کیا ہے،

ترتیب "گلدستۂ بہار" ایک خاص اصول کے ماتحت تھی، منتخب اور چوٹی کے اشعار کے ذریعہ یہ دکھلانے کی کوشش کی گئی تھی کہ آغاز عشق سے لے کر انجامِ عشق تک عاشق کس طرح مراحلِ زندگی، اور مراحلِ محبت طے کرتا ہوا پیوندِ خاک ہو جاتا ہے، کیا کیا مصیبتیں اس پر نازل ہوتی ہیں، اور وہ ان کو کیسے جھیلتا ہے، اُس کی تربت پر کیسی بیکسی برستی ہے اور عرصۂ محشر میں وہ کس طرح داورِ محشر کو مخاطب کرتا ہے اور اس کا خطاب کس طرح ایک دوسری ہستی کو بے چین اور پریشان کر دیتا ہے، اس غرض کے لئے سیکڑوں سرخیاں قائم کی گئیں اور ہم معنی اور ہم مضمون اشعار ایک سرخی کی تحت میں درج کئے گئے، سرخیوں کے قائم کرنے میں کافی زحمت ہوئی، اکثر سرخیاں قائم نہ ہو سکیں کیونکہ مناسب اشعار نہ مل سکے، بعض سرخیاں تشنہ رہ گئیں، کچھ ایسی سُرخیاں بھی قائم کی گئیں جن کا تعلق براہِ راست عشق و محبت یا زندگیٔ عاشق سے نہ تھا، بہر حال وہ کتاب شائع ہوئی،

بعد اشاعت "بہار" بھی سلسلۂ مطالعہ اور انتخابِ اشعار جاری رہا،

رنگینیاں جو حسنِ ازل کی تھیں منتشر
سب کھنچ کے آگئیں نگہِ انتخاب میں

آہستہ آہستہ پہلے ذخیرے میں کافی سے زاید اشعار کا اضافہ ہو گیا، پنشن کے بعد یہ خیال ہوا کہ یہ ذخیرہ بھی پہلے ذخیرے کے ساتھ بشکل گلدستہ شائع کرا دیا جائے، خیال یوں ہوا کہ

ممکن ہے مصروفیت تفکرات دنیوی محو کر دے یا کم از کم اُن کی شدت میں کمی کر دے اور اگر کچھ نہ سہی تو کچھ وقت بجائے بیکاری کے باکاری میں صرف ہو جائے،

بیا اے خامۂ ماتم روایت
پریشاں ساز گیسوے حکایت

پھر خیال ہوتا تھا کہ "بہار" ہی سی کتاب شائع کرنے میں کیا لطف کیونکہ اتنا تو جانتا تھا کہ ؎

در مکرر بستن مضمونِ رنگیں لطف نیست
کم دہد رنگ ار کسے بندد حنائے بستہ را

مگر کسی دوسری نوعیت کی کتاب شائع کرنا جس میں اشعار ہی اشعار ہوں اور جو قدرے دلچسپ بھی ہو آسان نہ تھا، دوسرا سبب تالیفِ گلدستہ کا یہ ہوا کہ مزید اشعار کے سالہا سال جمع کرنے میں قدرے زحمت ہوئی تھی اور قدرے عرق ریزی بھی اور اگر نیا گلدستہ شائع نہ ہوتا تو یہ محنت رائگاں جاتی، اشعار کے جمع کرنے میں جو زحمت ہوئی اُس کے متعلق کیا عرض کروں، نہ جانے کتنی کتابیں، کتنے دواوین اور کتنے رسائل زیرِ مطالعہ رہے ؎

یوں لائے واں سے ہم دلِ صد پارہ ڈھونڈ کر
دیکھا جہاں کہیں کوئی ٹکڑا اُٹھا لیا

یا یوں سمجھئے کہ ؎،

ہیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نداشت
خوشہ چیں بودم من آں روزے کہ خرمن داشتم

یہ بھی خیال ہوا کہ آخر اس قصۂ پارینہ کے دہرانے میں حرج ہی کیا ہے ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

غرض کہ سال ڈیڑھ سال کاوش کی، سلسلۂ مطالعہ بھی جاری رہا اور ترتیب کتاب بھی،
یہ کاوش کبھی کبھی تکلیف دہ ثابت ہوئی اور کبھی کبھی پُر لطف بھی،

حدیثے دلکش و افسانہ از افسانہ می خیزد
دگر از سر گرفتم قصۂ زلفِ پریشاں را

اب مجموعہ تیار ہے اور شائع ہو رہا ہے،

در مخزنِ جگر گہرے چند جمع بود
دلال گشت دیدہ بداماں فشاندمش

سچ تو یہ ہے ایسا مجموعہ مکمل ہو ہی نہیں سکتا، دنیائے شاعری ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے،
نہ جانے اس میں کس قدر گہر ہائے آبدار پنہاں ہیں، کیسے ممکن تھا کہ میری رسائی ہر گہر تک ہوتی،

یہ گلدستہ بجائے "بہار" کے "گلہائے پریشان" کے نام سے موسوم کیا جا رہا ہے، غالباً یہ تقاضائے سن ہے کہ جو چیز پہلے بشکلِ بہار نظر آتی تھی وہ اب گلہائے پریشان ہو کر رہ گئی، فطرت کا اٹل قانون ہے کہ عمر کے زیادہ ہونے کے ساتھ رنگین چیزوں کی رنگینی بھی کم ہو جاتی ہے، بیس پچیس سال پہلے ایک اچھا شعر ایک ہفتہ تک بیخود کرنے کے لئے کافی تھا، اب اگر زبان سے اتنا بھی نکل گیا کہ شعر اچھا ہے تو بہت ہے،

یہ مناسب نہ معلوم ہوا کہ موجودہ گلدستہ بالکل "بہار" ہی سا ہو اور فرق محض حجم میں ہو اس لئے اِس میں چند باتوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے، "بہار" میں ترتیب اشعار یوں تھی کہ موجودہ شعرائیں سے کسی کا شعر درج ہے، اس کے بعد ہی کسی استادِ دورِ اوّل یا دورِ متوسّط یا دورِ آخر کا، اس ترتیب میں آسانی تھی اور لُطفِ تقابل بھی، مگر تقدّم اور تاخّر کے لحاظ سے یہ ترتیب موزون نہ تھی،

پارۂ دل بر جگر لختِ جگر بر روئے دل
پارہ ہا را دوختم امّا پریشاں دوختم

پہلا اضافہ اس مجموعہ میں یہ ہے کہ اشعار کی جگہ کا تعین تقدّم اور تاخّر کے لحاظ سے کیا گیا ہے، اس میں جو زحمت ہوئی اُس کا انداز قارئین شاید نہ کر سکیں، اساتذہ کے دور کے تعیّن میں کافی چھان بین کرنی پڑی، غیر معروف شعرا کی جگہ کے تعین میں تو بڑی مشکلیں پیش آئیں، اس سے بڑھ کر یہ مشکل تھی کہ بہت سے اشعار ایسے ہیں جن کے متعلّق یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کن کے ہیں، ایسے اشعار کی جگہ کا تعین محض اُن کے الفاظ اور بندش کے لحاظ سے کیا گیا، ظاہر ہے کہ ایسے اشعار کے متعلق یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صحیح جگہ پر ہیں، کافی کوشش کے بعد بھی مجھے یقین نہیں کہ ہر شعر اپنے صحیح مقام پر ہے،

دوسرا اضافہ یہ ہے کہ جن اشعار کے متعلق ادبی لطائف معلوم تھے وہ لطائف درج کر دئے گئے، مقصد یہ ہے کہ اشعار پڑھتے پڑھتے طبیعت اُکتا نہ جائے، بعض بعض لطیفے دلچسپ ہیں جن سے قارئین محظوظ ہونگے، یہ لطیفے صحیح ہیں یا غلط اس کے متعلّق تحقیق کے ساتھ میں زیادہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ نہ تحقیق کی ضرورت محسوس ہوئی نہ میں تحقیق کر سکتا تھا، مگر بیشتر لطائف صحیح ہیں، اگر یہ لطائف صحیح نہ بھی ہوں جب بھی ان میں

ایک کیفیت ہے جو لطف دے جائیگی' ان لطائف کے شامل کرنے سے کتاب کا حجم قدرے زیادہ ہوگیا ہے،

یوں ہی فسانۂ شب ہجراں دراز تھا

پھر اُس پہ بیچ بیچ میں یہ داستانِ دل

تیسرا اضافہ یہ ہے کہ چند ہندی کے اشعار بھی درج کردئیے گئے ہیں' فارسی اور اردو کے اشعار کے مقابلے میں ان کی تعداد نہیں کے برابر ہے' مگر میں ہندی نہیں جانتا کرتا کیا ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ ہندی زبان میں بیش بہا اشعار کی تعداد کافی ہے'

چوتھا اضافہ یہ ہے کہ اساتذہ سابق کی تصویریں شامل کردی گئی ہیں' غالباً قارئین اس اضافہ کو پسند کرینگے۔

ممکن ہے ترتیب کتاب قارئین کو پسند نہ ہو' بہرکیف اس کا زیادہ اثر نہ ہونا چاہئے قارئین سرخیوں کو نظر انداز کرکے اور اُن سے آزاد ہوکر "گلدستہ" کا مطالعہ کرسکتے ہیں' شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جس پر چوٹی کے دو چار شعر نہ ہوں'

بعض بعض شعر ایک سے زیادہ سرخیوں کے تحت میں آگئے ہیں' مجھے معلوم تھا کہ

مکرر گرچہ سحر آمیز باشد

طبیعت را ملال انگیز باشد

اس لئے میں نے کوشش کی کہ ایک شعر ایک ہی جگہ درج ہو مگر ممکن ہے فروگذاشت ہوگئی ہو' علاوہ اس کے کچھ اشعار ایسے بھی ہیں جو صحیح معنوں میں ایک سے زیادہ سرخیوں کے تحت

میں لکھے جاسکتے تھے اور لکھے گئے''

انتخابِ اشعار کا معاملہ ذاتی ذوق اور پسند پر منحصر ہے، پھر بھی اس میں ذوقِ سلیم کو کافی اہمیت حاصل ہے، ذوقِ سلیم کیا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اس کی تعریف مشکل ہے، بہرحال اگر اس کی تعریف لازمی سمجھی جائے تو میں یہ عرض کرونگا کہ ذوقِ سلیم وہ قوتِ سخن فہمی ہے جس کے ذریعہ سے شعر کا صحیح مفہوم سمجھا جاسکے، اور اس کے مرتبہ کا صحیح تعین کیا جاسکے، شاید اس قوتِ سخن فہمی کو میں ایک مثال سے واضح کرسکتا ہوں، مدت ہوئی میں نے بیدلؔ کا شعر

تجدیدِ ناز آشفتۂ رنگِ لباس آرائیت

بے پردگی دیوانۂ طرحِ نقاب افگندنت

مرزا ثاقبؔ مرحوم کو سنایا، شعر سننے کے بعد انھوں نے ارشاد فرمایا کہ اس مضمون کا مرزا داغؔ کا ایک شعر ہے جو کہیں زیادہ صاف اور رواں ہے، مرزا داغؔ کا نام سن کر میں قدرے چونکا، لیکن جب مرزا ثاقبؔ مرحوم نے شعر سنایا تو معلوم ہوا کہ ذوقِ سلیم ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ سے اشعار کے صحیح معنے سمجھے جاسکتے ہیں اور اس کے مرتبے کا صحیح تعین ہوسکتا ہے، مرزا داغؔ کا شعر آپ نے سُنا ہوگا اور میں بھی سُن چکا تھا، ممکن ہے آپ کا ذہن شعر کے اس مفہوم کی طرف منتقل ہوا ہو جو مرزا صاحب نے بتلایا لیکن میرا ذہن تو کبھی اس مفہوم کی طرف منتقل نہیں ہوا، شعر سنئے ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

ملاحظہ فرمایا آپ نے، ایک ذوق سلیم رکھنے والے انسان نے اس شعر کے معنی کو صحیح سمجھا اور کس قدر بلند کر دیا گویا ذرّے کو آفتاب کر دیا، کہاں شاہد مجازی کا پسِ چلمن ہونا اور قدرے چھپنا اور قدرے ظاہر ہونا اور کہاں شاہدِ حقیقی کا اسی ادا کو اختیار کرنا' ذوقِ سلیم کہاں سے کہاں پہنچا'

ذوقِ سلیم بھی حالات کے تابع ہوتا ہے' اگر آپ خوش و خرّم ہیں تو رنج و غم والے اشعار آپ کو پسند نہ آئینگے اور اگر آپ پر رنج و غم کی گھٹا چھائی ہوئی ہے تو سرخوشی والے اشعار یوں ہی سے معلوم ہونگے، علاّمہ عبدالرحمان مصنّف مرآۃ الشعر نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے یہ مسئلہ صاف ہو جائیگا :-

"میرے ایک مکرّم دوست ہیں' جوانی میں بی بی کا انتقال ہو گیا' مدتوں آہیں بھرتے اور تڑپتے رہے' مگر زمانہ آخر صبر کی سل چھاتی پر رکھ کر مانا' ایک دن اُن سے اِدھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں، شدہ شدہ شعر کا ذکر آگیا' کہنے لگے ایک دن لیٹا ہوا بیاض ہاتھ میں لئے اشعار پڑھ رہا تھا' یہ شعر آگیا : ؎

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گذار یا اُسے رو کر گذار دے ذوقؔ مرحوم ؎

پڑھ کر دل پر چوٹ لگی اور یہ کہہ کر بیاض پھینک دی' ہنس کر کیوں کر گذار دے' ایک دن پھر وہی مشغلہ تھا' اُسی بیاض میں یہ شعر نظر آیا ؎

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گذار دے عیشؔ ؎

شعر کے پڑھتے ہی معلوم ہوا کہ کسی نے ڈوبتے کو پانی سے نکال لیا اُسی دن

ہے کچھ صبر آگیا' اب تھوڑی بہت جو کچھ ہے' تھوڑی کے خیال سے گذری جا رہی ہے"

شعر دونوں اپنی اپنی جگہ پر اچھے ہیں، لیکن غمگین جذبات نے ایک کو ٹھکرایا اور دوسرے کو پسند کیا'

دو شخص ذوقِ سلیم رکھتے ہیں' اس کے یہ معنی ہرگز نہ ہونگے کہ یہ دونوں ہر شعر کو ایک ہی مقام دیں یعنی اس کے مرتبے کا تعین دونوں ایک ہی کریں' ایک صاحب سے خاکسار خوب واقف ہے، وہ ذوقِ سلیم رکھتے ہیں' انھوں نے فانی کے شعر

وہ اُٹھا شورِ محشر آخری دیدارِ میت پر
اب اُٹھا چاہتی ہے لاشِ فانی دیکھتے جاؤ

کی کئی بار تعریف کی ہے اور یہ کہہ کر کہ میں نے ایسے مناظر آنکھوں سے دیکھے ہیں' فانی نے کیا صحیح تصویر کھینچی ہے! مولانا عبدالسلام ندوی کے ذوقِ سلیم سے کون منکر ہو سکتا ہے، اُن کا خیال ہے کہ جذبۂ غم کا اظہار اگر صاف لفظوں میں کیا جائے تو اُس سے کراہیت پیدا ہوتی ہے اور لکھنؤ کی شاعری کو اسی جذبہ کے علانیہ اظہار نے نہایت مکروہ کر دیا ہے، اُن کا یہ بھی خیال ہے کہ دورِ جدید کے قنوطی شاعر بھی اس مکروہ طرزِ ادا سے نہیں بچ سکے، مثال کے طور پر انھوں نے فانی کا مذکورہ بالا شعر پیش کیا ہے'

دوسری مثال سنئے' ایک صحبت میں ایک صاحب نے زیب النسا کا یہ شعر پڑھا

چوں وعدۂ دیدارِ تو افتاد بہ محشر
کارم ہمہ افتاد بفردائے قیامت

اور اس کی تعریف کی، دوسروں نے بھی تعریف کی، مرزا ثاقب مرحوم موجود تھے، انھوں نے ارشاد فرمایا کہ اس سے بہتر شعر سنو، اور کسی استاد کا یہ شعر پڑھا ؎

وعدۂ وصل بفردا نہی و می دانی

ہر کہ امروز ترا دید بفردا نرسد

زیب النساء کا شعر پڑھنے والے زیب النساء ہی کے شعر کو ترجیح دیتے رہے اور مرزا ثاقب مرحوم استاد کے شعر کو،

ایک اور مثال سُن لیجئے، بیخود موہانی کا شعر ہے : ؎

نشیمن پھونکنے والے اب اپنی زندگی یہ ہے

کبھی روئے کبھی سجدے کئے خاکِ نشیمن پر

خوب شعر ہے مگر میں نے ایک رسالہ میں دیکھا کہ ہمارے صوبے کے ایک مشہور شاعر نے اس شعر کی وہ گت بنائی کہ الامان و الحفیظ،

حاصل کلام یہ کہ ایک شخص باوجود ذوقِ سلیم رکھنے کے بھی اشعار کے انتخاب میں دوسروں کے نکتۂ نظر سے غلطی کر سکتا ہے، مجھے تو ذوقِ سلیم رکھنے کا دعویٰ بھی نہیں، اس لئے گذارش ہے کہ اگر اشعار کے انتخاب میں ذوقِ سلیم سے کام نہ لیا گیا ہو تو قارئین اس کو میری کم مائگی پر محمول کریں، اپنی دانست میں انتخابِ اشعار میں مَیں نے کافی احتیاط سے کام لیا ہے، عموماً ایسے شعر منتخب کئے ہیں جن کے متعلق از دل خیزد بر دل ریزد والا فقرہ استعمال کیا جا سکے، پھر بھی اختلاف رائے کا امکان ہے، بصورت اختلاف رائے میں یہ عرض کرونگا کہ ؎

شنیدم آنچہ از پاکانِ ملّت
ترا با شوخیٔ رندانہ گفتم

اس وقت اردو خطرات سے محصور ہے، بڑی بڑی محترم اور مقدس ہستیاں اس کے درپئے آزار ہیں، نہ جانے اردو غریب نے کیا خطا کی ہے، بہرحال ہے معتوب، ؎

تُلا بنا دیا ہے اسے بھی محاذِ جنگ
اک صلح کا پیام تھی اُردو زباں کبھی

اس بُرے وقت میں بھی اُردو کی محبوبیت میں چنداں فرق نہیں، کم از کم اہل نظر یہی سمجھے ہیں ؎

کسے کہ محرمِ بادِ صباست میداند
کہ باوجودِ خزاں بوئے یاسمن باقیست

امید ہے کہ انصاف پسند طبقہ اُردو کا ساتھ دیگا اور اُن خطروں میں بھی کمی ہو جائیگی جن سے اُردو محصور ہے،

خاکسار کی عمر کا بیشتر حصہ ملازمت میں گذرا، وہ کام جو میرے تعلق تھا اُس کو ادب سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا، اہلِ علم اور اہلِ ذوق کی صحبت بہت کم میسر ہوئی، ہاں سہارنپور کا قیام البتہ اس سے مستثنیٰ رہا، جہاں محبّی جعفر عباس صاحب جعفرؔ سے اکثر علمی اور ادبی گفتگو رہا کرتی تھی، ایسی صورت میں اس مجموعہ کو صحیح معنوں میں مکمل کرنا میرے

بس کی بات نہ تھی، بہرحال طبیعت کو شعر و سخن سے لگاؤ رہا ہے اور اب تک ہے، اس لگاؤ کو میں بصورتِ عذرِ اشاعت پیش کرتا ہوں ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر غالبؔ

اس کتاب کی اشاعت کا مقصد ذاتی نام و نمود نہیں، مجھے اپنی بے کمالی کا احساس ہے اور میری گمنامی اس کی دلیل ہے، قارئین سے توقع ہے کہ لغزشوں کو نظر انداز کرینگے، اگر اس کتاب کے مطالعہ سے کچھ لوگوں کا کچھ وقت بھی روحانی مسرت اور سکون میں گذرا تو میں سمجھونگا کہ محنت رائگاں نہ گئی ؎

ما نقدِ عمر صرفِ رہِ یار کردہ ایم
کاریکہ کردہ ایم ہمیں کار کردہ ایم

باوجود فطری خاکساری کے جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر بشرطِ اجازت دو شعر علامہ شبلی کے پیش کروں ؎

سالہا گوشِ جہاں زمزمہ زا خواہد بود
زیں نواہا کہ دریں گنبدِ مینا زدہ ام
سا غرِ زندگیم حیف کہ جز دُرد نداشت
مگر ایں جرعۂ آخر کہ بپایاں زدہ ام

اب شاید کسی دوسری کتاب کی تالیف کی ہمت نہ ہو، نہ سر میں سرخوشی ہے نہ جذبات

میں اُمنگ ہے

پانی وضو کو لاؤ رخِ شمع زرد ہے
مینا اُٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا

اب طبیعت سکون چاہتی ہے ؎

بدریا تا بکے چوں موج بیتابِ سفر باشم
برنگ آبِ گوہر آرمیدن آرزو دارم

مگر اس دنیا میں سکون کہاں میسّر! اب میں آپ حضرات سے رخصت ہوتا ہوں اور سمع خراشی کے لئے عذر خواہ ہوں ؎

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ حُسنِ قبول
پھُول ہم نے کچھ چُنے ہیں اُن کے دامن کے لئے

الیاس احمد
۳۰ مارچ ۱۹۵۷ء

بنامِ شاہدِ نازک خیالان
عزیزِ خاطرِ آشفتہ حالان
غنیمت

حمد

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم		وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایان رسید عمر	سعدی	ما ہمچنان در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم
تو خود چہ لعبتی اے شہسوارِ شیرین کار	حافظ	کہ توسنے چو فلک رامِ تازیانۂ تست
پرتوے حسنت نہ گنجد در زمین و آسمان	جامی	در حریمِ سینہ حیرانم کہ چون جا کردۂ
اے در تگ و پوئے تو ز آغاز	فیضی	عنقائے نظر بلند پرواز

یہ شعر فیضی کی مثنوی نلدمن کا ہے، دوسرا مصرعہ یون تھا :-

طاؤس نظر بلند پرواز

جب فیضی نے شعر سنایا، عرفی نے کہا "طاؤس راچہ پرواز ازین بام تا آن بام، عنقا بگو"۔ فیضی نے مشورہ قبول کیا،

اے متاعِ درد در بازارِ جان انداختہ	عرفی	گوہرِ ہر سود در جیبِ زیان انداختہ
ہمہ جا از تو گفتگوئے ہست	نسبتی	نیست جائیکہ ماجرائے تو نیست
یک چراغیست درین خانہ کہ از پرتوِ آن		ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

بانیِ خانہ وبتخانہ ومیخانہ یکیست — چندر بھان برہمن (رای) — خانہ بسیار ولے صاحبِ ہر خانہ یکیست

اے بوصفت بیانِ ما ہمہ ہیچ — ہمہ آنِ تو آنِ ما ہمہ ہیچ
مابکنہِ حقیقتت نہ رسیم — جہان آرا — اے یقین وگمانِ ما ہمہ ہیچ

آفتاب از پرتوِ خویش است اُم در حجاب — ناصر علی — آشکارا کردۂ خود را وپنہانی ہنوز

در بحرِ وجودش دو جہان نقش بر آب است — میر سید علی حید — یا ہستیِ اُو ہستیِ ما ہمچو سراب است

تجدیدِ ناز آشفتۂ رنگ لباس آرائیت — بیدل — بے پردگی دیوانہ طرح نقاب افگندنت

آسمان خم بر سر کوئے تو از تعظیم شُد — افصح — عمر این محوِ ارادت صرفِ یک تسلیم شُد

اے نامِ تو زینتِ زبانہا — حزین — حمدِ تو طرازِ داستانہا

کس نیست در جہان کہ بجان مائل تو نیست — رائے ٹیکا رام تسلی — افسوس اینکہ جائے کسے در دلِ تو نیست

یک تیر بصد سینہ یک رُو بصد آئینہ — یک شاہ بصد کشور یک ماہ بصد ایوان

چشم وحدت بکشا مسجد ومیخانہ یکیست — حسینی — خانہ بسیار ولے صاحبِ ہر خانہ یکیست

آنکہ در دو جہان نمی گُنجد — نیاز — در دلِ دردمند خانۂ اوست

کہ کشید دامنِ فطرتت کہ بقیدِ ما ومن آمدی — قرۃ العین — تو بہارِ عالم دیگری ز کجا باین چمن آمدی

بتون کی بھی یہ یاد ہے چند روز — میر سجاد سجاد — ہمیشہ رہے نام اللہ کا

رونقِ اسلام تیرے رُو سے ہے — یکرنگ — کُفر کا رشتہ تری گیسو سے ہے

پرستش کے قابل تو ہے اے کریم — کہ ہے ذات تیری غفور الرحیم
وہی نور ہے سب جگہ جلوہ گر — میر حسن — اُسی کے یہ ذرے ہیں شمس وقمر

جلوہ ہر رنگ میں ہے اُس بتِ ہرجائی کا — قائم — یہ پریشان نظری جرم ہے بینائی کا

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا — سودا — موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہ طور کا

صورت ہمیں اُس مہر کی پہچان اگر آوے — سودا — ہر ذرہ میں کچھ اور ہی جھمکا نظر آوے

اُس کے فروغِ حُسن سے جھمکے ہے سب میں نور — میر — شمعِ حرم ہو یا کہ دیا سومنات کا

نظر آگیا جو وہ جلوہ نہیں ہے — تاباں — اُسے دیکھنا کچھ تماشا نہیں ہے

وہ کون دل ہے جہاں جلوہ گر وہ نور نہیں — یقین — اُس آفتاب کا کس ذرّے میں ظہور نہیں

ہے جلوہ گر وہ ہمہ میں پر آلودگی سے دور — نول لالہ ای وفا — جس طرح عکس آب میں ہو ماہتاب کا

کمالِ قدرتِ حق ہے نظیر کیا کہئے — نظیر اکبرآبادی — جو شاہ کو ہے وہی ہے گدا کو عیش و طرب

بندہ ہوں حُسنِ سیرت و عشقِ مجاز کا — ممنون — ہر آئینہ میں جلوہ ہے اُس جلوہ ساز کا

وہ آیا نظر بارہا پر کسی نے — عشق — یہ حیرت ہے اُس کا سراپا نہ دیکھا

نہ ترے عشق میں بلبل ہی کو نالاں دیکھا — مہرباں خاں — چاک ہر گُل کا گلستاں میں گریباں دیکھا

حُسنِ پری اک جلوۂ مستانہ ہے اُس کا — آتش — ہشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اُس کا

جو چشم کہ حیران ہوئی آئینہ ہے اُس کا — جو سینہ کہ صد چاک ہوا شانہ ہے اُس کا

وہ یاد ہے اُس کی کہ بھلا دے دو جہاں کو — حالت کو کرے غیر وہ یارانہ ہے اُس کا

یوسف نہیں جو ہاتھ لگے چند درم سے — قیمت جو دو عالم کی ہے بیعانہ ہے اُس کا

شکرانۂ ساقیِ ازل کرتا ہے آتش — لبریزِ مئے شوق سے پیمانہ ہے اُس کا

عاجز نواز دوسرا تجھ سا کوئی نہیں — ولہ — رنجور کا انیس ہے ہمدم علیل کا

دل و دیدۂ اہلِ عالم میں گھر ہے — ولہ — تمہارے لئے ہیں مکاں کیسے کیسے

معرفت میں تیری ذاتِ پاک کے — ولہ — اُڑتے ہیں ہوش و حواس ادراک کے

خداوندِ ارض و سما ایک ہے — رند — قسم ہے خدا کی خدا ایک ہے

ترا حُسن ہم جلوہ گر دیکھتے ہیں — جہاں دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے　غالب　پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اُٹھائے نہ بنے

حرم و دیر میں ہے جلوۂ پُرفن اُن کا　منیر　دو گھروں کا ہے چراغ اِک رُخِ روشن اُن کا

زمین و آسمان کی زینتوں پر غور کرنے سے　ولہ　پسِ پردہ کوئی رنگین ادا معلوم ہوتا ہے

ذاتِ معبود جاودانی ہے　شوق لکھنوی　باقی جو کچھ بھی ہے وہ فانی ہے

کعبہ و دیر میں جلوہ ہے نمایاں اُن کا　فرہاد بہاری　دو گھروں کا ہے چراغ اِک رُخِ تاباں اُن کا

دلِ گبر و مومن میں تیری جگہ ہے　نواب سلیمان اسعد　صنم ہے کسی کا خدا ہے کسی کا

لالہ و گُل میں اُسی رشکِ چمن کی ہے بہار　آسی غازیپوری　باغ میں کون ہے اے بادِ صبا کیا کہئے

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار　ولہ　اُس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آجتک نادیدہ ہے

ذرہ ذرہ سے تجلی آشکار　دیگر　صاحبِ جلوہ مگر رُوپوش ہے

تو رنگِ بہار ہے چمن میں　سدرشن　تو شعلۂ شمعِ انجمن میں

گردوں پہ مہ و مہر گل و شمع زمین پر　جلیل　اک جلوۂ جانان ہے کہیں اور کہیں اور

مئے بے رنگ کا ہر رنگ میں رسوا ہونا　اصغر　کبھی میکش کبھی ساقی کبھی مینا ہونا

کہہ کے کچھ لالہ و گل رکھ لیا پردہ میں نے　ولہ　مجھ سے دیکھا نہ گیا حُسن کا رُسوا ہونا

کس درجہ حُسنِ دوست ہے بے پردہ آشکار　ولہ　صدہا حجابِ صورت و معنی لئے ہوئے

ہر طرف پیش نظر ہے وہ جمالِ دلفریب　حسرت　دیکھتے ہیں یوں بہارِ گلشنِ ایجاد ہم

میسر ہو کسے دیدار اُس کا　اقبال　کہ ہے وہ رونقِ محفل کم آمیز

چھپتی پھرتی ہے گلوں میں ہنسکے حُسنِ رنگ و بو　سرشار کیمنڈوی　لیلیٔ فطرت کو شاید ہے یہی محمل عزیز

گرائے قطرۂ شبنم گلوں کے دامن پر　فانی　تجلیات کے دریا بہا دئے تو نے

باغ میں بلبل و گل بزم میں پروانہ و شمع　　بھیس بدلے ہوئے پھرتی ہے محبت تیری

دھوکا قدم قدم پہ تری بزم ناز کا	جگر مرادآبادی	کیا سخت مرحلہ ہے طلسم مجاز کا
ہزاروں قربتوں پر یوں مرا مہجور ہو جانا	ولہ	جہاں سے چاہنا اُس کا وہیں سے دور ہو جانا
تونے سو سو رنگ سے پردا کیا	ولہ	دیکھنے والا تجھے دیکھا کیا
بہارِ لالہ و گل شوخیِ برق و شرر ہو کر	ولہ	وہ آئے سامنے لیکن حجاباتِ نظر ہو کر
جیسے کہ تم آئینہ میں ہو اور نہیں ہو	اقبر	ایسے ہی ہر اک شے میں خدا ہے بھی نہیں بھی
غبارِ قیس بن کر لیلیِ محمل نشیں ہو کر	سہیل	عیاں ہیں کچھ کہیں ہو کر نہاں ہیں کچھ کہیں ہو کر
جو نظر آتے ہیں نہیں اپنے	امجد	جو ہے اپنا نظر نہیں آتا
کیا کوئی کہے اُس کی حقیقت کہ وہ کیا ہے	ولہ	ہاتھ آئے تو بُت ہاتھ نہ آئے تو خدا ہے
وہ بارگہ عالی خود سب سے ہے مستغنی	مجذوب	آئے جسے آنا ہے جائے جسے جانا ہے
کون ترانہ ریز ہے پردۂ سازِ بیمزاج	مزاج	کس کی صدائے جانفزا سمع نوازِ گوش ہے

نعت

یا رسول اللہ حبیبِ خالقِ یکتا توئی — شمس تبریز — برگزیدہ ذوالجلالِ پاکِ بے ہمتا توئی

بہر سو رقصِ بسمل بود شب جائیکہ من بودم — خسرو — محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائیکہ من بودم

خطِ سبز و لبِ لعل و رخِ زیبا داری — حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری

شیوہ و شکل و شمائل حرکات و سکنات — ولہٗ — آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری — ولہٗ — ہر چند وصفت میکنم در حسن ازان زیباتری

تو از پری چابک تری وز برگِ گل نازک تری — وز ہر چہ گویم بہتری حقا عجائب دلبری

آفاقہا گردیدہ ام مہرِ بتان ورزیدہ ام — بسیار خوبان دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

عالم ہمہ یغمای تو خلقِ خدا شیدائے تو — وین نرگسِ رعنائے تو آوردہ رسمِ دلبری

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی — تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہرِ شما — باشد کہ از بہرِ خدا سوئے غریبان بنگری

امروز شاہِ انجمنِ دلبران یکیست — حافظ — دلبر اگر ہزار بود دلبر آن یکیست

گوہرِ پاکِ تو از مدحتِ ما مستغنی ست — ولہٗ — دستِ مشاطہ چہ با حسنِ خداداد کند

اے دل غلامِ شاہِ جہان باش و شاد باش — ولہٗ — پیوستہ در حمایتِ لطفِ الٰہ باش

بہارِ عالمِ حسنش دل و جان تازہ میدارد —— بہ رنگ اربابِ صورت را بہ بو اربابِ معنیٰ را

برنگِ صورتِ تصویرِ احمدِ عربی — مفتون — دگرنہ از قلمِ صورت آفرین برخاست

دہد حقِ عشقِ احمدؐ بندگانِ چیدۂ خود را — بہ خاصانِ شاہ می بخشد مئے نوشیدۂ خود را

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر — عزت بخاری — نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

سرخوش از بادۂ تو خم شکنے نیست کہ نیست — اقبال — مستِ لعلین تو شیرین سخنے نیست کہ نیست

در قبائے عربی خوشترک آئی بہ نگاہ — راست بر قامتِ تو پیرہنے نیست کہ نیست

تا حدیثِ تو کنم بزمِ سخن می سازم — ورنہ در خلوتِ ما انجمنے نیست کہ نیست

گلستاں میں جا کر ہر اِک گُل کو دیکھا — گویاؔ — نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

رسولِ ہاشمی نبیوں میں ختم الانبیا ٹھہرے — امیرؔ — حسینوں میں حسین ایسے کہ محبوبِ خدا ٹھہرے

او مدینے میں خدائی کے بلانے والے — صمدؔ — منتظر اور بھی دو چار ہیں آنے والے

محمدؐ وہ کتابِ کون کا طغرائے پیشانی — سہیلؔ — محمدؐ وہ حریمِ قدس کا شمعِ شبستانی

تعالی اللہ ذاتِ مصطفیٰ کا حسن لاثانی — کہ یکجا جمع ہیں جس میں تمام اوصافِ امکانی

حُسن

دستے کہ در پیالۂ حُسنت شراب ریخت ——— وردے کہ ماند کہ در قدح آفتاب ریخت

دامانِ نگہ تنگ و گُلِ حسن تو بسیار — عشرتی — گلچینِ بہارِ تو ز دامان گلہ دارد

اے حُسنِ تو آرائشِ صحرائے قیامت — زیب النسا — وین نازِ تو برہم زنِ غوغائے قیامت

دستے کہ پیکرے تو بدین آب و تاب ریخت — بیخود موہانی — گردِ رہت بر آئینۂ آفتاب ریخت

اُس حُسن نیم رنگ کے صدقے کہ جس کے بیچ — قائم — ہلکی سی ایک شوخی کی تہ ہو حیا کے ساتھ

وہ کیا کچھ نہیں حُسن کے شہر میں — میر — نہیں ہے تو رسمِ وفا ہی نہیں

تکلف سے بری ہے حُسنِ ذاتی — آتش — قبای گُل میں گُل بوٹہ کہاں ہے

جلوۂ ماہ ایک شب فصلِ بہار چار دن ——— بزمِ جہان میں کس قدر حُسن بھی بے ثبات ہے

یہ شبابِ حُسن یہ حُسنِ شباب — حیرت — حشر تک اُن پر یہی عالم رہے

وہ مصور تھا کوئی یا آپ کا حسنِ شباب — آسی غازیپوری — جس نے صورت دیکھ لی وہ پیکرِ تصویر تھا

الٰہی کیسی کیسی صورتیں تو نے بنائی ہیں — اکبر الٰہ آبادی — کہ ہر صورت کلیجے سے لگا لینے کے قابل ہے

حُسن کی جنس خریدار لئے پھرتی ہے ——— ساتھ بازار کا بازار لئے پھرتی ہے

چتون سے میں نے جان لیا تھا اُنھیں مگر — جلیل — حُسنِ نظر فریب نے دھوکا دیا مجھے

اللہ اللہ حُسن کی یہ پردہ داری دیکھئے — آرزو — بھید جس نے کھولنا چاہا وہ دیوانہ ہوا

اب نہ کہیں نگاہ ہے اور نہ کوئی نگاہ میں — اصغر — محو کھڑا ہوا ہوں میں حُسن کی جلوہ گاہ میں

اللہ اللہ رے اُس بت کا جمال ـــــ دیکھ کر جس کو خدا یاد آیا

حُسن اُن کا یہ امتزاجِ وفا حسرتؔ اک نمونہ تھا بے مثالی کا

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے ولہٗ جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں

حُسن سے بڑھ کر کوئی افسوں نہیں چوپٹ منظفرنگری حُسن سے بہتر نہیں جادو کوئی

فطرت نے اُس کو پیکرِ انسان بنا دیا سہیل اُٹھی تھی بحرِ حُسن سے اک موج بے قرار

رنگِ ثبات آگیا ہستیٔ بے ثبات میں عزیزؔ حُسن کی جلوہ ریزیاں جب ہوئیں کائنات میں

شوق اتنا ہی بڑھا جتنا اُدھر دیکھا کئے قلیقؔ جذبِ حُسنِ یار کا ہم یہ اثر دیکھا کئے

عشق و محبت

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما — مولانا روم — اے طبیبِ جملہ علتہائے ما

عاشقی پیداست از زاریِ دل — ولہ — نیست بیماری چو بیماریِ دل

بہ عالم ہر کجا درد و غمے بود — عراقی — بہم بردند و عشقش نام کردند

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز و دم درکش — حسن — حسن این قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد

چہ درد است این کہ عشقش نام کردند — صفی — وزو آشوب خاص و عام کردند

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد — جامی — بسا کین دولت از گفتار خیزد

مرا فروخت محبت ولے نمیدانم — رحیم خان خانخاناں — کہ مشتری چہ کس است و بہای من چند است

عشق در اول و آخر ہمہ وجد است و سماع — طالب — این شرابیست کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است

یہ شعر اُن چار شعروں میں سے ہے جو جہانگیر نے تزک میں طالب کو ملک الشعرا کا خطاب دیتے وقت انتخاباً درج کئے ہیں، جی چاہے طالب کے بقیہ تین شعر بھی سن لیجئے :-

لب از گفتن چنان بستم کہ گوئی (۱) دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد

زغارتِ چمنت بر بہار منتہاست (۲) کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر باشد

دو لب خواہم یکی در مے پرستی (۳) یکے در عذر خواہی ہائے مستی

عشق حقیقیست مجازی مگیر ——— این دُم شیر است بہ بازی مگیر

شُد طبیبِ ما محبت منتش بر جانِ ما — ظہوری — محنتِ ما راحتِ ما دردِ ما درمانِ ما

نہ طربہا نہ شادیانہاست — نسبتی — عشق وسواس و بدگمانیہاست

قیمت دوستی چه میپرسی　نسبتی　عاشقی صد زیان و یک سوداست

نورِ معشوقِ ازل در دلم از یار افتاد　مرزا محمد طاہر وحید　عکسِ خورشید ز آئینه به دیوار افتاد

جنونے کو که از قیدِ خرد بیرون کشم پا را　غنیؔ　کنم زنجیر پائے خویشتن دامان صحرا را

عشق بر یک فرش بنشاند گدا و شاه را　ولہ　سیل یکسان میکند پست و بلندِ راه را

سرمد غمِ عشق بوالہوس را ندہند　سرمد　سوزِ دلِ پروانه مگس را ندہند

عمرے باید که یار آید بکنار　این دولتِ سرمد ہمه کس را ندہند

دو عالم باختن نیرنگِ عشق است ——— شهادت ابتدائے جنگِ عشق است

یعنی دونوں عالم کو ہار جانا عشق کا کھیل ہے اور شہید ہو جانا عشق کے معرکہ کی ابتدا ہے'

محبت جادهٔ دارد درونِ خانهٔ دلہا　ناصر علی علیؔ　چو تارِ سبحه گم گردید این ره زیرِ منزلہا

عشق تند افسرده طبعان را به جوش آرد علیؔ　ولہ　سیل سازد گرمی خور (خورشید) چشمهٔ یخ بسته را

عشقِ عالم سوز را با کفر و ایمان کار نیست　ولہ　گردن ما در کمندِ سبحه و زنار نیست

طمع فاتحه از خلق نداریم نیازؔ　نیاز　عشقِ من در پسِ من فاتحه خوانم باقیست

یا ز جانان یا ز جان بایست دل بر داشتن　قاآنی　رسمِ الفت نیست با یک دل دو دلبر داشتن

ندارد عشق سامانے ولیکن تیشهٔ دارد　اقبال　خراشد سینهٔ کہسار و پاک از خون پرویز است

وہی خانہ خراب اس دکھ کو جانے　میر سجاد سجادؔ　کہ جس کا عاشقی کے بیچ گھر جائے

ہوس سے ہم کیا تھا عشق اول　قائم　وہی آخر کو ٹھہرا فن ہمارا

قائم آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تیری　ولہ　مر چکے ہیں اسی آزار میں بیمار بہت

ہوس ہے عشق کی اہلِ ہوا کو ہم تو میاں　ولہ　سنے سے نام محبت کا زرد ہوتے ہیں

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال　میر　ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال

دل میں جا کر کہیں تو درد ہوا	میر	کہیں سینے میں آہِ سرد ہوا
کہیں آنکھوں سے ہو کے خون بہا		کہیں سر میں جنون ہو کے رہا
× محبت ہے یا ہے کوئی جی کا روگ	ولہٗ	سدا میں تو رہتا ہوں بیمار سا
دل لگا ہو تو جی جہان سے اُٹھا	ولہٗ	موت کا نام پیار کا ہے عشق
اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے	ولہٗ	دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں
ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن	ولہٗ	سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے
حُسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش	ولہٗ	رفتہ رفتہ دلبران کے کان میں بالے پڑے
آگے تو بہت دھوم تھی مجنوں کے جنوں کی	تاباں	اب گرم مرے دم سے ہے بازار محبت
عشق کیا شے ہے کسی کامل سے پوچھا چاہیے	ولہٗ	کس طرح جاتا ہے دل بیدل سے پوچھا چاہیے
روداد محبت کی مت پوچھ یقین مجھ سے	یقین	کچھ خوب نہیں سُننا افسوں ہے یہ افسانہ
کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق	ولہٗ	اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں
عشق میں امتیازِ رتبہ نہیں	لالہ نول رائے وفا	خاکپائے ایاز ہے محمود
تشبیہ کس مزہ سے ہیں لذت کو اُس کی دون	جرأت	کچھ دل ہی جانتا ہے مزہ دل کی چاہ کا
کرے بیخود وہ سودا ہے محبت	———	خدا جانے کہ کیا شے ہے محبت
عشق سے کس کے دل کو لاگ نہیں	ناسخ	کون سا گھر ہے جس میں آگ نہیں
وصل میں احتمالِ شادیِ مرگ	مومن	چارہ گر دردِ لا دوا ہے عشق
خط بڑھا کاکل بڑھے زلفیں بڑھیں گیسو بڑھے	ذوق	حُسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے
کس درجہ تنگ ہوں ترے ہاتھوں سے اے جنون	رند	لاؤں کہاں سے روز گریبان نئے نئے
اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں	مفتی صدرالدین خان آزردہ	اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب ۔ کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے — غالب

محبت ہو کسی کی یا عداوت ۔ مزہ دے جائیگی جو دل سے ہوگی — نسیم دہلوی

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ ۔ اِک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی — شیفتہ

ساری دنیا سے جدا تھی میری طرز میکشی ۔ تھی محبت اس کی صہبا دل مرا پیمانہ تھا — صفیر

سرمایۂ سوز و ساز ہے عشق ۔ نیرنگِ نیاز و ناز ہے عشق — عیش

نواب مرزا شوق نے مثنوی 'بہار عشق' میں عشق کے فلسفہ پر تقریر کی ہے' تقریر قدرے طویل ہے مگر سننے کے لائق ہے' اردو لٹریچر میں ایسے کامیاب تجزیہ کی مثال مشکل سے ملیگی' اس تقریر میں عشق آفات آسمانی کہا گیا ہے اور پھر اس کی خصوصیات یوں بیان کی گئی ہیں :-

شمع ہو کر کہیں پگھلتا ہے ۔ کہیں پروانہ بن کے جلتا ہے

کہیں سرمہ ہے چشمِ تر ہے کہیں ۔ کہیں صندل ہے دردِ سر ہے کہیں

کہیں آتش ہے یہ کہیں ہے خلیل ۔ کہیں ساقط ہے مثل نبض علیل

کہیں فرقت کا دردمند ہے یہ ۔ کہیں مغرور و خود پسند ہے یہ

کہیں زخمِ جگر کا پھاہا ہے ۔ درد بنکر کہیں کراہا ہے

کہیں عارض کا خال بنتا ہے ۔ کہیں چشمِ غزال بنتا ہے

کہیں افعئ زلفِ یار ہے یہ ۔ کہیں تریاق زہر مار ہے یہ

گریۂ چشمِ خونچکان ہے کہیں ۔ خندۂ زخمِ عاشقان ہے کہیں

کہیں خنجر ہے دستِ قاتل کا ۔ کہیں مرہم جراحتِ دل کا

ہے کہیں تاج بادشاہی کا ۔ کہیں کشکول ہے گدائی کا

گلِ رخسارِ آتشین ہے کہیں ۔ نالۂ بلبلِ حزین ہے کہیں

سیکڑوں جی سے کھوئے اس نے ——— لاکھوں بیڑے ڈبوئے اس نے

اب یہ جانا کہ اسے کہتے ہیں آنا دل کا　امیر　ہم ہنسی کھیل سمجھتے تھے لگانا دل کا

رہرو راہِ محبت کا خدا حافظ ہے　داغ　اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

کیا بری چیز محبت ہے الٰہی توبہ　ظہیر　جرم ناکردہ خطاوار بنے بیٹھے ہیں

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید　حالی　خودبخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

ہم نے اوّل سے پڑھی ہے یہ کتاب آخر تک　ولہٗ　ہم سے پوچھے کوئی ہوتی ہے محبت کیسی

تو ہی نہیں ہے رمزِ محبت سے آشنا　مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی　ورنہ دیارِ حُسن میں رسمِ ستم نہیں

سب کو خبر ہوئی مرے حالِ تباہ کی ——— اُٹھ جائیگی جہان سے اب رسمِ چاہ کی

الفت کا جب مزہ ہے کہ وہ بھی ہوں بیقرار ——— دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

رواجِ عشق کے آئین وہی ہیں کشورِ دل میں ——— رہ و رسمِ وفا جاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

کچھ یوں تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار ——— مصحفی　لوگ کچھ اور بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

اہلِ ظاہر کہتے ہیں جس عشق کو آزارِ جان ——— فی الحقیقت ہے وہی آرامِ جانِ اہلِ درد

جل رہا ہے دل مگر لب ہیں خموش ——— عشق اس بیچارگی کا نام ہے

پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انسان　اکبر الہ آبادی　سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا　ریاض　مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

عشق میں دل گنوا کے حال یہ ہے　ثاقب لکھنوی　کچھ میں کھویا ہوا سا رہتا ہوں

کچھ کھیل نہیں ہے عشق کی لاگ　احمد علی شوق　پانی نہ سمجھ یہ آگ ہے آگ

محبت رنگ دے جاتی ہے جب دل دل سے ملتا ہے　جلیل　مگر مشکل تو یہ ہے دل بڑی مشکل سے ملتا ہے

محبت نہیں آگ سے کھیلنا ہے　آرزو لکھنوی　لگانا پڑے گا بجھانا پڑے گا

معمہ بن گیا رازِ محبت آرزو یون ہی — آرزو لکھنوی — وہ مجھ سے پوچھنے جھجکے مجھے کہتے حجاب آیا

تھی خطا اُن کی مگر وہ آ گئے جب سامنے — — جھک گئیں میری ہی آنکھیں رسمِ الفت دیکھئے

گرفتارِ محبت بھی کہیں آزاد ہوتے ہیں — — محبت جس کو کہتے ہیں وہ اک زنجیر ہوتی ہے

یہ دورنگی تیری عشقِ فتنہ زا اچھی نہیں — — ابتدا اچھی ہے لیکن انتہا اچھی نہیں

کچھ ملتے ہیں اب پختگیِ عشق کے آثار — اصغر — نالون میں رسائی ہے نہ آہوں میں اثر ہے

دلون کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد — حسرت — ترے جنون کا خدا سلسلہ دراز کرے

مجالِ ترکِ محبت نہ ایک بار ہوئی — وحشت — خیالِ ترکِ محبت تو بار بار آیا

عشق سے لوگ منع کرتے ہیں — آثر لکھنوی — جیسے کچھ اختیار ہے گویا

اپنی وفا نہ ان کی جفاؤن کا ہوش تھا — ولہٗ — کیا دن تھے جبکہ دل میں محبت کا جوش تھا

پوچھا اثر سے میں نے جو دل کا معاملہ — ولہٗ — اِک آہِ سرد کھینچ کے خاموش ہو گیا

مذاقِ عشق ہو کامل تو صورتِ شبنم — ولہٗ — کنارِ گُل میں رہے اور پاکباز رہے

آغازِ محبت کی لذّت انجام میں پانا مشکل ہے — ولہٗ — جب دل کو مسوسے رہتے تھے اب ہاتھ لگانا مشکل ہے

محبت اور اظہارِ محبت — ولہٗ — یہی تو بات ہے دیوانہ پن کی

دل ہی اثر کا تاب نہ لایا — ولہٗ — ورنہ محبت زہر نہیں ہے

عشق پابندِ وفا ہے نہ کہ پابندِ رسوم — آسی آلدنی — سر جھکانے کو نہیں کہتے ہیں سجدہ کرنا

یہ دونون ایک ہی ترکش کے ہیں تیر — ولہٗ — محبت اور مرگِ ناگہانی

فانی کفِ قاتل میں شمشیر نظر آئی — فانی — لے خوابِ محبت کی تعبیر نظر آئی

عجب جوش پر ہے شبابِ محبت — جگر مرادآبادی — محبت ہے مستِ شرابِ محبت

اس جذبۂ الفت کا ادنیٰ یہ فسانہ ہے — ولہٗ — سمٹے تو دلِ عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

مذاقِ عشق کا معیار اونچا ہوتا جاتا ہے — ولہٗ — نظر بیگانۂ حُسنِ دو عالم ہوتی جاتی ہے

دوا ہر درد کی ہے اے ولایت — ولایت گورکھپوری — مگر دردِ محبت لا دوا ہے

رضا کتنی حسین و مختصر شرحِ محبت ہے — رضا لکھنوی — نہ راس آئے تو دوزخ ہے جو راس آئے تو جنت ہے

بہت رنگین ہے رودادِ محبت — سہیل — بہت آگے ہیں ہم دنیا و دین سے

محبت معنی و الفاظ میں لائی نہیں جاتی — شعری بھوپالی — یہ وہ نازک حقیقت ہے جو سمجھائی نہیں جاتی

محبت اور دل دونوں کی فطرت حشر ساماں ہے — ولہٗ — کبھی طوفان میں کشتی ہے کبھی کشتی میں طوفان ہے

زندگی ہے تمام سوز و گداز — نشتر چھگامی — اے غمِ عشق تیری عمر دراز

کیا خبر تھی اس میں کانٹوں کے سوا کچھ بھی نہیں — تربھون ناتھ آغا — اس محبت کو بہارِ بے خزاں سمجھا تھا میں

لطفِ دوزخ بھی لطفِ جنت بھی — خمار — ہائے کیا چیز ہے محبت بھی

محبت بھی کیا شے ہے اللہ جانے — ولہٗ — ہیں جتنی زبانیں ہیں اتنے فسانے

خصوصیات عشق و محبّت

اوصافِ محبت

عشق را با ہر دلے نسبت بقدرِ جوہر است　رفیع خان باذل　قطرہ برگُل شبنم و در قعرِ دریا گوہر است

نہ ہر کس را محبت مایہ دار است　اقبال　نہ با ہر کس محبت سازگار است

بروید لالہ با داغ جگر تاب　　دلِ لعلِ بدخشان بے شرار است

ایک صورت کے لئے اِس عشق مین　مصحفی　سیکڑون صورت کی ہیں رسوائیاں

لاکھ چاہت کو چھپائے کوئی پر چھپتی نہین　ظفر　پیار کی آنکھ اور اُلفت کی نظر چھپتی نہین

تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط　حالی　اُلفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا

یہ کس غضب کی ہے بے اعتباریِ اُلفت　——　ہم ان کی اور وہ ہماری نظر کو دیکھتے ہیں

بڑی احتیاط طلب ہے یہ جو شراب ساغرِ دل میں ہے　بے نظیر شاہ　جو چھلک گئی تو چھلک گئی جو بھری رہی تو بھری رہی

اللہ رے اعتمادِ محبت کہ آج تک　فانی　ہر درد کی دوا ہیں وہ اچھا کئے بغیر

ہر چند دردِ عشق کا درمان نہیں مگر　تسکین بدایونی　بنتی نہین ہے فکر مداوا کئے بغیر

مشکلِ محبت

تر دیکھ کے میری آنکھون کو یہ بات سنا تا ہے اکثر
ہیں کہتے جس کو چاہ یہان وہ مشکل ہے آسان نہیں
نظیر اکبر آبادی

نواب یوسف علی خان ناظمؔ (والی رام پور)

الفت بری بلا ہے کہ ناظمؔ سا آدمی ‏ رہنت کش عدو سر بازار ہو گیا

سہل ہے ملنا نگاہوں کا مگر ‏ امیرؔ ‏ دل سے دل ملنا بہت دشوار ہے

کون کہتا ہے چاہ مشکل ہے ‏ بیانؔ ‏ لیکن اس کا نباہ مشکل ہے

ترک مشکل نباہ مشکل ہے ‏ سخت کافر یہ چاہ مشکل ہے

اشک آنکھوں میں جگر میں درد شورش دل میں ہے ‏ قیمؔ گورکھپوری ‏ اک محبت کی بدولت گھر کا گھر مشکل میں ہے

یہ عشق نہیں آساں اتنا ہی سمجھ لیجے ‏ جگرؔ مرادآبادی ‏ اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

کرشمۂ محبت و جذبۂ محبت

من از آن حسن روز افزون کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت برون آرد زلیخا را
حافظؔ

حیران فسون سازی عشقم کہ جمالت ‏ فیضیؔ ‏ از دیدہ درون آید و در سینہ نگنجد

من نہ ز اختیار خود میروم از قفائے او ‏ —— ‏ آن دو کمند عنبرین می کشدم کشاں کشاں

عشق آن خانمان خرابے ہست ‏ —— ‏ کہ ترا آورد بخانۂ ما

عشق ازین بسیار کردست و کند ‏ —— ‏ سبحہ را زنار کردست و کند

عشق را گر رخصت شوخی نمی بودے ز حسن ‏ —— ‏ دست کے کردے زلیخا سوئے پیراہن دراز

محبت این چنین عاشق نوازی این چنین باید ‏ —— ‏ زدی سنگی شکستی سوختی انداختی رفتی

پھرتے ہیں میرؔ خوار کوئی پوچھتا نہیں ‏ میرؔ ‏ اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

کبھو رونا کبھو ہنسنا کبھو حیران ہو رہنا ‏ دردؔ ‏ محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے

کیسا ہی وہ بُرا ہو پہ لگ جائے جس سے دِل نظیر اکبر آبادی لگتا ہے دل کو پھر وہی واللہ سب سے خوب
اتنا تو جذبِ عشق نے بارے کیا اثر برق اُس کو بھی اب ملال ہے میرے ملال کا

اثرِ محبت

مشغولیٔ عشق داد جامی جامی از شغلِ جہان فراغ مارا
کیا سے کیا کر دیا محبت نے میر آثر اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں
بچتا نہیں ہے جو کہ ہے بیمارِ عشق کا گلاب سنگھ آشفتہ یا رب کسی کو ہو نہ یہ آزار عشق کا
لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے جرأت کون سے شہر میں ہوتا ہے کدھر ہوتا ہے
دِل یہ جس کے لئے پہلو میں تپاں رہتا ہے مومن یوں سُنا ہے کہ اُسے بھی خفقان رہتا ہے
کھیل سمجھو نہ دلگی دِل کی ——— خون رُلائیگی یہ لگی دِل کی
میں کیا کہوں کہاں ہے محبت کہاں نہیں اصغر رگ رگ میں دوڑی پھرتی ہے نشتر لئے ہوئے
نہ ذوقِ تخیل نہ شوقِ تماشا جگر مرادآبادی محبت ہے اب اور بیزاریاں ہیں

محبت و مدارا (نباہ)

اُس بلائے جان سے آتش دیکھیے کیونکر نبھے آتش دِل سوا شیشے سے نازک دِل سے نازک خوئے دوست
میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے مومن تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی
میری اُن کی نبھی نبھی نہ نبھی حمید دل ہی تو ہے مِلا مِلا نہ مِلا
نہ کرو اب نباہ کی باتیں ——— تم کو اے مہربان دیکھ لیا

انجامِ محبّت

طریقِ عشق میں مجنون و کوہکن کو نہ پوچھ — کلیم — ہزاروں ہو گئے غارت سو ایک دو معلوم

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے — میرؔ — اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے

خواریاں بدنامیاں رسوائیاں — مصحفی — عشق نے شکلیں یہ سب دکھلائیاں

پہلے سے اگر جانتے انجامِ محبت — ذوق — لیتے نہ کبھی بھول کے ہم نامِ محبت

دیکھئے کیا ہو مآلِ عاشقی — ـــــــ — انتہائے سوز سے آغاز ہے

یا ہماری ہی یہ قسمت ہے کہ محروم ہیں ہم — حسرت — یا مگر اُن کی محبت کا نتیجہ ہے یہی

اِنتہائے محبت

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم — میرؔ — اب ہوئے خاک انتہا یہ ہے

ابتدا جس کی انتہائے سوز — ـــــــ — انتہا اُس کی بس خدا معلوم

ابتدا وہ تھی کہ دنیا تھی ملامت گر مری — آسیؔ آلدنی — انتہا یہ ہے کہ کوئی کچھ نہیں کہتا مجھے

دل سراپا درد تھا وہ ابتدائے عشق تھی — فانیؔ — انتہا یہ ہے کہ فانیؔ درد اب دل ہو گیا

گونا گوں

ساقیا یک جرعہ زاں آبِ آتش گوں کہ من
درمیانِ پختگانِ عشقِ اُو خامم ہنوز — حافظ

بنازم بہ بزمِ محبت کہ آنجا — ـــــــ — گدائے بہ شاہے مقابل نشیند

نوازشے زکرم می کند محبت نیست　نظیری　توان شناختن از دوستی مدارا را

طفلان شہر بے خبر اند از جنونِ ما ——— یا این جنون ہنوز سزاوارِ سنگ نیست

از سعیٔ کارِ عشق شود خام بیشتر　صائب　پیچد بہ مرغ بال فشان دام بیشتر

رقیباں کی نہ کچھ تقصیر ثابت ہے نہ خوباں کی　مظہر جانجاناں　مجھے ناحق ستاتا ہے یہ عشق بدگماں اپنا

وہ کیا کرے کہ محبت کا اقتضا ہے یہی　ہدایت　وگرنہ فائدہ اُس کو مرے ستانے سے

اُف ری گرمیٔ محبت کہ ترے سوختہ جاں　مومن　جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اُٹھے

اب زباں پر بھی نہیں آتا کہیں اُلفت کا نام　ذوق　اگلے مکتوبوں میں کچھ رسمِ کتابت ہو تو ہو

اُلفت کا نشہ جب کوئی مرجائے تو جائے　ولہٗ　یہ دردِ سر ایسا ہے کہ سر جائے تو جائے

کیا جانئے کیا اس کا سبب ہے کئی دن سے ——— وہ پیار بھی کرتے ہیں تو ہوتا ہے گماں اور

جذبۂ عشق سلامت ہے تو انشاءاللہ　داغ　کچے دھاگے میں چلے آئینگے سرکار بندھے

مائل عرضِ تمنا ہے دلِ خانہ خراب ——— المدد المدد اے غیرتِ مردانۂ عشق

لاکھ نازک ہو رشتۂ اُلفت　جلیل　ٹوٹتا ہے یہ تار مشکل سے

اللہ ایسے جذبِ محبت کو کیا کروں ——— رگ رگ کو جس نے درد بھرا دل بنا دیا

پھونکدے اے غیرتِ سوزِ محبت پھونکدے　جگر مرادآبادی　اب سمجھتی ہیں وہ نظریں رحم کے قابل مجھے

پائے صنم ہے اور جبینِ حرم نواز　اختر تلہری　رسم و رواجِ شہرِ محبت نہ پوچھئے

محبت کا اعجاز تم خود ہی دیکھو　اثر بدایونی　ستم کا ارادہ کرم ہو گیا ہے

عاشق

در چشمِ محققان چہ زیبا وچہ زشت	عمر خیام	منزلگہِ عاشقان چہ دوزخ چہ بہشت
پوشیدن بیدلان چہ اطلس چہ پلاس		زیرِ سرِ عاشقان چہ بالین و چہ خشت
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق	حافظ	ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما
در بزم مزن بلند دستان	ـــــ	آہستہ کہ خفتہ اند مستان
گر نام و نشانِ من پرسد بگو قاصد	ـــــ	آوارہ و مجنونے رُسوا سرِ بازارے
بلبل نیم کہ نالہ زنم درد سر دہم	ـــــ	قُمری نیم کہ طوق بہ گردن در آورم
پروانہ نیستم کہ بیکدم شوم عدم		شمعم کہ جان گدازم و دم بر نیاورم
اشکِ سُرخے بہ رُخ و چہرۂ زردے دارم	ظریف اصفہانی	نالم از درد و ندانم کہ چہ دردے دارم
چشمِ بے درد تر نمی باشد	فیضی	ہر صدف پُر گہر نمی باشد
ہوائے بادہ گرت نیست در سرت فیضی	ولہٗ	دلِ پُر آتش و چشمِ پُر آب یعنی چہ
دل آشفتہ و چشمِ خونبار داری	ولہٗ	مگر با محبت سرو کار داری
ادراکِ حالِ ما زِ نگہ می توان نمود	نظیری	قدرے زِ حالِ خویش بہ سیما نوشتہ ام
از مذہبم مپرس نہ مومن نہ کافرم	ـــــ	من رسیمِ این دیار ندانم مسافرم
در ریاضِ آفرینش لالہ سان روئیدہ ام	ـــــ	پائے در گِل داغ بر دل شعلہ در دامانِ ما
مرا اندوہِ دل دلگیر کرد است	نسبتی	در آغازِ جوانی پیر کرد است
نہ شگوفۂ نہ برگے نہ گُلے نہ سایہ دارم	ـــــ	ہمہ حیرتم کہ مارا بچہ کار کشت دہقان

میر عثمان علی خان عثمان نظام دکن

به عثمان عشق و این کافر بتان را — ادائے دلکش و مستانہ دادند

زقیدِ ننگ و نام آزاد شد سالک چہ می پرسی — سالک — ازآن آوارہ رندے خرابے بادہ پیمائے

دل تماشائی تو دیدہ تماشائی دل — فرخی یزدی — من بفکرِ دل و خلقے بہ تماشائے من است

من عاشقم گواہِ من این قلبِ چاک چاک — عشقی — در دستِ من جز این سندِ پارہ پارہ نیست

کہتے ہیں عاشقان مرا حال دیکھ کر — داؤد — شاید تو دل دیا ہے کسی بیوفا کے ہاتھ

مرا احوال چشمِ یار سے پوچھ — ولہٗ — حقیقت درد کی بیمار سے پوچھ

مرے حالِ پریشان کی حقیقت — • — صنم کی زلف کے ہر تار سے پوچھ

کس طرح سے مانئے یارو کہ یہ عاشق نہین — میر — رنگ اُڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اُسی گھڑی — ولہٗ — جب تیرا نام سُن کے وہ بیتاب سا ہُوا

سخت کافر تھا جس نے پہلے میر — ولہٗ — شیوۂ عشق اختیار کیا

عاشق ہے یا مریض ہے پوچھو تو میر سے — ولہٗ — پاتا ہون زرد روز بروز اس جوان کو

نامرادانہ زیست کرتا تھا — ولہٗ — میر کا طور یاد ہے ہم کو

سرہانے میر کے آہستہ بولو — ولہٗ — ابھی ٹک روتے روتے سوگیا ہے

عجب احوال ہے تابان کا تیرے — تابان — کہ رونا رات دن اور کچھ نہ کہنا

بہار آخر ہوئی ہے اب تو سینے دے گریبان کو — یقین — یقین کرتا ہے کوئی اس قدر دیوانہ پن بس کر

آہ کیون بار بار کرتا ہے — ——— — سچ بتا کس کو پیار کرتا ہے

روئے ہے بات بات پر جرأت — جرأت — یہ گرفتار ہے کہین نہ کہین

انکے دیوانون کو بھی کیا ضبط ہے اوقات کا — شہیدی — دوپہر ہنستے رہے گر دوپہر رویا کئے

جامِ شرابِ عشق سے دونون ہیں بے خبر — آتش — بلبل چمن مین مست ہے ہم کوئے یار مین

دیوانگی عشق بڑی چیز ہے آتش — ولہ — یہ اُسکا کرم ہے جسے دیوانہ بناوے

مین تو عاقل تھا زمانے کا پر اُلفت کے طفیل — تاب — کوئی دیوانہ کہے ہے کوئی سودائی مجھے

روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات — ــــــ — اب یہی روزگار ہے اپنا

بُلبل ہون صحنِ باغ سے دور اور شکستہ پر — ذوق — پروانہ ہون چراغ سے دور اور شکستہ پر

مَیں وہ مجنون ہون کہ زندان میں نگہبانون کو — ظفر — میری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہون نہ کسی کے دل کا قرار ہون — ولہ — جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشتِ غبار ہون

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بارہا — غالب — دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہین

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر — حالی — ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں مین

اِن دِنون جوشِ جنون ہے ترے دیوانے کو — ــــــ — طوق و زنجیر لئے جاتے ہیں پہنانے کو

آج ارشد کو عجب حال میں ہم نے دیکھا — ارشد — رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

کسی نے لی رہِ کعبہ کوئی گیا سوے دَیر — آسی غازیپوری — پڑے رہے ترے بندے مگر ترے در پر

کوئی اکبر سا بھی دیوانہ نظر آیا ہے کم — اکبر الہ آبادی — پھرون روتا ہے جو پوچھو تو سبب کچھ بھی نہین

دنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاض پر — ریاض — کس نوک کا جوان ہے کس آن بان کا

کیا چھلکتا یہ کوئی جامِ شراب آتا ہے — ولہ — لے میں قربان مرا عہدِ شباب آتا ہے

گُل مُرقع ہیں ترے چاک گریبانون کے — ولہ — شکل معشوق کی انداز ہیں دیوانون کے

یہ نشان پائے گئے گم شدہ دیوانوں کے — ــــــ — ٹکڑے صحرا سے کچھ آئے ہیں گریبانون کے

گرفتارِ محبت ہون اسیرِ دامِ اُلفت ہُون — حسرت — مین رسوائے جہانِ آرزو ہون یعنی حسرت ہُون

موسمِ گل میں عجب رنگ ہیں دیوانوں کے — ولہ — چاک دامان ہے کوئی چاک گریبان کوئی

اب اس کو کیا کرے کوئی اگر تم کو نہ باور ہو
بتو کہتا تو جاتا ہوں مسلمان ہو تو کافر ہو　　ناطق گلاوٹھی

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں　　اقبال

اب کون ہے رموزِ محبت کا رازداں　　آسی الدنی　　اک ہم رہے ہیں ہم کو کوئی پوچھتا نہیں

فانی کو یا جنوں ہے یا تیری آرزو ہے　　فانی　　کل نام لے کے تیرا دیوانہ وار رویا

دیکھا نہ آنکھ اُٹھا کے کبھی اہلِ درد نے　　ولہٗ　　دُنیا گذر گئی غمِ دنیا لئے ہوئے

دستِ جنونِ عشق کی گلکاریاں نہ پُوچھ　　جگر مرادآبادی　　ڈوبا ہوا ہوں سر سے قدم تک بہار میں

آجائے اگر ضد پہ اپنی کوئی دیوانہ　　ولہٗ　　خود گرد پھرے آکر کعبہ ہو کہ بتخانہ

تو ہزار عذر کرے مگر ہمیں شک ہے اَور ہی کچھ جگر
ترے اضطرابِ نگاہ سے تری احتیاطِ کلام سے　　ولہٗ

دیکھا نہ زمانے میں مجذوب سا مستانہ　　مجذوب　　فرزانہ کا فرزانہ دیوانہ کا دیوانہ

مجذوب کو جب دیکھا محفل کی طرف آتے　　ولہٗ　　گھبرا کے پکار اُٹھے دیوانہ ہے دیوانہ

سمجھا تھا نہ سمجھا ہے نہ سمجھے گا رضا کچھ　　رضا لکھنوی　　دیوانہ تھا دیوانہ ہے دیوانہ رہے گا

کہیں چھپتے ہیں اُن کے دیوانے　　نشتر تھگامی　　ایک سی بات ایک سا انداز

معشوق

دو ابرو کمان و دو گیسو کمند — فردوسی — به بالا به کردار سرو بلند

ہمہ رُخ پُر از گُل ہمہ چشم خواب — ہمہ لب پُر از مے بہ بوی گُلاب

یہ وہی فردوسی ہے جو خدائے سخن کہا جاتا ہے اور جس کے متعلق نظامی کہتے ہیں :-

سخن گوئے پیشینہ دانائے طوس

کہ آراست زلفِ سخن چوں عروس

علامہ شبلی "ہمہ رُخ" والے شعر کے متعلق کہتے ہیں :- "اس شعر پر غور کرو 'ہمہ چشم خواب' کے مبالغہ اور بے ساختگی پر متاخرین کے ہزاروں تکلفات اور مضمون آفرینیاں نثار ہیں"

فغان کیں لولیان شوخ شیرین کار شہر آشوب — حافظ — چناں بُردند صبر از دل کہ تُرکاں خوانِ یغما را

یا رب آن شمع شب افروز زکاشانۂ کیست — ولہٗ — جان ما سوخت و بپرسید کہ جانانۂ کیست

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد — ولہٗ — بندۂ طلعتِ آن باش کہ آنے دارد

مرا یاریست سنگین دل ستمگر سست پیمانے — قیامت قامتے زنّار دارے نامسلمانے

از کجا در روزگارِ من فتاد — چوں تو سنگین دل بلائے کافرے

معشوقِ ما بہ شیوۂ ہر کس برابر است — با ما شراب خورد و بہ زاہد نماز کرد

گہے لُطف و گہے قہر است کارِ دلرُبائے من — مگر لُطف از برائے دیگران قہر از برائے من

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست — بسیار شیوہاست بتاں را کہ نام نیست

مرا یاریست شیریں کار می نازم کہ در گیتی — مسٹر جسٹس محمود — ندارد ہیچ کس یارے چنیں یارے کہ من دارم

آں صلح فراموشے، آں عربدہ انگیزے	اقبال	آں پردہ نشیں شوخے، آں شوخ کم آمیزے
چہ می پرسی ربود از دل متاع صبر و تسکیں را	سالک	پریشاں کاکلے رنگیں ادائے محفل آرائے
خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو	مظہر جانجاناں	یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے
سودا ترا جو حال ہے اتنا تو نہیں وہ	سودا	کیا جانئے تو نے اسے کس آن میں دیکھا
جتنے ہیں خوبرویاں سب دلستاں ہیں لیکن	ولہ	اللہ نے تجھی کو اک جاں ستاں بنایا
برقع کو اٹھا چہرے سے وہ بت اگر آوے	میر	اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آوے
کیا جانیئے کس نے تجھے محبوب بنایا	تپش	پر جس نے بنایا سو بہت خوب بنایا
جو جلوہ صنم تجھ میں ہم دیکھتے ہیں	نواب آصف الدولہ آصف	خدا کی خدائی میں کم دیکھتے ہیں
کوئی تو ہے گل چہرہ کوئی سرو رواں ہے	عشقی	دیکھا تو یہاں ایک سے ایک آفت جاں ہے
اللہ رے یوسف کی مرے گرمئ بازار	غافل	گرتا ہے خریدار خریدار کے اوپر
جب واقف راہ و روش ناز ہوئے تم	مصحفی	عالم کے میاں خانہ بر انداز ہوئے تم
دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا	میر اثر	دشمنی پر تو پیار آتا ہے
نسبت مجھے آہ تجھ سے کیا ہے	ولہ	بندہ بندہ خدا خدا ہے
کون سا گل نہیں گلزار جہاں میں مغرور	آتش	کس کے چہرے میں نہیں چین جبیں تیوڑی سی
کیوں سنے عرض مومن مضطر	مومن	صنم آخر خدا نہیں ہوتا
تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں	ولہ	اور بن جائینگے تصویر جو حیراں ہونگے
جس طرح ماہ سارے ستاروں میں ایک ہے	ذوق	یوں میرا مہ جبیں بھی ہزاروں میں ایک ہے
ایک جگہ دوسرا مصرعہ یوں دیکھا ہے :-		یوں ہی وہ مہ جبیں بھی ہزاروں میں ایک ہے
عدوئے جاں بت بے باک نکلا	صبا	بڑا قاتل بڑا سفاک نکلا

قمریاں عاشق ہیں تیری سرو بندہ ہے ترا ——— بلبلیں تجھ پر فدا ہیں گل ترا دیوانہ ہے

بے مروت، بیوفا، بیداد گر — تمنا — نام کیا کیا آپ نے پیدا کیا

کچھ ایسی بن گئی تصویر اُس کے دست قدرت سے — راقم — رہا حیران بنا کر آپ صورت آفریں برسوں

سربسر کیں ہے لیک وہ پُرکار ——— دیکھو تو مھربان ہے گویا

یہ صورت اور بھولی بھولی باتیں — انجم (ابن الجد علی شاہ) — تمہیں بتلاؤ پیار آئے نہ آئے

اللہ اللہ رے بتوں کا غرور ——— یہ خدائی نہیں تو پھر کیا ہے

فدا نا آشنائی پر تو لاکھوں ہیں دل وجاں سے — تصویر — اگر وہ بت کسی کا آشنا ہوتا تو کیا ہوتا

ملا وہ مرتبہ نامِ خدا تجھ کو حسیں ہو کر — اثیر — فلک کرتا ہے مجرا تیری چوکھٹ کا زمیں ہو کر

عجب عالم ہے اُس کا وضع سادی شکل بھولی ہے — ولہٗ — کھبی جاتی ہے دل میں کیا رسیلی نرم بولی ہے

بُت کو بُت اور خدا کو جو خدا کہتے ہیں — داغ — ہم بھی دیکھیں کہ تجھے دیکھ کے کیا کہتے ہیں

کبھی کچھ رات گئے اور کبھی کچھ رات رہے — ریاض — ہم نے ان پردہ نشینوں کو نکلتے دیکھا

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں — جلیل — وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

غضب ہے جوانی میں جوبن کسی کا — بسمل — قیامت ہے بے ساختہ پن کسی کا

تم دشمنِ عشاق بہرحال ہو یعنی — حسرت — آشوبِ نظر، فتنۂ دل، آفتِ جاں ہو

فرق کیا عاشق ومعشوق میں اتنا ہی تو ہے — صفدر مرزاپوری — کوئی دیوانہ بنائے کوئی دیوانہ بنے

کوئی دل لیتا ہے دیتا ہے کوئی — احقر بہاری — کوئی دانا ہے کوئی نادان ہے

کیوں سادگی میں طور کچھ اب بانکپن کے ہیں — فانی — کل تک تو بانکپن میں ادا سادگی کی تھی

اُس نورِ مجسم کے افسانے کو کیا کہئے — ولہٗ — ہے شمع بھی پروانہ پروانے کو کیا کہئے

ستم ہو، قہر ہو، تم اک بلا ہو — جگر مرادآبادی — یہ سب کچھ ٹھیک پھر بھی دلربا ہو

سفاک چتونیں بھی ہیں قاتل نظر بھی ہے ولہٗ کیا چیز ہو گئے ہو تمہیں کچھ خبر بھی ہے

اک جلوۂ حق نما کو دیکھا فراق گورکھپوری تم کو دیکھا خدا کو دیکھا

عشق کی کچھ ہوا لگی جب انھیں ولہٗ کچھ اُڑا رنگ کچھ نکھر بھی گئے

کم سنی

ہنوز آن طفل خندیدن نداند نورجہاں نگہ دزدیدن و دیدن نداند

شرم می آید ز قاصد طفلِ محجوبِ مرا شوکت بخاری بر سرِ راہش بیندازید مکتوبِ مرا

ماہِ من در مکتب و من بر سرِ رہ منتظر ——— اے معلم یک زماں آن سرو را آزاد کن

ہنوزش رنگ طفلی ہست گل چیدن نمیداند ناظم لاہیجانی بدامن آشیانِ بلبل از گلزار می آرد

ہنوز حُسن تو نومشقِ جلوہ پیرائی ست آفرین لاہوری ہنوز اوّلِ درسِ کتابِ رعنائی ست

ہنوز دامنِ حُسنت زِ صبح پاک تر است ہنوز ماہ تو ایمن زِ داغِ رُسوائی ست

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن میر حسن جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

پڑا ہے پالے ایک ایسے کے دل کہ جو ناداں سودا وفا کی راہ نہ رسمِ ستمگری جانے

چشم بد دور عجب خوش قد و قامت ہوگا بیتاب ابھی فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہوگا

خدا ترا بتِ کمسن دراز سن تو کرے ——— ستم کے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن تو کرے

ہائے وہ لب ہلا کے رہ جانا صفیر بلگرامی ابھی کچھ بات کر نہیں آتی

مرزا غالب نے ایک خط میں صفیر بلگرامی کو لکھا ہے :- "اشعار گہر بار دیکھ کر دل بہت خوش ہوا سب اچھے ہیں مگر جو میرے دل میں اُتر گئے وہ تم کو لکھتا ہوں" اس کے بعد مرزا نے وہ اشعار لکھے ہیں، اُن میں شعر مندرجہ بالا بھی ہے مگر یہ بھی لکھا ہے "کیوں حضرت ! 'ابھی کی' یا ئے

تحتانی کا دبنا غیر فصیح نہیں؟ "کچھ ابھی بات کر نہیں آتی" کیا نعم البدل نہیں"!

ہائے اُس کے کلام کا انداز   مجور   کہ جسے بات کر نہیں آتی
کم سنی کے سبب وہ غنچہ دہن   ہنستا ہے بات کر نہیں آتی

کچھ جوانی ہے ابھی کچھ ہے لڑکپن اُن کا   منیر   دو دغا بازوں کے پھندے میں ہے جوبن اُن کا
وہ کیا جانیں سکتے ہیں کس کو جوانی   امیر   ابھی کھیلتا ہے لڑکپن کسی کا
تند مے اور ایسے کمسن کے لئے   ولہٗ   ساقیا ہلکی سی لا ان کے لئے
باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی   بھیجنی ہیں ایک کمسن کے لئے
ان حسینوں کا لڑکپن ہی رہے یا اللہ   داغ   ہوش آتا ہے تو آتا ہے ستانا دل کا
بات کرنی تک تمہیں آتی نہ تھی   ولہٗ   یہ ہمارے سامنے کی بات ہے

وہ کمسن ہیں اُنھیں مشق ستم کو چاہیئے مدّت
حاذق
ابھی تو نام سُن کر خنجر و پیکاں کا ڈرتے ہیں

آسرا آسرے والوں نے لگا رکھا ہے   عابد   کم سنی کھیل رہی ہے ابھی کیا رکھا ہے
ابھی اس نوبہار پر عالم سید فضل حق آزاد باغباں ہے نکلتی کوپل کا
جوانی کے دامن سے لپٹا ہوا ہے   ریاض   نہ اب تک گیا ہائے بچپن کسی کا
ابھی تو طفل دبستاں ہو تم کو کیا معلوم   ظریف   وفا وفا نہ کرو دھر ہیں وفا معلوم
یہ رنگ گلاب کی کلی کا   جلیل   نقشہ ہے کسی کی کمسنی کا

شباب

الٰہی عمر می خواہم کہ گاہے ہم کرامت کن   ناصر علی   کہ در پیری بہ بینم شوخ تر حسن جوانش را

اُس پری پیکر کو مت انسان بوجھ — یکرنگ — شک ہیں کیوں پڑتا ہے اے دل جان بوجھ

خط کے آنے پر بھی کافر مجھ کو ترساتا رہا — نظیر اکبرآبادی — جیسا شرماتا تھا جب ویسا ہی شرماتا رہا

خدا کی شان جنھیں بات کر نہ آتی تھی — ولہٗ — وہ اب کریں ہیں سوال و جواب آنکھوں میں

ہم تو کھڑے ہیں سربکف شوق سے امتحان ہو — شہیدی — باڑھ پہ آچکا ہے قد نامِ خدا جوان ہو

گیسوئے مشکیں رُخِ محبوب تک آنے لگے — آتش — چشمۂ خورشید میں بھی سانپ لہرانے لگے

بدمستیوں کا رنگ ہے جوشِ شباب میں — انور — گویا کہ وہ نہائے ہوئے ہیں شراب میں

باقی نہ دل میں کوئی بھی یارب ہوس رہے — امیر — چودہ برس کے سن میں وہ لاکھوں برس رہے

ہے جوانی خود جوانی کا سنگار — ولہٗ — سادگی گہنا ہے اس سن کے لئے

ہے ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی — داغ — اُف تری ظالم جوانی جوش پر آئی ہوئی

کچھ نرالا ہے جوانی کا بناؤ — ولہٗ — شوخیاں زیور ہیں اس سن کے لئے

اُف رے عہدِ شباب کی مستی — ولہٗ — بے پئے ہے شراب کی مستی

صورت نظر میں ہے کسی مستِ شباب کی — آفق — ملتی ہے بے پئے مجھے لذت شراب کی

وہ کچھ مسکرانا وہ کچھ جھینپ جانا — بیخود دہلوی — جوانی ادائیں سکھاتی ہے کیا کیا

بدلی وہ وضع طور سے بے طور ہو گئے — شاد عظیم آبادی — تم تو شباب آتے ہی کچھ اور ہو گئے

اُس کی آغاز جوانی کا کہوں کیا عالم — ریاض — کچھ اُسے نشہ سا تھا نشہ میں وہ چور نہ تھا

بھرے ساغر میں ہے بھرپور رنگ اُس کی جوانی کا — ولہٗ — غضب ہے بے پئے مستی میں میرا چور ہو جانا

ترا اُٹھان ترقی کرے قیامت تک — ولہٗ — ترا شباب بڑھے عمر جاوداں کی طرح

جیسے ساقی تری ہنستی ہوئی تصویر شباب — ولہٗ — ہم نے دیکھا ہے چھلکتے ہوئے پیمانے کو

چھلکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی — ولہٗ — تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی

آنچل ڈھلا رہا مرے مستِ شباب کا — ولہٗ — اوڑھا گیا کبھی نہ دوپٹہ سنبھال کے

ہائے اُس کافر کا عُنوانِ شباب — دلگیر — داستانِ عشق کا آغاز ہے

کیف جامِ ارغوانی اَور ہے — جلیل — نشۂ جوشِ جوانی اَور ہے

جھومتا آج مرا مستِ شباب آتا ہے — ولہٗ — کوئی دیکھے تو کہے پی کے شراب آتا ہے

ہر آن بانئے ستم و جوَر ہو گئے — خورشید — تم نوجوان ہوتے ہی کچھ اَور ہو گئے

شباب آیا ہے پیدا رنگ ہے رُخسارِ جاناں پر — چکبست — فروغِ حُسن کہتا ہے سحر ہونی ہے گلشن میں

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا — فانی — بات پہنچی تری جوانی تک

قدم ڈگمگائے نظر بہکی بہکی — جگر مرادآبادی — جوانی کا عالم ہے سرشاریاں ہیں

اُس کے عہدِ شباب میں جینا — اختر شیرانی — جینے والو تمہیں ہوا کیا ہے

یہ حُسنِ دلفریب یہ عالم شباب کا — آثر صہبائی — گویا چھلک رہا ہے پیالہ شراب کا

جب پسینہ گلاب ہوتا ہے — خُمار — وہ زمانہ شباب ہوتا ہے

آخرِ شباب

گیا حُسن خوبانِ دلخواہ کا —— ہمیشہ رہے نام اللہ کا

میں نے پوچھا کیا ہوا وہ آپکا حسنِ شباب — ظفر — ہنس کے بولا وہ صنم شانِ خدا تھی مَیں نہ تھا

عالم وہی ہے سِن سے اُتر کر بھی یار کا — امیر — جوبن خزاں نے لوٹ لیا ہے بہار کا

ڈھلا ہے حُسن لیکن رنگ ہے رُخسارِ جاناں پر
ابھی باقی ہے کچھ کچھ دھوپ دیوارِ گلستاں پر
— مشتاق

آغازِ عشق

گر دلے داری بہ دلدارے سپار　سعدی　ضائع آن کشور کہ سلطانیش نیست

وین دریائے بے پایان وین طوفانِ موج افزا

دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتۂ　خسرو　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

دیدار می نمائی و پرہیز میکنی　——　بازارِ خویش و آتشِ ما تیز میکنی

لختے برو از دل گذرد ہر کہ ز پیشم　——　من قاش فروشِ دلِ صد پارۂ خویشم

سر درسِ عشق دارد دلِ دردمند حافظ　حافظ　کہ نہ خاطرِ تماشا نہ ہوائے باغ دارد

آمادہ گشتہ ام مگر امشب نظارہ را　——　پیوند میکنم جگرِ پارہ پارہ را

بے وجد مرو کہ راہِ عشق است　——　مستانہ بزن دو گام و می رقص

برمیاں برزدہ دامان زکجا می آئی　زائر　مرحبا گر بہ شکارِ دلِ ما می آئی

مرغے چو ہمائے دلِ من گشت اسیرت　محتشم کاشی　شکرانۂ ایں صید تہی کن قفسے چند

اے خدا جنسِ مرا از غیب بازارے بدہ　شکیبی　می فروشم دل بدیدارے خریدارے بدہ

آشنا می شوی و می ترسم　نسبتی　آشنائی شود بلا نشود

برآمد بر در مکتب خروشم　غنیمت　کہ من سیپارۂ دل می فروشم

’من سیپارۂ دل می فروشم‘ کی آواز سن کر طفل پریزاد مکتب سے باہر آتا ہے اور اس سے اور ملا غنیمت سے سیپارۂ دل کی خریداری کے متعلق یوں گفتگو ہوتی ہے :-

بگفتا قیمتش گفتم نگاہے   بگفتا کمترک گفتم کہ گاہے

اُس زمانہ کے مذاق کو کیا کہا جائے مگر ان اشعار کا حُسن تغزل قابل داد ہے،

بہ طاعت کوش گر عشقِ بلا انگیز میخواہی   ناصر علی   متاعے جمع کن شاید کہ غارتگر شود پیدا

من از رنگین ادا ئیہائے اشعارش گمانِ دارم   مظہر جانجاناں   کہ مظہر میل با رعنا جوانے میرزا دارد

دلِ ویرانۂ آزاد را آباد کن یا رب   میر غلام علی آزاد   پری زادے کرم فرما ایں مینائے خالی را

قیامت لے دلِ ناشاد کردی ——— بہارِ زندگی برباد کردی

من جان و دل بہ غمزۂ جاناں فروختم   رائے چنی لال   جنس گراں نگر کہ چہ ارزاں فروختم

تا بم ز دل بر و کافر ادائے   غالب   بالا بلندے کوتہ قبائے

دلم بر و از کف بتِ کج ادائے   آشکی   بہ یک گردشِ نرگسِ سرسائے

خوشتر ز ہزار پارسائی   اقبال   گامے بہ طریقِ آشنائی

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری رہی سو دھری رہی   سراج

نین سے نین جب ملائے گیا   یکرنگ   دل کے اندر میرے سمائے گیا

مفت سودا ہے ارے یار کہاں جاتا ہے   فغاں   او مرے دل کے خریدار کہاں جاتا ہے

ر جب سے تیری نظر پڑی ہے جھلک   حاتم   تب سے لگتی نہیں پلک سے پلک

مظہر چھپا کے رکھ دلِ نازک کو اپنے تو   مظہر جانجاناں   یہ شیشہ بیچنا ہے کسی میرزا کے ہاتھ

یا رب کہیں سے گرمئ بازار بھیج دے   سودا   دل بیچتا ہوں کوئی خریدار بھیج دے

عشق بُرے ہی خیال پڑا ہے چین گیا آرام گیا
جی کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا   میر

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا | میرؔ | آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا
ہاتھ میں اُس کے ہاتھ تھا بہت سا | ولہٗ | دل مرا گم ہوا ہے ہاتھوں ہات
محبت نے شاید کہ دی دل کو آگ | ولہٗ | دھواں سا ہے کچھ اِس نگر کی طرف
ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ | ولہٗ | صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ
نہیں وسواس جی گنوانے کے | ولہٗ | ہائے رے ذوق دل لگانے کے
اسیر زلف کرے قیدیِ کمند کرے | ولہٗ | پسند اس کی ہے جس طرح وہ پسند کرے
مصائب اور تھے پر دل کا آنا | ولہٗ | عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
پھرتے ہو میر صاحب سب سے جدا جدا تم | ولہٗ | شاید کہیں تمہارا دل ان دنوں لگا ہے
میر جب سے گیا ہے دل تب سے | ولہٗ | میں تو کچھ ہو گیا ہوں سودائی
صحرائے محبت میں قدم دیکھ کے رکھ میرؔ | ولہٗ | یہ سیر سرِ کوچہ و بازار نہیں ہے
میں اور مجھ سے دردؔ خریداریٔ بُتان | میرؔ دردؔ | ہے ایک دل بساط میں سو کس حساب میں
دل بھلا ایسے کو اے دردؔ نہ دیجے کیونکر | ولہٗ | ایک تو یار ہے اور تسپہ طرحدار بھی ہے

دلبروں میں میں لیا ڈھونڈھ سجن تجھ سے کو
حزیںؔ
میں دِوانا ہوں اِن آنکھوں کی شناسائی کا

صورت اس کی سما گئی جی میں | بیدارؔ | آہ کیا آن بھا گئی جی میں

اب تو یہ دل اک بُت ناآشنا کے ہاتھ ہے
مرزا جعفر علی حسرتؔ
اس کے ہاتھوں چھوٹنا اس کا خدا کے ہاتھ ہے

زنجیر میں زلفوں کے پھنس جانے کو کیا کہیئے | یقینؔ | کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیئے
بیچے ہے اک نگاہ پہ دل کے تئیں وفاؔ | لالہ نول رائے وفا | لینا ہے گر تمہیں تو کچھ اتنا گراں نہیں

سرسری اُن سے ملاقات ہے گاہے گاہے　جرأت　بزم اغیار میں گاہے گاہے سر راہے گاہے

اگر کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آئے　نظیر اکبرآبادی　کہ ہم کو راہ میں اک آشنا نے لوٹ لیا

کچھ اُسے شرم کچھ ہے ہم کو حجاب　ولہٗ　ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب

عبث ہے قصد دلا اُس سے چاہ کرنے کا　رنگین　نہ ہوئے جس میں سلیقہ نباہ کرنے کا

الہ آباد میں مشاعرہ تھا، شعرا طرحی غزلیں کہہ کر لائے، ناسخ نے جو غزل پڑھی اس کا مطلع تھا :-

دل اب محوِ ترسا ہوا چاہتا ہے　یہ کعبہ کلیسا ہوا چاہتا ہے

ایک لڑکے نے صف کے پیچھے سے سر نکالا، بھولی بھالی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ مشاعرے میں غزل پڑھنے سے ڈرتا ہے، لوگوں کی دلدہی نے اس کی ہمت باندھی، اس نے مطلع پڑھا :-

دل اُس بُت پہ شیدا ہوا چاہتا ہے　خدا جانے اب کیا ہوا چاہتا ہے

محفل میں دھوم مچ گئی، ناسخ نے بھی تعریف کر کے لڑکے کا دل بڑھایا اور کہا "بھائی یہ فیضانِ الٰہی ہے، اس میں استادی کا زور نہیں چلتا، تمہارا مطلع، مطلع آفتاب ہے، میں اپنا مطلع غزل سے نکال ڈالونگا"

(ملاحظہ ہو آبحیات)

دل کے جانے کا شہیدی واقعہ ایسا نہیں　شہیدی　کچھ نہ روئے آہ اگر ہم عمر بھر رویا کئے

سخت کچھ افسردہ و دلگیر سے رہتے ہو تم　ممنون　خیر باشد میر ممنوں تم پہ کیا افتاد ہے

سہل سمجھے ہو اِس کا آجانا　تسکین　تم نے تسکین دل کو کیا جانا

ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم　شیفتہ　کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا

امیر اس ناز سے ظالم نے دیکھا　امیر　نگاہیں بول اُٹھیں وہ لے لیا دل

سمجھتا ہوں سب کچھ مگر دوستو　داغ　یہ دل ہے جدھر آگیا آگیا

راہ پر اُن کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں　ولہٗ　اور کھل جائینگے دو چار ملاقاتوں میں

معرکہ ہے آج حسن و عشق کا — ولہٗ — دیکھئے وہ کیا کریں ہم کیا کریں

پسند آئے تو لے لو دل ہمارا — آسی غازیپوری — مگر دل پھر بھی کس قابل ہمارا

ایک نظر میں جو کرے دونوں جہان کو خراب — ولہٗ — دل ہے نظارہ جو اُسی آفت روزگار کا

اک جھلک اُن کی دیکھ لی تھی کبھی — اکبر الہ آبادی — وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا

نگاہیں میری اُن کی مل گئی تھیں رات محفل میں

ولہٗ

یہ دُنیا ہے بس اتنی بات پھیلی داستاں ہو کر

ہم نے پالا مدتوں پہلو میں ہم کچھ بھی نہیں — جگر — تم نے دیکھا اک نظر اور دل تمہارا ہو گیا

ہوا ہے جو اس دل میں ہنگامہ آرا — ریاض — وہی بزم آرائے محشر نہ نکلے

زنگ آلودہ اک آئینہ سہی — صفی — دل کی آخر کوئی قیمت ہوگی

ہم کو بے چین کئے جاتے ہیں — دل — ہائے کیا شے وہ لئے جاتے ہیں

وہ شوخ بھی مجبور ہے معذور ہوں میں بھی — اصغر — کچھ فتنے اُٹھے حُسن سے کچھ حُسنِ نظر سے

پہلی نظر بھی آپ کی اُف کس بلا کی تھی — ولہٗ — ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پر لئے ہوئے

لوٹ لے جی بھر کے حسرت لذتِ آزارِ عشق — حسرت — اُس ستمگر کا یہ رنگِ آشنائی پھر کہاں

متاعِ دل و جاں ہم لے کے حسرت — ولہٗ — چلے ہیں جنسِ دیدار کی آرزو ہے

ادا سے دیکھئے ہنس کر ہم سے بولے — آہ — میں اس قیمت پہ دل دیتا ہوں جو لے

سنتا ہوں کہ خرمن سے ہے بجلی کو بہت لاگ — منشی نوبت رائے نظر — ہاں ایک نگاہِ غلط انداز ادھر بھی

اک نگاہِ غلط انداز سہی — صفدر مرزاپوری — دل کی آخر کوئی قیمت ہوگی

قیمتِ جنس وفا نیم نگاہی توبہ — ولہٗ — ایسی باتیں نہ کریں آپ کہ سودا نہ بنے

سہمی ہوئی تھی صبح کی پہلی کرن کی طرح — اثر لکھنوی — ان کی طرف نگاہ جو پہلے پہل گئی

یاد ہے آج تک مجھے پہلے پہل کی رسم و راہ جگر مرادآبادی کچھ اُنھیں اجتناب سا کچھ مجھے احتمال سا

کرم کوشیاں ہیں ستمگاریاں ہیں ولہٗ بس اِک دل کی خاطر یہ تیاریاں ہیں

شروعِ راہ محبت ارے معاذ اللہ ولہٗ یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

دل کو لے لیجئے جو لینا ہے ولہٗ پھر یہ سودا گراں نہ ہو جائے

آغاز محبت ہے یعنی اب دیکھئے کیا کیا ہونا ہے

ولہٗ

یا ساری عمر کی راحت ہے یا ساری عمر کا رونا ہے

کیا طے کریں گے منزلِ الفت کی وادیاں ناظر ناظر کہ ابتدا ہی میں گھبرا کے رہ گئے

اور ہی کچھ رنگ ہے اپنی گرفتاری کا ہائے

تدبیر

یوں تو زلفوں میں تری کس کس کا دل اُلجھا نہیں

نگاہوں میں اقرار سارے ہوئے ہیں ——— ہم اُن کے ہوئے وہ ہمارے ہوئے ہیں

دل کا کیا مول ہے شرمندہ نہ کیجے مجھ کو طالب آپ کی چیز ہے لے جائیے قیمت کیسی

دل نہیں اختیار میں فضلی فضلی اور ذی اختیار ہیں ہم لوگ

سراپائے عاشق

سر

مجھ سا جہان میں کوئی آشفتہ سر نہیں — قائمؔ — ہے یوں تو زلفِ یار مگر اس قدر نہیں

یاد کرکے اپنی بربادی کو رو دیتے ہیں ہم — آتشؔ — خشت زیرِ سر نہیں یا تکیہ تھا زانوئے دوست

سرِ شوریدہ پائے دشت پیما شامِ ہجراں ہے — ناسخؔ — بیاباں میں کبھی گھر ہے کبھی گھر میں بیاباں ہے

عجب انقلابِ زمانہ ہے مرا مختصر سا فسانہ ہے
یہی اب جو بار ہے دوش پر یہی سر تھا زانوئے یار پر
جگرؔ مراد آبادی

صورت

پاک کن چہرۂ حافظ بہ سرِ زلف ز اشک — حافظؔ — ورنہ ایں سیلِ دمادم بکند بنیادم

کس طرح سے مانئے یاراں کہ یہ عاشق نہیں — میرؔ — رنگ اُڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میرؔ کا

چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسدؔ — غالبؔ — آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے

رمز ہیں صورت پہ اُن کی شیفتہؔ — ولیعہد بہادر شاہ ظفرؔ — آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے

چشم

رواقِ منظرِ چشمِ من آشیانۂ تست — حافظؔ — کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

سُرخیِ چشمِ من از گریہ نباشد فائقؔ — فائقؔ — آفتابے ز نظر رفت و شفق باقی ماند

ساخت در مردماں مرا رسوا — واقف — دیدۂ اشکبار را چہ کنم

شور ہے اُس کی اشکباری کا — آبرو — آبروئے چشمِ تر قیامت ہے

ہو رہا ہے خراب خانۂ دل — میر حسن — دیدۂ اشکبار کے ہاتھوں

بہنا کچھ اپنی چشم کا دستور ہوگیا — سودا — دی تھی خدا نے آنکھ سو ناسور ہوگیا

گریۂ شب سے سُرخ ہیں آنکھیں — میر — مجھ بلا نوش کو شراب کہاں

ہنستا ہی میں رہوں جو مرا کچھ ہو اختیار — ولہٗ — پر کیا کروں میں دیدۂ بے اختیار کو

کبھی جا گُل کو دیکھے ہیں کبھی دیکھے ہیں نرگس کو

ضیا

خدا جانے یہ چشم اپنی پھرے میں ڈھونڈھتی کس کو

ابرِ تر سے چشمِ گریاں کم نہیں — مہربان خان — موجِ دریا ہے شکنجِ آستیں

ہر آنکھ نہیں جلوۂ محبوب کے لائق — جوشش — ہر دل صدفِ گوہرِ یکدانہ نہیں ہے

دل تو سمجھائے سمجھتا ہے کبھو — ہدایت — پر ہدایت چشمِ تر کا کیا علاج

ہماری چشم نے ایسا کمال پایا ہے — ماہ لقا — جدھر کو دیکھئے آتا ہے تو نظر مجھ کو

کہیں رسوا نہ ہوں رنگینیاں دردِ محبت کی — تاجور — مرا اتنا خیال اے دیدۂ خونبار کر لینا

ہے ہے مری چشمِ حیراں کا ہر حال دل اُن سے کہہ جانا

شاد عظیم آبادی

کچھ سوچ کے اُن کا دانتوں سے ہونٹوں کو دبا کر رہ جانا

جس آنکھ کے پردے میں جھلکتے رہیں آنسو — جوش — در اصل وہی چشمۂ انوارِ خدا ہے

طوفانِ غم کا سینۂ سوزاں میں جوش ہے — محمود اسرائیلی — چشمِ پُرآب قلزمِ گوہر فروش ہے

لایا یہ رنگ دیدۂ خونبار کا اثر

بسمل الٰہ آبادی

اب پونچھتے ہیں اشکِ تری آستیں سے ہم

مژگان

مژۂ اشکبار را نازم عاشق رگِ ابر بہار را نازم

مشغولِ یادِ اوست دلِ پارہ پارہ ام اسیر رقصد زشوق بر سرِ مژگان نظارہ ام

برسات کا تو موسم کب کا نکل گیا پر سودا مژگاں کی یہ گھٹائیں اب تک برستیاں ہیں

قطرۂ خوں ہے نوکِ مژگاں پر فکر مختصر ہے یہ ماجرا دل کا

سینہ

شد است سینہ نظیری پُر از محبتِ یار
برائے کینۂ اغیار در دلم جا نیست
نظیری

دِل

شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ

فتنہ انگیز مشو کاکلِ مشکیں مکشا تابِ زنجیر ندارد دلِ دیوانۂ ما

سر ما بگذشت ویں دلِ زارِ ھماں —— گرما بگذشت ویں دلِ زارِ ھماں

القصہ ھزار سرد و گرمِ عالم بر ما بگذشت ویں دلِ زارِ ھماں

زمن مپرس کہ از دستِ او دلم چوں است
ازو بپرس کہ انگشتہاست پُر خوں است
سعدی

دل بسے بردۂ نکو بشناس خسرو آنکہ مجروح تر از آنِ من است

نیست در اختیارِ صبر و قرار　　عاشق　　دلِ بے اختیار را نازم

نسبتی دل بدردِ معتبر است　　نسبتی　　لالہ با داغ آبرو دارد

بہ بے ستوں نظرے کردم و بیقیں دیدم
کہ کارِ تیشۂ فرہاد نیست کارِ دل است　　باسط

دلِ شوریدۂ ما شورِ امکاں در قفس دارد
گہر وز دیدہ است اینجا عنانِ موجِ دریا را　　بیدل

دل خرابی میکند از زلف تدبیرش کنید
دست و پاے می زند دیوانہ زنجیرش کنید　　افصح

ہر غنچہ بشگفت اِلّا دلِ من　　واقف　　اے وا دلِ من صد وا دلِ من

یا رب چہ سازد با سنگِ طفلاں　　نازک دلِ من مینا دلِ من

مارا خیالِ جنگ و سرِ کارزار نیست ——— ورنہ دلِ دونیم کم از ذوالفقار نیست

پہلو بشگافید و ببینید دلم را　　غالب　　تا چند بگویم کہ چناں است و چناں نیست

قسمت نگر کہ با دلِ چاکم برابر است　　ولہٗ　　جیبے کہ مدعی بہ ہوس پارہ میکند

با گلبنے لالہ عذار است دلِ ما　　مشتری　　آئینہ در دستِ بہار ست دلِ ما

از دلِ صد پارہ ات آگہ نیم شبلی ولے　　شبلی　　شیشۂ دیدم کہ از بالائے طاق افتادہ بود

چہ شور است این کہ در آب و گِل افتاد　　اقبال　　زیک دل عشق را صد مشکل افتاد

قرارِ یک نفس بر من حرام است　　بمن رحمے کہ کارم با دل افتاد

بہ متاعِ خود چہ نازی کہ بشہرِ دردمنداں
دلِ غزنوی نیرزد بہ تبسمے ایازے　　ولہٗ

مدت سے گم ہوا دلِ بیگانہ اے سراج　　سراج　　شاید کہ جا لگا ہے کسی آشنا کے ہاتھ

چلی سمتِ غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخِ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی　　ولہٗ

بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے　　سجاد　　یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے

لگتی ہے اب تو قلقلِ مینا سے دل کو ٹھیس　　کلیم　　وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

مجھ مبتلا کی چشم کہاں تک پُر آب ہو　　فغان　　اے دل خدا کرے ترا خانہ خراب ہو

یہ جانتا میں نہیں ہوں کہ دل ہے کیا قائم
پر اک خلش سی رہے ہے مدام سینے میں　　قائم

چھوٹا جو زلف سے تو پھنسا دامِ خط کے بیچ　　سودا　　یہ مُرغِ دل ہمیشہ گرفتار ہی رہا

غنچوں کو گو شگفتہ چمن میں صبا کیا　　ولہٗ　　لیکن ہمارے غنچۂ دل کو نہ وا کیا

کار گر ہوگا ترا افسوں یہ باور ہے تجھے　　ولہٗ　　اُس پری پر اے دلِ وحشی دوانا ہے عبث

جنسِ دل کتنی ہے ناکارہ بہ بازارِ بتاں　　ولہٗ　　ایک پوچھے لُوں تو بولے دوسرا کس کام کو

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں　　ولہٗ　　کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

ہے زلف میں میرا دلِ مت کھینچیو تو شانہ　　ولہٗ　　زنجیر نہ کھُل جائے ہے سخت یہ دیوانہ

ہوا کس پر یہ دیوانہ الٰہی　　ولہٗ　　کہ موجِ اشک ہے زنجیرِ دل کی

کیا چیز ہے وہ دل جسے کہتے ہیں الٰہی　　ولہٗ　　اک قطرۂ خوں سینے میں آفات طلب ہے

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا　　میر
دیکھا اس بیماریِ دل نے کیسے کام تمام کیا

سیر کے قابل ہے دل صد پارہ اُس نخچیر کا　　ولہٗ　　جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوستہ پیکاں تیر کا

دلِ پُر خوں کی اِک گلابی سے ۔۔۔ ولہٗ ۔۔۔ عمر بھر ہم رہے شرابی سے

مت مِل تجھے کہتا تھا میں دل اُس سے زیادہ ۔۔۔ شکوہ ۔۔۔ پائی نہ سزا اور بھی مِل اس سے زیادہ

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو ۔۔۔ رُسوا ۔۔۔ اس دوانے دِل کو رُسوا کس طرح سمجھائیے

عشق میں صبر و قناعت گرچہ کچھ مشکل نہیں ۔۔۔ ذکی ۔۔۔ لیک اُن کو ہے کہ جن کے دل ہے میرے دل نہیں

جانیے کس واسطے اے دردؔ میخانے کے بیچ ۔۔۔ میر دردؔ ۔۔۔ اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

نے خانۂ خدا ہے نہ ہے یہ بُتوں کا گھر ۔۔۔ ولہٗ ۔۔۔ رہتا ہے کون اس دلِ خانہ خراب میں

کیا فرق داغ و گُل میں ہے اگر گُل میں بُو نہ ہو ۔۔۔ ولہٗ ۔۔۔ کِس کام کا وہ دِل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

نہ آئے دردؔ جب خود ہی سمجھ میں ۔۔۔ ولہٗ ۔۔۔ تو کیا حالِ دلِ دیوانہ کہیے

دِل بھی تیرا ہی ڈھنگ سیکھا ہے ۔۔۔ ولہٗ ۔۔۔ آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

گئے نالے ترے برباد مانندِ جرس چپ رہ

اثرؔ دیکھا تری فریاد میں دِل ہم نے بس چپ رہ ۔۔۔ تاباںؔ

زنجیر میں زُلفوں کی پھنس جانے کو کیا کہیے ۔۔۔ یقینؔ ۔۔۔ کیا کام کیا دِل نے دیوانے کو کیا کہیے

ہوتے تو دل سہج میں گرفتار ہو گیا ۔۔۔ لالا نول رائے وفاؔ ۔۔۔ اب چھوٹنا یہ زلف سے دشوار ہو گیا

ایک کروٹ سے سو نہیں سکتا ۔۔۔ نواب آصف الدولہ آصفؔ ۔۔۔ اس دلِ بیقرار کے باعث

کام اپنا اثرؔ تمام ہوا ۔۔۔ میر اثرؔ ۔۔۔ اس دلِ نابکار کے ہاتھوں

بیٹھے بٹھائے کوچۂ قاتل میں لے گیا ۔۔۔ نواب محمد یار خاں امیرؔ ۔۔۔ یارب بُرا ہو اس دلِ خانہ خراب کا

ضبطِ گریہ تو ہے پر دل پہ جو اِک چوٹ سی ہے

قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہیں دو چار ہنوز ۔۔۔ راسخؔ

جب تک یہ محبت میں بدنام نہیں ہوتا ۔۔۔ مصحفیؔ ۔۔۔ اس دل کے تئیں ہرگز آرام نہیں ہوتا

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے — مصحفی — دل ہے گویا چراغ مفلس کا

سمجھتا تھا مرے پہلو میں دل اک قطرۂ خوں ہے
معاذ اللہ نہ اس قطرے کو میں دریا سمجھتا تھا — ولہٗ

مصحفی میں تو سمجھتا تھا کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا — ولہٗ

ظالم دیارِ دل کا تجھے پاس ہے ضرور — ولہٗ — ویراں ہوا یہ گھر تو بسایا نہ جائیگا

مرے سینے میں دل بےتابیوں سے — ولہٗ — پھڑکتا ہے مثالِ مرغِ پربند

دل کی نافہمی سے اپنا جی تو اب گھبرا گیا — ولہٗ — کب تلک سمجھائیں یارب ایسے دیوانے کو ہم

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — آتش — جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

کسی نے مول نہ پوچھا دلِ شکستہ کا — ولہٗ — کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا

مشتاق دردِ عشق جگر بھی ہے دل بھی ہے — ولہٗ — کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ

جانا تھا کسی شمع کا پروانہ بنے گا — الٰہی — ہم دل کو نہ سمجھے تھے کہ دیوانہ بنے گا

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر میں آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یوں لائے واں سے ہم دلِ صد پارہ ڈھونڈھ کر
دیکھا جہاں کہیں کوئی ٹکڑا اٹھا لیا — ذوق

رہتا ہے اپنا عشق میں یوں دل سے مشورہ — ولہٗ — جس طرح آشنا سے کرے آشنا صلاح

پھر مجھے لے چلا وہیں دیکھو — ولہٗ — دلِ خانہ خراب کی باتیں

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا — غالب — جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں　　غالب　　شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا

حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو مَیں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو مَیں　　ولہٗ

دل ہی تو ہے نہ سنگ خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئینگے ہم ہزار بار کوئی ہمیں رُلائے کیوں　　ولہٗ　　غالب

کب کہا ہم نے کہ پہلو میں ہمارے دل نہیں
دل تو ہے پر التفاتِ دوست کے قابل نہیں

ہم کو معلوم ہے حقیقتِ دل　　رفعت　　قطرۂ خون کے سوا کیا ہے

بچتے ہیں اِس قدر جو اُدھر کی ہوا سے ہم　　شیفتہ　　واقف ہیں شیوۂ دلِ شورش ادا سے ہم

اثرِ آہِ دلِ زار کی افواہیں ہیں　　ولہٗ　　یعنی مجھ پر کرمِ یار کی افواہیں ہیں

چین ملتا نہیں ذرا دِل کو　　نظام　　تم سے مل کر یہ کیا ہوا دِل کو

نہ جان کر گُل بازی بہت اُچھال کے پھینک
یہ دل ہے شیشہ سے نازک ذرا سنبھال کے پھینک　　شاد پیرو میر

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار　　نثر　　جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

پوچھتا حالت ہے کیا میرے دلِ ناشاد کی　　آزاد　　آہ کی ہمت نہیں طاقت نہیں فریاد کی

ذرا جذبِ دلِ نخچیر دیکھو　　عرفان　　نہیں کھنچتا تمہارا تیر دیکھو

دل دیتا ہے ہر پھر کے اُسی در پہ صدائیں　　آشفتہ　　دیوانہ بنا ہے ابھی دیوانہ نہیں ہے

نہ حرم ہے نہ کلیسا ہے، نہ بُت خانہ ہے　　نشتر　　یار کی انجمن ناز ہے کاشانۂ دِل

سو بار موت آئی ہے عہدِ شباب میں　　——　　اِس دل کے ہاتھوں جان پڑی ہے عذاب میں

ہمارے شیشۂ دل کو سنبھل کر ہاتھ میں لینا —— نزاکت اس میں ایسی ہے نظر سے جب گرا ٹوٹا

ان شوخ حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا   اکبر   کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

لیا پھر تو نے اس کا نام اے دل   ولہ   ارے ظالم ابھی سمجھا چکا ہوں

مجھ سا نہ دے زمانے کو پروردگار دل   داغ   آشفتہ دل، فریفتہ دل، بے قرار دل

دل مرا وابستۂ زنجیر زلف یار ہے   محسن   ہے تو دیوانہ پر اپنے کام میں ہشیار ہے

قطرۂ خوں بھی نہیں دل میں مرے   تسلیم   ہائے تر ہوگی زبان تیر کیا

تڑپتی دیکھتا ہوں جب کوئی شے   ولہ   اٹھا لیتا ہوں اپنا دل سمجھ کر

بہت ہے جسم کو اپنے جام پر ناز   ریاض   ذرا لانا میرا ٹوٹا ہوا دل

کیا دیکھتے ہو رنگ دل داغدار کا   برہم   رہتا ہے یاں خزاں میں بھی عالم بہار کا

ہم نشینو کچھ نہ پوچھو حال دل   مضطر شاہجہانپوری   ایک شیشہ ہے کہ چکنا چور ہے

پہلوئے عاشق بیدل میں بس اک آبلہ ہے —— اُن کو کیا کہئے جو رکھ دیتے ہیں تہمت دل کی

پتھر نہیں کہ طور پہ وار آزمائے جائیں   ثاقب لکھنوی   اے برق حسن حال دل زار دیکھ کر

دیکھ میرے دل کو تو او منکر اعجاز عشق   ولہ   رہ نہیں سکتا ہے بادہ اور شیشہ چور ہے

کعبہ یہی ہے، طور یہی، عرش بھی یہی   نوح ناروی   اس بیدلی سے دل کی حقیقت نہ پوچھئے

آج تک دل کی آرزو ہے وہی   جلیل   پھول مرجھا چکا ہے بو ہے وہی

جو سینے میں دل ہے تو بار محبت   آرزو لکھنوی   اُٹھے یا نہ اُٹھے اُٹھانا پڑے گا

جس میں کیف غم نہ ہو باز آئے ایسے دل سے ہم   ولہ   یہ بھی دینا ہے کوئی مے تو نہ دی ساغر دیا

شیشۂ دل غیر کے لائق نہیں   اختر   اِس مرقع میں تری تصویر ہے

دل کو جاناں سے حسن سمجھا بجھا کر لائے تھے   حسن   دل ہمیں سمجھا بجھا کر سوئے جاناں لے چلا

متاعِ درد کو ہم زیست کا حاصل سمجھتے ہیں   اصغر   جسے سب درد کہتے ہیں اُسے ہم دل سمجھتے ہیں

اسرارِ عشق ہے دلِ مضطر لئے ہوئے   ولہٗ   قطرہ ہے بیقرار سمندر لئے ہوئے

اللہ رے جنوں کی یہ ذرہ نوازیاں   اکبر   بیٹھا ہوا ہوں دل میں بیاباں لئے ہوئے

عرش کا ہے کبھی کعبہ کا گماں ہے اس پر   اقبال   کس کی منزل ہے الٰہی میرا کاشانۂ دل

تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں اس کو   رشکِ صد سجدہ ہے اک لغزشِ مستانۂ دل

تو بچا بچا کے نہ رکھ اِسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
ولہٗ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

دل کی حالت نہیں بدلنے کی نئی تو بہت لائے نظر اب یہ دُنیا نہیں سنبھلنے کی

یوں تو دل کو کبھی قرار نہ تھا   ولہٗ   اب بہت بیقرار رہتا ہے

تو بھولا بھالا ہے اے دل بے طرح ستایا جائے گا
بیدم شاہ وارثی
ان شوخ حسینوں سے مل کر واللہ بہت پچھتائے گا

دل نے مجھ سے اثر کیا سو کیا   اثر لکھنوی   کیا کہوں مہربان ہے اپنا

ہزاروں محفلیں ہیں اور لاکھوں زینتیں لیکن
ولہٗ
دلِ ویراں پسند آیا بساط آرائے امکاں کو

کعبۂ وفا ہے یہ خانۂ خدا ہے یہ   رواں   اُف یہ کیا کہا تم نے دل کی کوئی ہستی ہے

اے میرے دردمند دل سُن مری ایک بات سُن

آسی آلدنی

اس کو نہ بھولنا کبھی جس نے تجھے بھلا دیا

اگر دل سلامت رہیگا تو آسی   ولہٗ   بہت مل رہیں گے دغا دینے والے

ایک دل ہے اور طوفانِ حوادث اے جگر   جگر مرادآبادی   ایک شیشہ ہے کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں

فکر منزل ہے نہ ہوشِ جادۂ منزل مجھے — ولہٗ — جا رہا ہوں جس طرف لے جا رہا ہے دل مجھے

الٰہی دے اثر ایسا مری بیتابیٔ دل میں — چلے آئیں کلیجہ تھام کر وہ میری محفل میں

ہاں یہ ترے خیال کے قابل نہیں رہا — بیخودؔ موہانی — اس دل میں رہ چکی ہے تمنا گناہ کی

دلِ حزیں کا فسانہ ارے معاذ اللہ — ہادیؔ مچھلی شہری — وہ کیا سنیں گے کسی سے سنا نہیں جاتا

دل اگر درد آشنا نہ ہوا — سہیل — ننگ ہستی ہوا ہوا نہ ہوا

زخم کیا جو کہ دل کشا نہ ہوا — درد وہ کیا جو لا دوا نہ ہوا

عرشِ بریں بھی اس کے مقابل نہیں رہا — ولہٗ — جس دل کو تو نے دیکھ لیا دل نہیں رہا

اب تو دیرِ حرم کے بھی قابل نہیں رہا — پرستش ہو جس کی دیر میں وہ دل نہیں رہا

رنگینیاں نہ پوچھ دلِ داغدار کی — ولہٗ — صدقے اتر رہی ہے نسیم بہار تک

آ نکلے ہو جو تم بھی کچھ دل کا حال سن لو — جوشؔ — گذرا ہے جو ادھر سے کچھ دیر رو گیا ہے

تیرے چھونے سے بھی دکھے جو — فراقؔ گورکھپوری — کون اس دل کی پھانس نکالے

آہیں پیاپے کس لئے سینے میں کیا آزار ہے — عندلیبؔ شادانی — بس کچھ نہ پوچھ اے ہمنشیں اس گھر میں اک بیمار ہے

ہم نے کیا کیا کیا نہ اے فضلیؔ — فضلی — دلِ خانہ خراب کی خاطر

دلوں کو اذنِ بیتابی ملا ہے — انجمؔ فوقی — یہ شیشے کیا عجب ہے ٹوٹ جائیں

ہاتھ

کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ دہم دستِ خویش را

آفریں اے دستِ گستاخ محبت آفریں — میر احمد یارؔ — یہ گریباں ایک مدت سے گلے کا ہار تھا

خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش ہیں
کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو — غالبؔ

ایک دن ایک صاحب نے نواب مرزا داغؔ کے سامنے ایک تصویر پیش کی جس میں ایک نازنین جانے کا قصد کر رہی تھی اور اس کا عاشق ایک ہاتھ سے اس کا دامن پکڑے ہوئے تھا اور ایک ہاتھ سے اپنا دل سنبھال رہا تھا، تصویر پیش کرنے والے صاحب نے فرمائش کی کہ تصویر کی کیفیت ایک شعر میں ظاہر کی جائے، نواب مرزا داغؔ نے تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد مندرجۂ ذیل مطلع کہا اور بعد ازاں غزل مکمل کر لی :-

ہاتھ نکلے اپنے دونوں کام کے — دل کو تھاما اُن کا دامن تھام کے

لہو

خون ہمارا اپنے دامن سے نہ اے قاتل چھڑا — عاجزؔ — دیکھ دامنگیر محشر میں تیرے ہوئینگے ہم

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو پھر لہو کیا ہے — غالبؔ

یہی گلزارِ دل کی پنکھڑی ہے — داغؔ — لہو کی بوند مژگاں سے جھڑی ہے

نہ دامن پر نہ اُن کی آستیں پر — ریاضؔ — لہو بسمل کا مقتل کی زمیں پر

کہیں ایسا نہ ہو بن جائیں شاہد خونِ ناحق کے
یہ دھبے تیرے دامن کے یہ سُرخی تیرے خنجر کی — ثاقب لکھنوی

جامۂ عاشق

پیراہن

دیکھو تو اپنے وحشیوں کی جامہ زیبیاں — یاسؔ — اللہ رے حُسن پیرہنِ تار تار کا

گریبان و دامن

وہ کز از دوختن ایں چاک گریباں رستست — عرفیؔ — ایں تنگا فیست کہ تا دامنِ ایماں رستست

رفو را نسبتے ہرگز بہ جیبِ من نمی باشد — ظہوریؔ — چہ کار آید گریبانے کہ تا دامن نمی باشد

عریاں تنی خوش است ولے زیبِ دیگر است — ——— — دامانِ چاک چاک و گریباں دریدہ را

از گریباں چند تارے ماندہ است — ……… — اے جنوں دستے کہ کارے ماندہ است

اے بادِ مست اُڑا تو گریباں کی دھجیاں — حاتمؔ — لے ہے جنوں حساب یہاں تار تار کا

ٹپکنے لگے اشکِ گلگوں مژہ سے — قدرتؔ — پھر آئی ہے فصلِ بہارِ گریباں

تنگ تو ہم کو تو اے جیب کرے ہے لیکن — قائمؔ — اُٹھ گیا ہاتھ گر اپنا تو پھر اک تار نہیں

کیا میں نے رو رو فشارِ گریباں — میرؔ — رگِ ابر تھا تار تارِ گریباں

نشانِ اشکِ خونیں کے مٹتے چلے ہیں — — خزاں ہو چلی ہے بہارِ گریباں

مرے ہاتھوں کے ہاتھوں اے عزیزاں — میر دردؔ — گریباں چاک ہے چاکِ گریباں

بہے اشک ازبسکہ آنکھوں سے اپنی — تاباںؔ — لبِ جو ہوا ہے کنارِ گریباں

مرے اشکِ گلگوں سے یاں تک ہے رنگیں — — کہ رشکِ چمن ہے بہارِ گریباں

اک پارہ جیب کا بھی بچا میں نہیں سیا ——— وحشت میں جو سیا سو کہیں کا کہیں سیا

یہ حال ہے ترے وحشی کے جیب و دامن کا جرأت کہ چاک چاک میں ہے اور رفو میں ہے

خواب میں دیکھا تھا میں بھی اُس کا داماں ہاتھ میں
کھُل گئی جو آنکھ تو پایا گریباں ہاتھ میں
مصحفی

اے دستِ جنوں چل تو گریباں کی طرف بھی رنگین اور جی میں ترے آئے تو داماں کی طرف بھی

کس درجہ تنگ ہوں ترے ہاتھوں سے اے جُنون
رند
لاؤں کہاں سے روز گریباں نئے نئے

مفتی صدر الدین خاں آزرؔدہ

ناصح یہاں یہ فکر ہے سینہ بھی چاک ہو ——— ہے فکرِ بخیہ تجھ کو گریباں کے چاک میں

حیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالبؔ غالبؔ جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن ولہٗ ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے

تقاضا ہے گریباں کا کہ مجھ کو چاک کر ڈالو آزادؔ تمنا ہے یہ دامن کی اُڑا دو دھجیاں میری

تا دامن آکے چاک گریبان نے دم لیا ——— ہے دامن اور جیب میں رشتہ قریب کا

مجھ کو نہ دیکھئے میرے دامن کو دیکھئے ریاضؔ کس طرح رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے

کھیل لڑکوں کا بنایا ترے دیوانے کو بسملؔ کوئی دامن لئے جاتا ہے گریباں کوئی

کیوں گریبان تیرا آج حسنؔ حسنؔ اِس طرح تار تار ہے کیسا ہے

سو بار ترا دامن ہاتھوں میں مرے آیا اصغرؔ جب آنکھ کھُلی دیکھا اپنا ہی گریباں تھا

بہارِ زندگی آخر ہے شاید آسیؔ آلدنی گریباں رل گیا دامن میں آکے

نہ پوچھ عہدِ ہوش کو کہ دامنوں کے آڑ میں فانیؔ پھرا کیا ہوں دامنوں کی دھجیاں لئے ہوئے

سراپائے معشوق

اے لبت آبحیات و اے قدت سروِ چمن — حافظ — اے رُخت خورشید خاور اے خطت مشکِ ختن

دل بُرد از من دیروز شامے — جگر مراد آبادی — فتنہ طرازے محشر خرامے
روئے مبینش صبحِ تجلّے — لوحِ جبینش ماہے تمامے
مشکیں خطِ او سُنبل بہ گلشن — لعلیں لب او بادہ بجامے
عارض چہ عارض گیسو چہ گیسو — صبحے چہ صبحے شامے چہ شامے
چشمے کہ کوثر یک جرعہ او — وِردے کہ طوبیٰ لبش ادنیٰ غلامے
برقِ نگاہش صد جان بدامن — زُلفِ سیاہش صد دل بدامے
آں تیغ ابرو آں تیرِ مژگاں — آمادہ ہر یک بر قتلِ عامے
ہر عشوۂ او شیریں مقالے — ہر غمزۂ او رنگیں پیامے
از چشم لرزاں لرزاں دو عالم — وز زلفِ برہم برہم نظامے
گاہے بہ مستی طاؤسِ رقصاں — گاہے بہ شوخی آہو خرامے
از بارِ مینا لرزش بدستش — وز کیفِ صہبا لغزش بگامے

گفتم چہ جوئی گفتا دل و جاں
گفتم چہ خواہی گفتا غلامے

سراپا ہیں جس جا نظر کیجیے — میر — وہیں عمر اپنی بسر کیجیے
سج گرم جبیں گرم نگہ گرم ادا گرم — انشا — وہ سر سے ہے تا ناخنِ پا نامِ خدا گرم

گلِ رخسار میں گلاب کا رنگ — احسن — طرزِ گفتار میں شباب کا رنگ
قد قیامت تو شورِ محشر چال — گوری گردن میں ریشمی رومال
سحر آنکھوں میں قہرِ چتون میں — تازہ پھولوں کے ہار گردن میں

زلفِ پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید — اکبر الہ آبادی
قدِ رعنا میں وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید
آنکھ وہ فتنۂ دوراں کہ گنہگار کریں
گال وہ صبح درخشاں کہ ملک پیار کریں
آتشِ حسن سے تقویٰ کو جلانے والے
بجلیاں لطفِ تبسم سے گرانے والے

حافظ، جگر، میر، انشا، احسن و اکبر کے ان اشعار میں سراپا مختصراً بیان کیا ہے
اب ان اشعار کے اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو :-

قدِ یار

دو ابرو کمان و دو گیسو کمند — فردوسی — بہ بالا بکردارِ سروِ بلند

آزاد نے "سخندانِ فارس" میں اس شعر کو یوں لکھا ہے :-

دو ابرو کمان و دو گیسو کمند — زبانش چو خنجر دہانش چو قند

اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شعر فردوسی نے رستم کی بی بی کی تعریف میں لکھا ہے، منکوحہ کی تعریف میں تو خیر یہی شعر مناسب ہے مگر محبوبہ کے شایان شان تو " بالا بکردارِ سروِ بلند " والا شعر ہے،

قمریاں پاسِ غلط کردۂ خود میدارند ——— ورنہ یک سرو دریں باغ بہ اندام تو نیست

بہ رنگ کہ خواہی جامہ می پوش ——— من انداز قدت را می شناسم

بالا بلند عشوہ گر و سرو ناز من حافظ کوتاہ کرد قصۂ زہد دراز من

حکایت از قدِ آن یارِ دلنواز کنید ملا زمانی یزدی بہ ایں فسانہ مگر عمر را دراز کنید

از فرق تا قدم ہمہ جانست آن جمال فغانی گوئی ز آب چشمۂ حیواں بر آمدہ

زِ فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم نظیری کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

جلوۂ آن سروِ قامت دیدہ ام ——— من بچشم خود قیامت دیدہ ام

قامتش سخت دلکش افتادست نسبتی ورنہ قدِ بلند بسیار است

نظام الدولہ ناصر جنگ ناصر

تو نہالِ قامتِ او گر چمن پیرا شود سروِ گلشن گردِ بادِ دامن صحرا شود

زِ فتنہ نیست بعہدِ تو گوشۂ خالی واقف زِ قامتِ تو قیامت بگو کجاست کہ نیست

تا غلامِ قدِ تو من شدہ ام میر غلام علی آزاد سروِ آزاد گفتہ اند مرا

قیامت قامتاں مژگاں درازاں غالب زمژگاں بر صفِ دل نیزہ بازاں

سنجیدہ ایم فتنۂ محشر بقامتش شبلی یک نیزہ قدِ فتنۂ طرازش بلند بود

سرو در گلشن بہ یک پا ایستاد ولہٗ بہرِ تعظیم قدِ دلجوئے تو

اے قامتت بلند تر از سروِ جویبار آیتی اے پیکرت لطیف تر از برگِ یاسمین

تم کہ بیٹھے پہ ایک آفت ہو حاتم اُٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام میر حسن قیامت کرے جس کو جھک کر سلام

قد و قامت اُس بتِ مغرور کا جواد علی نقوی ایک جھمکا ہے خدا کے نور کا

کون دیجے قامتِ رعنا پہ تیرے جُز یقین　　یقین　　غیرِ شاعر کون دے اِس مصرعۂ موزوں کی داد

ہار مت پہنا کر اے پیارے کہ نازک قد ترا
دلہٗ
بوجھ سے پھولوں کے جاتا ہے لچک جوں شاخِ گُل

کہتے ہیں تیرے قامت و عارض کو دیکھ کر　　ناسخ　　بالائے سرو پھول کِھلا ہے گُلاب کا

قد میں آثار سب قیامت کے　　شوق　　گوری گردن میں طوق منّت کے

ابھی اِس نو بہار پر عالم　　آزاد　　باغباں ہے نکلتی کونپل کا

کیا بلا شوخ کی قامت دیکھی　　افصح　　ہم نے جیتے ہی قیامت دیکھی

نہ لگے تجھ کو نظر اے قدِ رعنا والے　　محسن　　بے طرح گھورتے ہیں عالمِ بالا والے

قامت میں تیرے صانعِ قدرت نے اے حسین
اکبر الہ آبادی
دکھلا دیا ہے حشر کو سانچے میں ڈھال کے

تابِ نظارہ نہیں مضطر کہ وہ　　مضطر شاہجہانپوری　　سر سے لے کر پاؤں تک اک نور ہے

صورتِ یار

صورت میں تو کہنا نہیں ایسا کوئی کب ہے
سودا
اک دھج ہے کہ وہ قہر ہے، آفت ہے، غضب ہے

دیکھ لو میرے یار کی صورت　　تاباں　　ہے سراپا بہار کی صورت

تیری صورت کو دیکھتے ہیں ہم　　داغ　　اُس کی قدرت کو دیکھتے ہیں ہم

دیکھئے کرتی ہے رُسوائے زمانہ کیا کیا
دلہٗ
مجھ کو یہ چاہ مری تجھ کو یہ صورت تیری

کیا ہے ہم نے کیا کیا پیار پھر بھی جی نہیں بھرتا

وہ بھولی بھولی صورت دل میں رکھ لینے کے قابل ہے

کھلتی کھلتی وہ چمپئی رنگت ـــــ بھولی بھولی وہ موہنی صورت

انھیں اب ناز ہے خود اپنی صورت پر کہ برسوں سے

پرستش کر رہا ہے حسرتِ رنگین بیاں میری — حسرت

تری صورت سراسر پیکرِ مہتاب ہے سلمیٰ — اختر شیرانی — ترا جسم اک ہجومِ ریشم و کمخواب ہے سلمیٰ

تو اس سنسار میں اک آسمانی خواب ہے سلمیٰ

زُلفِ یار

بپیچید مُو را بصد آب و تاب	فردوسی	گرہ کرد شب را پسِ آفتاب
چو بکشاد آن طرۂ مشکناب	ولہٗ	شب آمد بہ پا بوسیٔ آفتاب
بوئی نافہ کاخر صبا زاں طُرّہ بکشاید	حافظ	زِ تابِ جعدِ مشکینش چہ خون افتاد در دلہا
بنفشہ طرہ مفتول خود گرہ میزد (بٹا ہوا یا گوندھا ہوا)	ولہٗ	صبا حکایتِ زُلفِ تو در میان انداخت
مدامم مست میدارد نسیمِ جعدِ گیسویت	ولہٗ	خرابم می کند ہر دم فریبِ چشمِ جادویت
تُرکِ من چون جعدِ مُشکین گرہ کاکل بشکند (زلف، ٹکڑوں کے بال)	ولہٗ	لالہ را دل خون شود بازارِ سُنبل بشکند
تا بہ زُلفِ سیہش دل بستم	بابر	از پریشانیٔ عالم رُستم

ابو الفضل کو بابر کا یہ مطلع بیحد پسند تھا،

غمِ عالم پریشانم نمی کرد	شفائی	سرِ زلفِ پریشان آفریدند

کاکلت را من بہ مستی رشتۂ جان گفتہ ام — سلمیٰ سلطان بیگم — مست بودم زین سبب حرفِ پریشان گفتہ ام

مرا زلفت زِ دام آزاد خواہم کرد میدانم — شہرتِ شیرازی — ولے بعد از رہائی یاد خواہم کرد میدانم

بہ دلم زیادِ زلفت سرِ سجدہ نیست قدسی — قدسی — کہ بجا خاطرِ پریشان نتوان نماز کردن

میان زلف لعلِ گوشوارہ — واسطی — بہارِ عشق پیچان کن نظارہ

ہر حسنم و پیچے کہ شد از تابِ زُلفِ یار شُد

دام شُد، زنجیر شُد، تسبیح شُد زُنّار شُد — دارا شکوہ

نہان در گیسوئے اُو لیلۃ القدر — غنیمت — عیان از جبہۂ اُو مطلع الفجر

درازِ زلفِ او عمرِ تسلسل — عیان از پیچ و تابش مرگِ سُنبل

از شکنہائے طرۂ سنبل — وصالی — بوئے گیسوئے آن نگار آمد

حدیثِ زلفِ دل آویز آن نگار امشب — مجابی — زمن مپرس کہ بس خاطرم پریشان است

شب کہ صحبت بہ حدیثِ سرِ زلف تو گذشت — صائب — ہر کہ برخاست زِ جا سلسلہ برپا برخاست

نہ زلف است آنکہ ہر دم بر قدِ دلدار می پیچد —— زِ مستی ہر نفس بر شاخِ صندل مار می پیچد

صید از حرم کشد خمِ جعدِ بلندِ تو — حزین — فریاد از تطاولِ مشکین کمندِ تو

من نہ زِ اختیارِ خود می روم از قفائے او —— آن دو کمندِ عنبرین می کشدم کشان کشان

در بندِ آن مباش کہ مضمون نہ ماندہ است —— صد سال می توان سخن از زلفِ یار گفت

در خرابیہائے دل زلفش رسا افتادہ است — انصاف — در شکستِ کعبہ این کافر چرا افتادہ است

دو زلفِ تابدارِ اُو بچشمِ اشکبارِ من — قاآنی — چو چشمۂ کہ اندرو شنا کُنند مارہا

بیخبر بلگرامی

ہمچو آن شامے کہ روشن گردد از رنگِ شفق

کاکلت از تابِ رخسارِ تو زنجیرِ طلاست

چون چشم او دو ترک کماندار دیدۂ — شوریدۂ شیرازی — چون زلف او دو طرۂ طرار دیدۂ

در تار زلف اوست مقید ہزار دل — در یک رسن ہزار گرفتار دیدۂ

کدامیں گیسوئے برہم سر آراستن دارد — وحشت — کہ یارب در کف مشاطہ امشب شانہ می رقصد

نگر دو تا نظام دہر برہم — میر عثمان علی خان نظام دکن — بگیسوئے پریشان شانہ دادند

خبرے نیست گر از حال پریشان منش — سنا — از چہ آشفتہ بود زلف شکن در شکنش

از زلف سیاہ تو بہ دل دھوم پڑی ہے — فطرت — در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

کہیں کہیں دوسرا مصرعہ یوں بھی دیکھا ہے :- در گلشن آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

خوف سے مار کے یاران مجھے لرزان نہ کرو — محمد شاہ — زلف کا نام نہ لو اور پریشان نہ کرو

سانورے سب ایک سے ہیں ظلم کرنے میں بہا — ٹیک چند بہار — کم نہیں کچھ دل کے لے جانے میں کاجل چشم سے

دیکھ اس کے رخ پہ زلف سیہ فام کی تئیں — لالہ خوشوقت رائے شاداب — کیا زیب دے ہے کفر بھی اسلام کی تئیں

جب چمن میں جا کے پیارے تم نے زلفیں کھولیاں
لے گئی باد صبا خوشبو کی بھر بھر جھولیاں — آبرو

زلف کو کہنا پریشاں عقل کی دوری ہے یہ
تار تار اس کے میں دل ہے عقل کی پوری ہے یہ — ولہٗ

کہیں کہیں دوسرا مصرعہ یوں درج ہے :-

ہر گرہ میں اس کے دل ہے گانٹھ کی پوری ہے یہ

دونوں طرف ہیں منہ پہ جو موجیں سی ماریاں — سجاد — لہریں ہیں میرے شوق کی زلفیں تمہاریاں

کھا پیچ و تاب مجھ کو ڈسیں اب یہ کالیاں — فغان — ظالم اسی لئے تیں نے زلفیں تھیں پالیاں

برہم کرے جمعیت کونین جو پل میں — سودا — لٹکا وہ تری زلف پریشاں میں دیکھا

نے فقط تجھ حُسن کی ہے ھند کے خوباں میں دھوم
ہے تری زلفِ چلیپا کی فرنگستاں میں دھوم — بیدار

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے — میر — اُس کی زُلفوں کے سب اسیر ہوئے

رات شب تری زلفوں کی حکایات ہے، واللہ — جرأت — کیا رات ہے کیا رات ہے کیا رات ہے واللہ

یاں لعلِ فسوں ساز نے باتوں میں لگایا — مصحفی — دے پیچ اُدھر زلف اُڑا لیگئی دل کو

مصحفی نے جب یہ شعر مشاعرہ میں پڑھا تو میرؔ نے کہا "بھئی ذرا اِس شعر کو پھر پڑھنا" اتنا کہنا ہزار تعریفوں کے برابر تھا، مصحفی نے کئی دفعہ اُٹھ اُٹھ کر سلام کئے اور کہا کہ میں اس شعر پر اپنے دیوان پر ضرور لکھونگا کہ حضرت نے دوبارہ پڑھوایا تھا

بکھیرے جو وہ زلفوں کو اپنے مکھڑے پر — ولہٗ — تو مارے شرم کے آئی ہوئی گھٹا پھر جائے

مصحفی کس کے کھُلے بال تو دیکھ آیا ہے — ولہٗ — کہ تری وضع سے شوریدہ سری نکلے ہے

تمنائے زُلفِ رسا ساتھ ہے — ولہٗ — جہاں جاؤں میں یہ بلا ساتھ ہے

چاند سے رخسار پر لہرا کے آنے دیجئے — آتش — کیجئے اندھیر زلفوں کو پریشاں چھوڑ کر

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں — مومن — لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

نہ کچھ تیزی چلی بادِ صبا کی — ولہٗ — بگڑنے میں بھی زلف اسکی بنا کی

ہے تیرے کان زلفِ معنبر لگی ہوئی — ذوق — رکھے گی یہ نہ بال برابر لگی ہوئی

زُلف اس روئے کتابی پر ظفر — ظفر — سورۂ واللیل ہے قرآن میں

نیند اس کی ہے دماغ اسکا ہے راتیں اسکی ہیں — غالب — جسکے شانے پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

بھرم کھُل جائیگا ظالم ترے قد کی درازی کا — ولہٗ — اگر اس طرّۂ پُر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

حدیثِ زُلف چشمِ یار سے پوچھ ——— درازی رات کی بیمار سے پوچھ

دلِ مضطر کو تو کاکل میں باندھا — آزاد — اب انچل میں کیا جانے کیا باندھتے ہیں
قیامت بپا ہو گی اُٹھے گا فتنہ — وہ جوڑا نہیں اک بلا باندھتے ہیں

یار تیری ہی زلف میں دیکھا — سید جار علی تسلی — ایک زنجیر لاکھ دیوانے

معطر ہے اُسی کوچہ کی صورت اپنا صحرا بھی — وحید — کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے
چوٹی میں اپنی اُس نے جو گوندھا ہے ہار کو — — باندھا ہے پیچ زلف میں گویا بہار کو

آئی جو کھل کے زلف رسا سر سے پاؤں تک — امیر — لینے لگی بلائیں ادا سر سے پاؤں تک
یہ بلائیں اگر آئیں تو مجھی پر آئیں — آرزو لکھنوی — اُن کی زلفیں ہوں پریشاں تو میرے شانوں پر

کس نے بھیگے ہوئے بالوں سے یہ جھٹکا پانی — ولہٗ — جھوم کر آئی گھٹا ٹوٹ کے برسا پانی
میرے دل کے آپ شیرازے بکھرنے دیجئے — اشہر — اور بھی زلفِ پریشاں کو پریشان کیجئے

صبا نے جب سے چھیڑا ہے مزاجِ زلف برہم ہے
بلاؤں پر بلائیں لے رہی ہیں امتحاں میرا

نہ شکوہ تیغِ ابرو سے نہ رنجش تیرِ مژگاں سے
مری خاطر پریشان ہے تری زلفِ پریشاں سے — انتظار

اپنے آپے میں نہیں شوق کے مارے گیسو — حسرت — پھیلے جاتے ہیں رُخِ یار پہ سارے گیسو
فاتحہ پڑھنے چلے مرقدِ حسرت پہ جو وہ — پہلے کس ناز سے رو رو کے سنوارے گیسو

کیا دلفریب حسن ہے چوٹی کے ہار کا — جگر گورکھپوری — زیور ملا ہے شام کو صبحِ بہار کا

زلفوں والے یہ اندھیر — آزاد انصاری — دھرے دھرے کالے ناگ

اللہ رے سکونِ قلب اُس کا دل جس نے لاکھوں توڑ دیئے
جس زلف نے دُنیا برہم کی وہ آپ کبھی برہم نہ ہوئی — فانی

اُس نے شانوں پہ زلف برہم کی جگرؔ مرادآبادی خیر یارب نظامِ عالم کی
اُس کی زُلفوں کو مت کہو کافر اثرؔ مارہروی کیونکہ اہلِ کتاب ہیں دونوں

لوٹتی تھی کس تکلّف سے ہوا کے دوش پر
چاندنی میں کاکلِ عنبر فشاں کل رات کو جوشؔ

روئے یار

گُل افشانی کند نازش چو میبارد عتاب از رُخ
نگر در شبنمِ شرمش کہ میریزد گلاب از رُخ ظہیر فاریابی

زعشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنیست حافظؔ بہ آب و رنگ خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا
روشن از پرتوے رویت نظرے نیست کہ نیست ولہٗ منّتِ خاکِ درت بر بصرے نیست کہ نیست

رگِ گُل کرد آن گل چہرہ ہر تارِ نہالی را
ازیں اندیشہ گُلہا داغ شد بر سینہ قالی را ریاضی
علاف

جُز آئینہ در روئے تو دیدن کہ تواند ضمیری جُز شانہ بزلفِ تو رسیدن کہ تواند
ہر کس کہ دید روئے تو دیوانہ می شود غنیؔ آئینہ خانہ از تو پری خانہ می شود
کہیں کہیں دوسرا مصرعہ یوں بھی دیکھا ہے:- آئینہ از رُخ تو پری خانہ می شود
مہ کامل بنورانی رُخِ دلبر نمی ماند حزیں اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند
پردہ اگر بر افگند نیست عجب کہ بشکند آیتی پرتوے روئے ماہ تو رونقِ آفتاب را
گرفت عرصۂ عالم جمالِ طلعتِ دوست ادیب پشاوری بہر کجا کہ روم آن جمال می نگرم
گر گُل کو گُل کہوں تو ترے رُو کو کیا کہوں مظہر جانجاناں بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

ترا منہ دیکھ بلبل گُل ستی بیزار ہو جائے — میر شمس الدین فقیر — اگر گُل تجھ تلک پہونچے گلے کا ہار ہو جائے

آئینہ رُخ کو ترے اہلِ صفا کہتے ہیں — جرأت — اِس پہ اٹکے ہے مرا دل اسے کیا کہتے ہیں

حسنِ یوسف بھی اُس کے آگے ماند — نواب مرزا شوق — چہرہ زُلفوں میں جیسے ابر میں چاند

ہرچند پسِ پردہ تھا پرتابشِ رُخ سے — ارشد — بے پردہ میرے سامنے وہ پردہ نشین تھا

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے — داغ

رُخِ رنگیں پہ موجیں ہیں تبسمہائے پنہاں کی — اصغر — شعاعیں کیا پڑیں رنگت نکھر آئی گلستاں کی

بے محابا اب فروغِ روئے جاناں دیکھئے — ولہٗ — فکرِ ایماں کیا نظر سے عینِ ایماں دیکھئے

پھول ڈوبا ہوا گلاب میں تھا — اثر لکھنوی — اُف وہ چہرہ حجاب آلودہ

اللہ رے حُسن چہرۂ رنگینِ یار کا — جگر گورکھپوری — کتنا حسین پھول ہے صبحِ بہار کا

ہاں نگاہِ شوق وہ اٹھی نقاب — جگر مرادآبادی — آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

لا کے رکھ دیتے ہیں جب پیشِ رُخِ جانانہ ہم
دیکھتے ہیں شمع میں کیفیتِ پروانہ ہم — نصیر الدین علوی نصیر

سب رُخ پہ تیرے زلفِ دوتا دیکھ رہے ہیں — مجروح — ہم کعبہ پہ لہرائی گھٹا دیکھ رہے ہیں

ابروے یار

دی بہ تندی بلند کرد ابرو — خسرو — از پئے کُشتنم کمان برداشت

می ترسم از خرابیِ ایماں کہ می برد — حافظ — محرابِ ابروئے تو حضور از نمازِ ما

خمے کہ ابروئے شوخِ تو در کماں انداخت — ولہٗ — بقصدِ جانِ منِ زار و ناتواں انداخت

ہمچو ابروئیت بہ چشم من کم آید ماہِ نو ولہٗ چوں لبِ لعلیں نمی باشد عقیق اندر یمن

اگر دشمن کشد ساغر و گر دوست شانیؔ تکلو بہ طاقِ ابروئے میخانۂ اوست

مولٰنا غلام علی آزاد "سروِ آزاد" میں لکھتے ہیں کہ شاہ عباس نے شانیؔ تکلو کو اس شعر کے صلہ میں چاندی میں تلوایا اور وہ چاندی اُسے بطور انعام دی'

قرباں شوم ابروئے بتاں را نسبتیؔ زور دِگر است ایں کماں را

ابروئے دیگراں نرسد ابروے ترا افتخارؔ ہر ماہِ نو مقدمۂ عیشِ عید نیست

زِ موجِ جنبشِ ابروئے ایشاں واسطیؔ فتادہ کشتیٔ دلہا بطوفاں

نامِ خوباں است بسم اللہ بر عنوانِ ما شاہ اجلؔ مطلعِ ابروئے جاناں مطلعِ دیوانِ ما

کہتا ہمیں نہ شیخ کہ پڑھ قبلہ رُو نماز لالہ خوشوقت رائے شاداب گر دیکھتا اس ابروئے خمدار کی نئیں

تیرے ابرو جدھر کو ہوں مائل تیرؔ ایک عالم اُدھر نماز کرے

ترے ابروئے پیوستہ کا عالم میں فسانہ ہے ——— کسی اُستاد شاعر کا یہ بیتِ عاشقانہ ہے

ہے آرزو کہ ابروئے پُرخم کو دیکھئے ——— اس خوصلے کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

کشیدہ رکھوگے مجھ سے کب تک تم اپنی ابروئے جانستاں کو
شکار کرنا تھا کر چکے بس اُتار بھی دو چڑھی کماں کو
شادؔ عظیم آبادی

مژگانِ یار

جب تلک ہو کام مژگاں سے تو ابرو مت چڑھا
تیر کے ہوتے بھی کھینچے ہے کوئی تلوار کو
لالہ خوشوقت رائے شاداب

عارض ہے گل کا صاف و لیکن جھلک نہیں ——— نرگس کے چشم ہے پہ کٹیلی پلک نہیں

نرگسِ شہلا

نزدِ آن چشمِ سیاہش نہ وفا ہیچ مپرس — ظہیر فاریابی — کشفِ این مسئلہ ازین مفتی مستان مطلب

چشمت ز خنجرِ مژہ عالم تباہ کرد — ولہٗ — کس خنجرے برندہ بہ مستے چنان دہد

نخستین بادہ کاندر جام کردند — عراقی — ز چشمِ مستِ ساقی وام (قرض) کردند

برخیز کہ چشمہائے مستت — سعدی — خفتست و ہزار فتنہ بیدار

ہنوز ایمان و دل بسیار غارت کردنی دارد
مسلمانی میاموز آن دو چشمِ نامسلمان را — خسرو

غلام نرگسِ مستِ تو تاجدارانند — حافظ — خرابِ بادۂ لعلِ تو ہوشیارانند

ہر کس کہ بدید چشمِ او گفت — ولہٗ — خفتست و ہزار فتنہ بیدار

خون ما آن نرگسِ مستانہ ریخت — ولہٗ — وان سرِ زلفِ پریشان نیز ہم

ہم جان بر آن دو نرگسِ جادو سپردہ ایم
ہم دل بر آن دو سنبلِ ہندو نہادہ ایم — ولہٗ

در روزگارِ فتنہ بسے دیدہ ام ولے — بابر — چشمِ تو فتنہ ایست کہ در روزگار نیست

مپنداری کہ چشمش رسمِ عیاری نمی داند — جامی — نماید آن چنان خود را کہ پنداری نمی داند

چندان دلم ز پرسشِ چشمِ تو شاد نیست — شیخ علی نقی — دانم کہ بر تواضعِ مست اعتماد نیست

این ہمہ مستی و مدہوشی نہ حدِ بادہ بود — ———— — با حریفان آنچہ کرد آن نرگسِ مستانہ کرد

شکر چشمِ تو کند محتسبِ شہر کزو — کلیم — ہر کجا میکدۂ بود خراب افتادست

نمود وعدۂ قتلم دو چشمِ او لیکن — نسبتی — چہ اعتماد توان کرد قولِ مستان را

رخصتِ کشتنم بدہ نرگسِ کم نگاہ را ـــــ یا مکن آشنائے دل گرمیٔ گاہ گاہ را

دلے دارم خراب از التفاتِ چشمِ بیمارت ـــــ ہمہ از جور می ترسند و من از لطفِ بسیارت

با دلم نرگسِ شہلائے تو غوغا دارد ـــــ جنگِ دیوانہ و مست است تماشا دارد

دُرِ ابلق کسے کم دید موجود زیب النساء مگر چشمِ بتاں از سرمہ آلود

دو چشمت کہ تیرِ بلا می زند ـــــ چنیں تیر بر ما چرا می زند

عکسِ چشمِ خوشت در آئینہ انندرام مخلص باشنا میکند در آب آہو

بیجا کنند غمزدگاں شکوۂ فلک راجہ من سنگھ موزوں موزوں چہ فتنہاست کہ در چشمِ یار نیست

میرا احوال چشمِ یار سے پوچھ داؤد حقیقت درد کی بیمار سے پوچھ

ڈورے نہیں ہیں سُرخ تری چشمِ مست میں سراج شاید چڑھا ہے خون کسی بیگناہ کا

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں اُمید الحفیظ الحفیظ کہتا ہوں

کیفیتِ چشم اُس کی ہمیں یاد ہے سودا سودا ساغر کو مرے ہاتھ سے لیتا کہ چلا میں

سودا نے غالباً نظیری کے مشہور شعر

بوئے یارِ من ازیں سُست وفا می آید ساغر از دست بگیرید کہ از کار شدیم

کا ترجمہ کیا ہے،

میر اُن نیم باز آنکھوں میں میر ساری مستی شراب کی سی ہے

سُرمگیں آنکھیں خوابِ (شرم) آلودہ خاک میں ہم کو ملائینگی

کیا یہ نگاہیں نیچی نیچی اُوپر اُوپر جائیں گی ولہٗ

پہلے مصرع میں بعض جگہ بجائے "خواب آلودہ" کے "شرم آلودہ" دیکھا ہے قارئین فیصلہ فرمائیں کہ "خواب آلودہ" بہتر ہے یا "شرم آلودہ" !

کھِلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے　　ولہ　　اُس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

تری آنکھوں کی کیفیت نے کھویا ہوش عالم کا ——— دیوانوں کو کہے کیا کوئی متوالے ہیں متوالے

جس کو تری آنکھوں سے سروکار رہیگا　　محبت　　بالفرض جیا بھی تو وہ بیمار رہیگا

دُور ہیں اُس کی مست آنکھوں کے　　راسخ　　محتسب بھی شراب خوار ہوا

گرچہ ہیں قہر سادی آنکھیں بھی　　مصحفی　　پر غضب ہے خمار کا عالم

جادو تو میں کہتا نہیں پر سمجھوں ہوں اتنا　　ولہ　　واللہ تری نرگسِ فتان میں کچھ ہے

دل تھامتا کہ چشم پہ کرتا تری نگاہ　　فراق　　ساغر کو دیکھتا کہ میں شیشہ سنبھالتا

جدھر وہ دیکھے اُدھر صف کی صف الٹ دے ہے
بھری ہے شوخ کے ایسی شراب آنکھوں میں　　نظیر اکبرابادی

نرگس کو وہ چمن میں کیا بھر نگاہ دیکھے　　رنگین　　وہ انکھڑیاں نشیلی جس کو خوش آئیاں ہوں

تری مستانہ آنکھوں کی نہ گردش کا اثر دیکھا
مئے گلرنگ سے سَو سَو طرح پیمانہ بھر دیکھا　　آتش

مگر اس کو فریبِ نرگسِ مستانہ آتا ہے　　ولہ　　اُلٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

ہے چشم نیم باز عجب خوابِ ناز ہے　　وزیر　　فتنہ تو سو رہا ہے درِ فتنہ باز ہے

چشم میگون و ابروئے خمدار　　اختر　　مست کے پاس تھی دھری تلوار

نگہ وہ تُرک کی جس کی نہیں جفا کی پناہ
اور اُس کی آنکھ وہ کافر کہ بس خدا کی پناہ　　ذوق

دنبالہ سے سرمہ کے دھواں ہیں تری آنکھیں
کہہ بیٹھیں نہ کچھ سیف زباں ہیں تری آنکھیں　　ولہ

صاحب مرآۃ الشعر لکھتے ہیں کہ ذوق نے مضمون لاریب درد کا اڑایا ہے مگر حسنِ ادا کی بدولت
زمین سے توڑ کر آسمان پر جا لگایا ہے،

سامنے چشمِ مست ساقی کے — ظفر — کس کو پروائے جام ہوتی ہے

گردش ہے اس کی چشم کو مستی میں یا کہیں — عیش — نرگس کا پھول تیر رہا ہے شراب میں

بزم میں رات کو غیروں سے اشارے دیکھے — نساخ — دیدۂ یار کرشمے ترے سارے دیکھے

آنکھ کیا ہے موہنی ہے، سحر ہے، اعجاز ہے
امیر
اِک نگاہِ لطف میں سارا گلہ جاتا رہا

آنکھ اُس نے اپنی دیکھ کے آئینہ میں کہا — ولہٗ — بیمار سب بتاتے ہیں اچھی بھلی تو ہے

تری آنکھیں تو بہت اچھی ہیں — داغ — لوگ انھیں کہتے ہیں بیمار یہ کیا

وہ چشمِ مست پھر اُس پر وہ پنجۂ مژگاں — ولہٗ — کہ جیسے ہاتھ کسی نازنیں کا ساغر پر

آنکھ جس جانب تمہاری اُٹھ گئی — ولہٗ — رہ گئے لاکھوں کلیجہ تھام کے

کیا بیاضِ صبح ہمدوشِ سوادِ شام ہے — احمد کسمنڈوی — انقلابِ گردشِ لیل و نہار آنکھوں میں ہے

پوچھتی ہے وہ نرگسِ مخمور — نظام دکن میر محبوب علی خاں — کس کو دعوٰی ہے پارسائی کا

خمار آلودہ آنکھوں پر ہزاروں میکدے صدقے
ریاض
وہ کافر بے پئے بھی رات دن مخمور رہتا ہے

اُڑ کے آجائے وہ نشے کھنچتی ہے جو انگور سے — ولہٗ — کچھ نگاہِ مست سے کچھ نرگسِ مخمور سے

ہائے وہ مستی بھری ساقی کی آنکھ — وفا — ہائے وہ جلوے چھلکتے جام کے

دلکشی چشمِ سیہ میں رہی جادو ہو کر — جلیل — دلربائی تری زلفوں میں بسی بو ہو کر

چشمِ بد دور تیری آنکھوں میں — حسن — نشہ ہے یا خمار ہے کیا ہے

سُرخیِ چشمِ یار سے ہے عیاں حسرت اثرِ مستیٔ شبانہ ہنوز

وہ خمار آلود آنکھیں دیکھ کر اثر لکھنوی موجِ مے لینے لگی انگڑائیاں

اُس گھڑی دیکھو اُن کا عالم ولہٗ نیند سے جب ہوں بھاری آنکھیں

کون اثر کی نظر میں سمائے دیکھی ہیں اُس نے تمہاری آنکھیں

مست آنکھیں اُدھر تیری لبریز اِدھر ساغر جگر بسوانی لڑ جائے نہ اے ساقی پیمانہ سے پیمانہ

تیری آنکھوں کا کچھ قصور نہیں جگر مراد آبادی ہاں مجھی کو خراب ہونا تھا

ہم نے دیکھی ہے کسی شوخ کی مستی بھری آنکھ ــــــ ملتی جلتی ہے چھلکتے ہوئے پیمانے سے

کچھ ایسا ہے فریبِ نرگسِ مستانہ برسوں سے سہیل کہ سب بھولے ہوئے ہیں کعبہ و بتخانہ برسوں سے

آنکھ ہتھیلیوں سے مل خواب ہے چشمِ ناز میں

جوش

بھر دے حنا کا رنگ بھی نرگسِ نیم باز میں

ناصح کی بھی زبان اب رُک رُک کے چل رہی ہے

اثر صہبائی

کیا کیا کرامتیں ہیں اس چشمِ سحر فن میں

آنکھوں کی تعریف میں ہندی کا ایک مشہور دوہا بھی سُن لیجئے :-

امی ہلاہل مدھ بھرے سویت شیام رتنار
(آب حیات) (زہر) (شراب) (سفیدی) (سیاہی) (سرخی)
جیت مرت گر گر پرت جیہہ چتوت اکبار
(دیکھتا ہے)

اس دوہے کی تعریف حدِ امکان سے باہر ہے، کسی فارسی کے شاعر نے اس کا ترجمہ

یوں کیا ہے :- ؎

سوادش سم بیاضِ آبِ بقا حمرش مئے احمر

بہر دم زیستم بیخود شدم زاں نرگسے مستے

اصغر کا شعر :-

لوگ مرتے بھی ہیں، جیتے بھی ہیں، بیتاب بھی ہیں
کون سا سحر تری چشمِ عنایت میں نہیں

بھی غالباً اس دوہے کا ترجمہ کہا جا سکتا ہے،

بینی

بہ بیں بر بینی آں نازنیں حور غنیمت کہ شد موجے بلند از چشمۂ نور

عارض

می چکد رنگِ بہار از خامہ ام درگاہ نواب قلیخاں وصفِ رخسار کہ انشا می کند

اے صبا کہہ بہار کی باتیں ناجی اُس بُتِ گلعذار کی باتیں

عارض پہ تمہارے یہ پسینہ لالہ نول رائے وفا ہیرے کا ہے لعل پہ نگینہ

عجیب حُسن ہے اُن سُرخ سُرخ گالوں میں جلیل مے دو آتشہ بھر دی ہے دو پیالوں میں

قرآن پہ رکھ دی ہے یہ تسبیح کسی نے اظہار عارض پہ ترے زلفِ گرہ گیر نہیں ہے

لبِ لعلین

بالبِ لعلِ کسے ذوقِ نہانم دادند ظاہر شعلۂ آتشِ خاموش بجانم دادند

رنگِ ملاحتِ لبت اے جاں شکستہ ـــــــــ شب بودۂ کجا کہ نمکداں شکستہ

بالبِ لعلِ تو اعجازِ مسیحا چہ کند کس منشی بلاس رائے رنگین با ایں کفِ رنگیں یدِ بیضا چہ کند کس

زلگنت می تپید نبضِ لبِ لعلِ توگہر بارش   غالب   شہیدِ انتظارِ جلوۂ خویش است گفتارش

حاشا کہ شفق مثل لبِ لعل تو باشد ———— کے چرخ بکامِ دلِ ما رنگ بر آورد

از حرفِ بوسہ لغزشِ مستانہ گل کند   گرامی   موجِ شراب و آں لبِ میگوں برابر است

تج لب کوئی شکر کہتے کوئی شہد سے برتر کہتے
کوئی خضر جاں پرور کہتے کوئی کچھ کہتے کوئی کچھ کہتے   ابوالحسن تاناشاہ

کہتے بمعنی کہے،

مست دل ہے مدام تجھ لب کا   ولی   جامِ صہبا ہے نام تجھ لب کا

تجھ لب کی صفت لعلِ بدخشاں سے کہونگا   ولہ   جادو ہیں ترے نین غزالاں سے کہونگا

صنم کے لعل پر وقتِ تکلّم   ولہ   رگِ یاقوت ہے موجِ تبسّم

خوں کا پیاسا تھا مرا جن نے کھلائے تجھ کو پان
کیا بلا لاوے گی تیرے لب کی لالی الحفیظ   ناجی

نازکی اس کے لب کی کیا کہئے   میر   پنکھڑی اِک گلاب کی سی ہے

اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی   میر درد   ہم نے سَو سَو طرح سے مر دیکھا

مسی آلودہ لب پر رنگِ پاں ہے   تماشا ہے بہ آتش دھواں ہے

یہ شعر ناسخ یا آتش کا ہے ۔ اور غالباً بیدل کے شعر

مسی آلودہ برلب رنگِ پان است   تماشا کن نہ آتش دخان است

کا ترجمہ ہے

لبِ میگوں پہ جان دیتے ہیں   مومن   ہمیں شوقِ شراب نے مارا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب   غالب   گالیاں کھا کے بدمزہ نہ ہوا

مسی پر چھوٹ افشاں کی پڑی ہے — امیر — کنی ہیرے کی نیلم پر جڑی ہے

تمہارے لب ہیں باغِ حُسن کے پھول — تبسّم اُن کی نازک پنکھڑی ہے

اِن لبوں کی جان نوازی دیکھنا — جگر مرادآبادی — مُنہ سے بول اُٹھنے کو ہے جام شراب

ترے لبوں میں ہلاہل تھا یا شراب بتا — عندلیب شادانی — ترے لبوں کی قسم لڑکھڑا رہا ہوں میں

دہن

کیونکر نہ اُن کو جائے سخن ہو سخن کے بیچ — وحشت — جن کو ابھی کلام ہے تیرے دہن کے بیچ

دہن پر ہیں اُن کے گماں کیسے کیسے — آتش — کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

دہن ہے نکتۂ موہوم اُس کا — مسکین — کمر باریک ہے تارِ نظر سے

غنچے تری غنچہ دہنی کو نہیں پاتے — ذوق — ہنستے ہیں مگر تیری ہنسی کو نہیں پاتے

دندان

وہ ظالم کے مسّی آلودہ دنداں — انشا — چمک میں موتیوں سے بھی دوچنداں

خطِ سبز

حُسنِ سبزے بہ خطِ سبز مرا کرد اسیر — غنی — دام ہمرنگِ زمیں بود گرفتار شدم

اس شعر کے متعلق کہیں مندرجۂ ذیل عبارت دیکھی ہے :-

"مرزا صائب بر ایں بیت حسرتہا خورد و گفت 'کاش ایں ہمہ کہ در تمام عمر خود گفتہ ام'

بایں کشمیری دادم و ایں بیت او بمن حوالہ میکرد"

خطِ مشکیں نیست گردِ عارضِ گلنارِ تو　مرزا بدیع الزماں　ہست رحلِ آبنوسِ مصحفِ رخسارِ تو

خطِ سبز آفتِ جاں بود نمی دانستم　حکیم محمد کاظم　دام در سبزہ نہاں بود نمی دانستم

بہ آں اکراہ در آئینہ عکسِ خطِ خود بیند　محمد علی افسر　کہ پنداری بہ مصحف می کند نظارہ ترسائے

نہ خط شد بر رُخِ آں مہ نمودار　اشتیاق　بہ جنگِ بدر آمد موجِ کفار

معجزے سے یہ ترا خطِ سیہ کیا کم ہے　عزلت　لب کے یاقوت کی آتش کا دھواں نیلم ہے

بس ہے فردوسِ تماشا لعلِ نوخط کی بہار
کھل رہا ہے غنچۂ گل تختۂ ریحاں کے بیچ　کاظم

اُس گلعذار کا خطِ نو رُستہ دیکھ لیو　ولہٗ　ریحاں سے ہیگا حاشیۂ لالہ زار سبز

یہی مضمونِ خط ہے احسن اللہ　احسن اللہ　کہ حسنِ خوبرویاں عارضی ہے

ہے نمایاں رُخ پہ تیرے خطِ ریحاں آجکل　محمد سیف الدین خاں انور　مور کے قبضے میں ہے مُلکِ سلیماں آجکل

خط نے ترا حُسن سب اُڑایا　حشمت　یہ سبز قدم کہاں سے آیا

خوبی میں ترے حُسن کی کچھ حرف تو کب ہے　نثار　لیکن یہ ذرا خط ہے کہ اصلاح طلب ہے

سبز خط سے اور ہوا حُسن یار کا　جیون لال عشاق　آخر خزاں نے کچھ نہ بگاڑا بہار کا

آگیا خط پہ سر مو نہ گیا ناز ہنوز　مصحفی　ہے اُسی ڈھب پہ نگاہِ غلط انداز ہنوز

خط کے آنے پر بھی کافر مجھ کو ترساتا رہا
جیسا شرماتا تھا ٹک ویسا ہی شرماتا رہا　نظیر اکبرآبادی

کہہ رہا ہے حُسن کے دیوان میں خطِ پُشتِ لب
ایک مطلع اور زیرِ مطلع ابرو بڑھے　ذوق

خطِ نو گردِ عارضِ تاباں　اختر　شکلِ آیاتِ مصحفِ ایماں

خال

امیر تیمور جب خراسان و فارس پامال کرتا ہوا شیراز میں پہنچا تو اُس نے حافظ کو دربار میں طلب کیا، اثنائے گفتگو میں اُن سے پوچھا کہ میں نے تو سالہا سال کی مشقت کے بعد سمرقند و بخارا کو بنوکِ شمشیر فتح کیا تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ ؎

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

حافظ نے مسکراتے ہوئے کہا، اسی فیاضی اور غلط بخشی نے تو مجھے اس حال تک پہنچا دیا ہے، امیر نے اس حاضر جوابی کی داد دی اور حافظ کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا،

زِ خالِ گوشۂ ابروئے یار می ترسم — صائب — ازاں ستارۂ دُنبالہ دار می ترسم

نیست این خالِ سیہ بر بیتِ ابروئے تو زشت — تحوی — نقطہ از کلکِ قضا در انتخاب افتادہ است

خال اُس کی بیاضِ گردن کا — مرزا مرتضیٰ قلیخاں فراق — نقطۂ انتخاب ہے گویا

گردن

جُھک جُھک کے ہیں ہر چند کئے سیکڑوں سجدے — مصحفی — پر خم نہ ہوئی اُس بتِ مغرور کی گردن

جیوں جیوں کہ سر اپنا میں رکھا پاؤں کے اوپر
تنتی ہی گئی اُس بتِ مغرور کی گردن — گرم

حباب

بروے سینہ اش سیب دو پارہ غنیمت علاجِ قوتِ ضعفِ نظارہ
دو سرخوش سرکشاں از بادۂ حسن بھگوان داس سرافرازان بجسن آمادۂ حسن
کُلاہِ عنبریں بر سر نہادہ چو مستانِ بیباک ایستادہ

دِل

آہم چگونہ بر دلِ سخت اثر کُند غالب سنگیست در برِ تو ہمانا بجائے دل

دست و بازو

از کف نمی دہد دلِ آساں ربودہ را نظیری دیدیم زورِ بازوئے نا آزمودہ را
زِ غارتِ چمنت بر بہار منتہاست ولہٗ کہ گُل بدستِ تو از شاخ تازہ تر باشد
ہر کس کہ زخمِ کاریِ ما را نظارہ کرد قمی تا حشر دستِ و بازوئے اُو را دعا کند
صید نا افگندہ محوِ دست و بازوئے خود است
عالی
ایں جواں روزے شکارِ خویشتن خواہد شدن
دست رنگیں کو دیکھ کر تیرے ــــــ رنگِ مہندی چھپا ہے پاؤں میں
ڈرتا ہوں مالکان جبڑا چھاتی دیکھ کر میر کہنے لگیں نہ واہ رے زخم اُس کے ہاتھ کا
ٹک نزاکت دیکھیو پہنے ہے گجرا جب وہ شوخ
غلام اشرف افسر
شاخِ گل سا ہاتھ لچکے ہے گلوں کے بار سے

یہ ساعدوں کا ہے اُس کے عالم کہ جس نے دیکھا ہوا وہ بیدم
نیامِ تیغِ قضائے مبرم لقب ہے قاتل کی آستیں کا
ناسخ

ریاض، امیر کے محبوب شاگرد تھے، ایک دفعہ رام پور آئے اور استاد کے مہمان ہوئے کسی صحبت میں کسی نے ناسخ کا مندرجہ بالا شعر پڑھا، سب نے پسند کیا، جلال نے کہا کہ آستین کا قافیہ اِس زمین میں اس سے بہتر کوئی نہیں کہہ سکتا، ریاض کے شدید اصرار پر امیر نے اس زمین میں غزل کہی، مگر چونکہ وہ قدما کا بہت احترام کرتے تھے، آستین کا قافیہ غزل میں نہ رکھا، ریاض کے اصرار نے اور شدت اختیار کی، جب امیر نے یہ شعر لکھوایا ؎

قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کُشتوں کا خون کیونکر
جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

ریاض اُچھل پڑے اور امیر کے قدموں پر ہاتھ رکھ کر خوب روئے، ایسی استادی اور شاگردی اب کہاں!

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں
شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا
غالب

نظر لگے نہ کہیں اُن کے دست و بازو کو ولہٗ یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

مدّت ہوئی نگار میں ایک صاحب غالب کے کلام پر مسلسل تنقید کرتے رہے اِس شعر کے پہلے مصرعہ پر انھوں نے یوں اصلاح دی: ؎

نگاہِ ناز کو اُن کے کہیں نظر نہ لگے

اہلِ ذوق طے کریں کہ کون سا مصرعہ بہتر ہے؟

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار اُن سے ——— یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

جس کو مارا وہ اُف نہیں کرتا ادیب دہلوی ہاتھ ہلکا ہے میرے قاتل کا
اِدھر لاؤ ذرا دستِ حنائی انور پکڑ دیں چور دل کا ہم یہیں سے

وہ چوم لیتے ہیں خود اپنے دست و بازو کو
جو زنگ پر مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

جگر

کلائی

نازک کلائیوں میں حنابستہ مٹھیاں ریاض شاخوں ہیں جیسے مُنہ بندھی کلیاں گلاب کی

نواب جعفر علی خاں اثر

شوق تھا تیغ آزمائی کا کہئے کیا حال ہے کلائی کا
اُف یہ تیغ آزمائیاں توبہ جگر تیری نازک کلائیاں توبہ
آستینوں کا وہ چڑھا لینا گوری گوری کلائیاں توبہ

موئے میان

کمر در پیچ و تابِ رقص بنیاب واسطی چو موئے کو فتد در جوشش گرداب
میانہا نازک و دلہا توانا غالب زِ نادانی بکارِ خویش دانا
میاں کے لوگ کہتے ہیں کمر ہے آبرو کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے
بل بے کمر کہ زُلفِ مسلسل کے پیچ میں ذوق کھاتی ہے تین تین بل اک گدگدی کے ساتھ
ہئے کیا جو کس کے باندھئے میری بلا ڈرے غالب کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں
مُدت سے یہ بحث درمیاں ہے شوق پر علم نہیں کمر کہاں ہے

قتل اور مجھ سے سخت جاں کا قتل — عزیزؔ — تیغ دیکھو ذرا کمر دیکھو

عالمؔ مشہور ہندی شاعر شاہزادہ معظم کا ملازم اور مذہباً ہندو تھا، یہ واقعہ اوائل اٹھارھویں صدی کا ہے، اُس زمانہ میں ایک معمولی مسلمان عورت تھی جو رنگریزی کا کام کرتی تھی، ایک دفعہ عالم کا عمامہ اس عورت کے پاس رنگنے کے لئے بھیجا گیا، عمامے میں غلطی سے ایک پرچہ بھی چلا آیا جس پر عالم کی ایک ناتمام نظم لکھی ہوئی تھی، نظم کا ایک شعر نامکمل تھا، اُس کا مصرعہ تھا

کنک لتا سی نار ہے، کٹ کاہے تنے ہیں
کمر

اتفاق سے عورت کی نظر پرچے پر پڑ گئی، اس نے شعر پورا کر دیا اور یہ مصرعہ لکھ دیا:-

کٹ کا کنچن اینچ کے کچن مانھ بھرے ہیں
سونا

نتیجہ یہ ہوا کہ عالم اس عورت پر نادیدہ عاشق ہو گیا اور مسلمان ہو کر اس سے شادی کر لی،

بدن

بہ تن بو یا کند تصویر گلہائے خیالی را — طالبؔ آملی — بہ پا بیدار سازد خفتگان نقش قالی را

تنش را پیرہن عریاں ندیدہ ——— چو جاں اندر تن و تن جاں ندیدہ — قالین

پیرہن سے ہے جھلکتا بدن سرخ ترا — مصحفیؔ — زیر شبنم نہیں چھپتا چمن سرخ ترا

دھانی کپڑوں میں تن کا یہ حال — احمد علی شوقؔ — مینا تو زمرد میں ہے مے لال

پا و کفِ پا

گوئی دہنم لب ز رگِ برگ حنا داشت ——— چوں بوسہ زدم آں کفِ پا رنگ برآورد

بڑھ بڑھ کے کیا ہی وار لگائے ہیں جی میں ہے ——— ہاتھوں کے بدلے چوم لوں اُس تیغ زن کے پاؤں
لب

ادائیں جن کا تعلّق سراپائے یار سے ہے

تیرِ نظر

نگاہے را بہ صد جاں می فروشد — سنجر کاشانی — بحزاے دل کہ ارزاں می فروشد

نگاہے چند باید کرد تا فارغ کُنند مارا — نسبتی — یکے جاں می برد از ما یکے دل را یکے دیں را

جذبِ نگاہِ او پئے دل بردنِ من است — ولہٗ — ایں برق را معاملہ با خرمنِ من است

دزدیدہ فگندی بمن از ناز نگاہے —— قرباں نگاہے تو شوم باز نگاہے

نگاہِ نرگسِ جادو نگاراں — غنیمت — جوابِ شکوۂ بے اعتباراں

از نگاہے مست شد از گردشِ چشمے خراب — امید — نشۂ امیدِ عشاق را امشب دو بالا کردہ اند

از دو چشمِ اُو نگہِ مستانہ می آید بروں — بیتجر بلگرامی — ہمچو مدہوشے کہ از میخانہ می آید بروں

یار آمد جامِ مے در دستِ اُو — ہمت پرشاد سرور شاہجہانپوری — جامِ مے مستِ نگاہِ مستِ او

عاشقاں را والہ و آشفتہ حال — دولت — با نگاہِ چشم جادو میکند

آتش زدی بخرمنِ دلدادگانِ عشق — فراتؔ یزدی — از یک نگاہِ گرم بنازم نگاہ را

نگہِ گرم سے میرے دل میں — آبرو — خوش نین آگ سی لگائے گیا

چھُپ چھُپ کے دیکھنے کے مزے سب اے اثرؔ — میر اثر — معلوم ہوں گے جو کبھی اُس نے نگاہ کی

جس طرح کرتے ہیں حلقے صوفیوں کو وجد میں — کاظم — ہے نگاہِ مست کو تری صفِ مژگاں میں رقص

پامال اِک نظر میں قرار و ثبات ہے — مومن — اُس کا نہ دیکھنا نگہِ التفات ہے

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشقِ دلگیر کو — وزیر — کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

یوں نگہ نکلے ہے چشمِ یار سے — ذوق — مست جیسے خانۂ خمّار سے

(خمّار: شراب بنانے یا بیچنے والا)

وہ دیکھ لیتے ہیں جو اِدھر کچھ نہ کچھ تو ہے
ہو خالی دل کو دل کی خبر کچھ نہ کچھ تو ہے — ظفر

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا — غالب — لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

اعتبارِ نگہِ ناز ہے اُن کو کیا کیا — سالک — قتل کو آتے ہیں اور ہاتھ میں شمشیر نہیں

وہ کنکھیوں سے کسی کا دیکھ لینا بزم میں — آزاد — وہ تڑپ کر ہائے رہ جانا کسی ناشاد کا

بے طرح پڑتی ہے نظر اُن کی — انور — خیر دل کی نظر نہیں آتی

ہے تاک میں دزدیدہ نظر دیکھئے کیا ہو — ——— — پھر دیکھ لیا اُس نے اِدھر دیکھئے کیا ہو

کیوں کر اُس کی نگہِ ناز سے جینا ہوگا — داغ — زہر آلودہ ہے اُس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا

شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج — ولہٗ — یہ برقِ بلا دیکھئے گرتی ہے کدھر آج

یہ صید گاہِ عشق ہے ٹھہرائیے نگاہ — ولہٗ — صیاد مضطرب سے نہ ہوگا شکارِ دل

رہ گئے لاکھوں کلیجہ تھام کے — ولہٗ — آنکھ جس جانب تمہاری اُٹھ گئی

غلط ہے یہ میرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں
سب اِس بہانے سے اُس کی نظر کو دیکھتے ہیں — شادان

جس طرف اُٹھ گئی ہیں آہیں ہیں — اکبر الٰہ آبادی — چشمِ بد دور کیا نگاہیں ہیں

کیا ہو رہا ہے دل پہ اثر کچھ نہ پوچھئے — ولہٗ — کس کی پڑی ہے مجھ پہ نظر کچھ نہ پوچھئے

دیکھا کئے وہ مست نگاہوں سے بار بار — شاد عظیم آبادی — جب تک شراب آئے کئی دور چل گئے

نگہ کی برچھیاں جو سہہ سکے سینہ اُسی کا ہے — ولہٗ — ہمارا آپ کا جینا نہیں جینا اُسی کا ہے

جادو تھی کہ سحر تھی بلا تھی — بیان — ظالم یہ تری نگاہ کیا تھی

محفل میں گدگداتی ہے شوخی نگاہ کی ——— شیشوں سے آ رہی ہے صدا قاہ قاہ کی

ہر دل میں نیا ایک اثر دیکھ رہے ہیں طاہر ہم جدتِ شوخیِ نظر دیکھ رہے ہیں

مجھ کو نگاہِ لطف سے دیکھا نہ کیجئے شفا حشر اور ایک حشر میں برپا نہ کیجئے

روکئے اپنی مست نظروں کو ——— ساری دنیا خراب ہوتی ہے

ستمگر کی نگاہِ ناز بھی کتنی ستمگر ہے قہر جو سیدھی ہو تو ناوک ہے جو ٹیڑھی ہو تو خنجر ہے

نگاہِ نازِ قاتل کا معما حل نہیں ہوتا کوئی کہتا ہے ناوک ہے کوئی کہتا ہے خنجر ہے

شوخی سے ہر شگوفے کے ٹکڑے اُڑا دئے ریاض جس غنچہ پر نگاہ پڑی دل بنا دیا

دل بچے کیوں کر نگاہِ ناز سے اختر مینائی الاماں اس تیرِ بے آواز سے

محبت ہے تری تیرِ نظر سے غوث نکالوں کس طرح اِس کو جگر سے

جذبِ نگاہ شعبدہ گر دیکھتے رہے آرزو لکھنوی دُنیا اُنھیں کی تھی وہ جدھر دیکھتے رہے

ہم اُس نگاہِ ناز کو سمجھے تھے نیشتر اصغر تم نے تو مُسکرا کے رگِ جاں بنا دیا

بہت لطیف اشارے تھے چشمِ ساقی کے ولہٗ نہ میں ہوا کبھی بیخود نہ ہوشیار ہوا

نہ تھی واقف جو میرے اشتیاقِ بے نہایت سے
حسرت نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں اُس نگاہِ بے محابا کو

نہ دیکھے اور دلِ عشاق پر پھر بھی نظر رکھے
ولہٗ قیامت ہے نگاہِ یار کا حُسنِ خبرداری

دیکھ لو تم تو گلستاں ابھی میخانہ بنے صفدر آنکھ جس پھول پہ ڈالو وہی پیمانہ بنے

کر رہی ہے درحقیقت کام ساقی کی نظر ماہر میکدے میں گردشِ ساغر برائے نام ہے

گھڑی گھڑی نہ اِدھر دیکھئے کہ دل پہ مجھے نیاز فتحپوری ہے اختیار پر اتنا بھی اختیار نہیں

دیکھو نہ آنکھ بھر کے کسی طرف کبھی — اثر لکھنوی — تم کو خبر نہیں جو تمہاری نظر میں ہے

غلط انداز نگاہوں کو سنبھال — فانی — مری گستاخ نگاہوں کو نہ پوچھ

غلط انداز ہی سہی وہ نظر — ادا — کیوں مرے حال پر نہیں ہوتی

بانکی بانکی ادائیں ہوشربا — ولہٗ — ترچھی ترچھی نگاہیں قہر خدا

محبت کی پُر پیچ راہوں نے مارا — جگر مرادآبادی — مجھے آڑی ترچھی نگاہوں نے مارا

لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنا دیا — ولہٗ — جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنا دیا

پہنچے تو خاک پہنچے مہر و ماہ کی گردش — مسعود — نگاہ میں ہے کسی کی نگاہ کی گردش

آہ یہ چارہ سازیاں آہ یہ بے نیازیاں — ولہٗ — سب سے نظر ملی ہوئی سب سے مگر الگ الگ

اُن کی نظرِ شوخ ہے اِک طرفہ تماشا — مجذوب — ہر شخص سمجھتا ہے اِدھر دیکھ رہے ہیں

کچھ اس اداسے وہ بیٹھے ہیں بر سرِ مجلس — ——— — ہر ایک کو یہ گماں ہے ادھر کو دیکھتے ہیں

جنبش نے اس نگاہ کی مخمور کر دیا — امین سلونوی — منت کشِ صراحی و مینا نہیں ہوں میں

کیا ہوں گی فراقؔ اُس کی بیباک نگاہیں بھی — فراق گورکھپوری — ہے کم نگہی جس کی افسانہ در افسانہ

بارشِ تیرِ نظر کی وہ فراوانی کہاں — مؤلف — اب بہارِ زخمِ دامندار کچھ یوں ہی سی ہے

اِک سرسری نظر ہو تو سمجھاؤں دل کو بھی — فضلی — لیکن میں کیا کروں نگہ بار بار کو

تبسم یار

زِ ہر شکایتم بہ لبِ شکّرِ شکر می شود — اسیر — چوں بہ لب آشنا کُنی خندۂ عذر خواہ را

زِ بد مستیِ دگراں غمزۂ خود کام لبریز است
گریبانِ تبسم از گلِ دُشنام لبریز است

یوں تو ادا و ناز سب آتے ہیں اُس کے یاد
ہنسنا پر اُس کا ایک نہیں دل سے بھولتا — نظیر اکبر آبادی

عبث تم اپنا رُکاوٹ سے مُنہ بناتے ہو — ذوق — وہ آئی لب پہ ہنسی دیکھو مسکراتے ہو

نہ بگڑو بہت اب بناوٹ سے تم — ولیؔ — وہ ہونٹوں پہ دیکھو ہنسی آ گئی ر

عدو کا رشک ہے ہنگامۂ محشر کے ساماں ہیں
قیامت ہے نہاں اُن کے تبسم کا پنہاں ہیں

مُسکرا کر وہ شوخ کہتا ہے — امیر — آج بجلی گری کہیں نہ کہیں ر

برقِ ادائے حُسن نے خرمنِ دل جلا دیا — بیخود دہلوی — میری طرف وہ دیکھ کر ناز سے مُسکرا دیا

یہ ہنسی اچھی نہیں یاں دل پہ بجلی گر پڑی
نیچی نظروں سے مری جاں مُسکرانا چھوڑ دو — طاہر ر

صدقے تمہارے ہونٹوں کے جن پر ہنسی نہیں — ریاض — اِس ضبط کے نثار کہیں گُدگُدی نہیں

یہ حُسن کی موجیں ہیں یا جوشِ تبسم سے — اصغر — اُس شوخ کے ہونٹوں پر اک برق سی لرزاں ہے

اِک برقِ سرِ طور ہے لہرائی ہوئی سی — فانی — دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی

بوسۂ جاں بخش

علامہ شبلی، نظامی کی غزلیات کے قائل نہ تھے، پھر بھی لکھتے ہیں :۔ "مگر انھیں بوڑھے غمزوں میں کبھی کبھی بڑے شوخ جملے بھی زبان سے نکل جاتے ہیں" علامہ نے مثال میں شعر مندرجہ ذیل پیش کیا ہے :۔

بوسہ میخواہم ازاں لب تو چہ می فرمائی — نظامی — گر صواب است بگو ورنہ خطائے بکنم

بوسۂ از لبِ جاں بخش بدہ یا بستاں — سعدی — کایں متاعیست کہ بخشند و بہا نیز کنند

قند آمیختہ با گل نہ علاجِ دلِ ماست — حافظ — بوسۂ چند بیامیز بہ دشنامے چند

از بہرِ بوسۂ زلبش جاں ہمی دہم — ولہٗ — اینک نمی ستاند و آں ہم نمی دہد

فریب وعدۂ بوس و کنار یعنی چہ — غالب — دہن دروغ دروغ و کمر دروغ دروغ

پھیر لو بوسے رخِ گلفام کے ——— غیر کے جوٹھے مرے کس کام کے

نہ کبھی کے بادہ پرست ہم نہ ہمیں یہ کیف شراب ہے

لبِ یار چومے تھے خواب میں وہی جوشِ مستیٔ خواب ہے — آسی

پسِ مردن بنائے جائینگے ساغر مری گِل کے — ولہٗ — لبِ جاں بخش کے بوسے ملینگے خاک میں مل کے

تقریباً ۳۵ - ۳۶ سال کا ذکر ہے، خاکسار مؤلف سینٹ انڈروز کالج گورکھپور میں طالبِ علم تھا، عیاںؔ مرحوم ایک سال سینیر تھے، ایک روز ہوئی پارک میں میچ تھا، ہم دونوں ایک ہی بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے، مرحوم کہنے لگے تمہیں دو شعر سناؤنگا، پہلا ایک لاکھ کا اور دوسرا دو لاکھ کا، میں نے کہا ارشاد، اس کے بعد انھوں نے یہ دو اشعار سنائے :-

پہلے ہی خاک ہوا خاک سے پیمانہ ہوا — تب میسر کہیں اک بوسۂ جانانہ ہوا

قے بہ کی توبہ ستمگر نے معاً دیکھو — جبکہ تیار مری خاک سے پیمانہ ہوا

ان اشعار کا کیا کہنا، معلوم نہیں کس کے ہیں،

گفتارِ یار

طاؤسِ جاں بہ جلوہ در آید ز خرمی — چوں طوطیٔ لبت بہ حدیثے زباں دہد

غالباً یہ شعر ظہیر فاریابی کے ایک قصیدے کا ہے مگر تغزل سے لبریز ہے،

اُس نازنیں کی باتیں کیا پیاری پیاریاں ہیں　مصحفی　پلکیں ہیں جس کی چھریاں آنکھیں کٹاریاں ہیں

دُشنامِ یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں　مومن　اے ہمنشیں نزاکتِ آواز دیکھنا

سادگی، شوخی و نزاکت

گر بر سرو چشمِ من نشینی　سعدی　نازت بکشم کہ نازنینی

تو از پری چابکتری وز برگِ گُل نازک تری
وز ہر چہ گویم بہتری حقا عجائب دلبری　خسرو

نہ تنہا با تو نازے ہست واقف آں پری رو را
ز شوخی عالمے دارد کہ با عالم نمی سازد　واقف

زہے عشوہ و شوخی و چابکی ــــــ کجا می نماید کجا میزند

نزاکت است ترا باعثِ درستیٔ عہد ــــــ وگرنہ شیوۂ خوباں شکستِ سوگند است

تم تو بیٹھے ہوئے پہ آفت ہو　حاتم　اُٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

غنچے سے مسکرا کے اُسے زار کر چلے　سودا　نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے

ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر　میر　اُس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا

اس بلائے جاں سے آتش دیکھیے کیونکر نبھے　آتش　دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوئے دوست

ہے اُن کی سادگی بھی تو کس کس پھبن کے ساتھ
سیدھی سی بات بھی ہے تو اک بانکپن کے ساتھ　ذوق

ناز ہے گُل کو نزاکت پہ چمن میں اے دوست
اُس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے　ولہٗ

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا — غالب — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا — ولہٗ — ہاتھ آئیں تو اُنھیں ہاتھ لگائے نہ بنے

یہ حوصلہ ہے کہ قاتل لقب ہو عالم میں — عارف — کہو تو ہاتھ بھی رکھا نہ جائے خنجر پر

وہ بھولا پن کسی کا آہ بھولا ہے نہ بھولیگا — آزاد — وہ رو دینا ہنسی میں اور ہنس دینا وہ رونے میں

شبِ وعدہ مدد کر اے نزاکت — قسم ٹوٹے نہ میرے نازنیں سے

مرا دل لے لیا ہشیار ایسے — آہ — دیا دل غیر کو وہ ایسے بھولے

جو کچھ سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے — امیر — میں روتا ہوں اُن کو ہنسی سوجھتی ہے

بانکپن تیرا کسی اور ستمگر میں نہیں — جلال — تجھ میں جو نوک ہے قاتل ترے خنجر میں نہیں

اس نزاکت پر یہ شمشیرِ جفا — اکبر الہ آبادی — آپ سے کیونکر سنبھالی جائیگی

اُن کا وہ پتلا سا خنجر اُن کے وہ نازک سے ہاتھ
وہ تو یوں کہیئے کہ گردن خود خوشی میں کٹ گئی — مضطر خیرآبادی

کھنچتا بھی ہے تنتا بھی ہے رکتا بھی ہے لیکن — جلیل — قاتل کی ادا خنجرِ قاتل میں نہیں ہے

بلا تقصیر مجھ سے کھنچ گئے یہ بانکپن اچھا — وحشت — عدو سے بے تکلف مل گئے یہ سادگی اچھی

یہ بھی نزاکت اک مرے پیماں شکن کی ہے — جگر گورکھپوری — ٹوٹا نہ دل کبھی کسی امیدوار کا

انگڑائی

دبے فتنے قیامت بن کے اُٹھتے ہیں قیامت ہے
وہ جب انگڑائیاں لے لے کے سینہ تان لیتے ہیں — راسخ

دریائے حسن اور بھی دو ہاتھ بڑھ گیا — ناسخ — انگڑائی اس نے نشہ میں لی جب اُٹھا کے ہاتھ

قہر ہیں سنتی ہیں وہ انگڑائیاں　آنور　خالی ہاتھوں لڑتے ہیں تلوار سے

اپنے مرکز کی طرف مائلِ پرواز تھا حسن　عزیز　بھولتا ہی نہیں عالم تری انگڑائی کا

جیسے موجِ آب ابھرے اور دبے ـــــ　اللہ اللہ اُن کی وہ انگڑائیاں

حسنِ قامت کی جو حد رکھی تھی رعنائی نے

اور دو ہاتھ بڑھایا اسے انگڑائی نے　ثاقب لکھنوی

ہالے کی شکل گردِ رُخِ ماہوش ہوئی　تونگر　انگڑائی لی جو یار نے دونوں ملا کے ہاتھ

دیر تک اس شبہ میں دیکھا رہلال ـــــ　یہ کسی کافر کی انگڑائی نہ ہو

خوابِ ناز

اک ذرا دیکھیو اُس رشکِ پری کا سونا　مصحفی　میں تو دیکھا نہیں اس بے خبری کا سونا

رنگ سونے میں چمکتا ہے طرحداری کا　حسرت　طُرفہ عالم ہے ترے حُسن کی بیداری کا

خرامِ ناز

باصد کرشمہ آں بتِ بدمست می رود　نظیری　خود میکند خرام و خود از دست می رود

دستے دھم بہ یار کہ بدمست می رود ـــــ　دستے بخم بہ دل کہ دل از دست می رود

لٹک چلنا سجن کا بھولتا اب تک نہیں مجھ کو　آبرو　طرح وہ پاؤں رکھنے کی میری آنکھوں میں پھرتی ہے

سیکھے ہو کس سے سچ کہو پیارے یہ چال ڈھال　قائم　تم اک طرف چلو ہو تو تلوار اک طرف

بارہا چل چکی تلوار تری چال پہ شوخ　میر　تو نہیں چھوڑتا اس طرز کی رفتار ہنوز

خوش نہ آئی تمہاری چال ہمیں　دلہٗ　یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں

ظالم یہ کیا نکالی رفتار رفتہ رفتہ ولہٗ اِس چال پر چلیگی تلوار رفتہ رفتہ

قدم اس وضع سے کچھ پڑتا ہے اُس غارتگر جاں کا

کہ دل ہر ہر قدم پر لوٹ ہے گبر و مسلماں کا مصحفی

اول تو یہ وضع اور یہ رفتار غضب ہے ولہٗ تسپر ترے پازیب کی جھنکار غضب ہے

تری رفتار سے اِک بیخبری نکلے ہے ولہٗ مست و مدہوش کوئی جیسے پری نکلے ہے

مرزا سلیمان شکوہ سلیمان

کبک رفتار اپنی بھول گئے دیکھ اُس کے خرام کا عالم

باغ میں جس دم کہ تو چلتا ہے اے گُل ناز سے

سرو کو کہتا ہوں میں ہٹ جا بلند آواز سے رنگین

صدقہ ہو تیری چال پر کیوں نہ نسیم سحر ناسخ نقشِ قدم سے رہگذر دامنِ گُل فروش ہے

ثابت ہوا ہے گردنِ مینا پہ خونِ خلق غالب لرزے ہے موج مے تری رفتار دیکھ کر

دیکھو تو دلفریبیٔ اندازِ نقشِ پا ولہٗ موجِ خرام ناز بھی کیا گُل کتر گئی

خراماں خراماں چلے آتے ہیں وہ سالک گلستاں گلستاں ہوا جا رہا ہے

اچھی نہیں ہیں آپ کی محشر خرامیاں ریاض دنیا کو اس طرح تہ و بالا نہ کیجئے

رُک رُک کے دیکھتے ہیں وہ اپنا خرام ناز

پھر پھر کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو حاذق

خراماں جدھر تم ہوئے ناز سے حزیں قیامت بپا اک ادھر ہو گئی

چلنا وہ جھوم جھوم کے سینہ اُبھار کر ــــــ انداز ہائے رے تری مستانہ چال کے

کچھ خوفِ خدا کیجے اس طرح نہ چلئے نواب بیگم حجاب سو بار تو اس چال پہ تلوار چلی ہے

نشۂ جوشِ جوانی ہیں کسے تکتے ہیں مگر شادعظیم آبادی یوں نہ چلئے جھوم کر یہ چال متوالوں کی ہے

اُس کی رفتار کا انداز کہوں کیا بہ تسلیل جلیل ایک چلتی ہوئی شمشیر نظر آتی ہے

جنونوں سے چلتا ہے کچھ سُراغ باطن کا یاس چال سے تو ظالم کے سادگی برستی ہے

وہ رفتار میں لغزشیں ہر قدم پر ــــــ پیئے جیسے کوئی شراب اوّل اوّل

پھیلتی جاتی ہیں ہر سُو بھینی بھینی نکہتیں خمار وہ خراماں کیا ہوئے گلشن خراماں ہو گیا

نشانِ کفِ پا

بہ زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود حافظ سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

نیست نقشِ پا بہ گلزار خرامت جلوہ گر بیدل دفترِ برگِ گل از دستِ بہار افتادہ است

اُس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل

میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا مومن

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے ولہٗ کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

نقشِ پا کو کوئی اُٹھا نہ سکا آسی غازیپوری دیکھنا زور ناتوانی کا

نہ میرے دل نہ جگر پر نہ دیدۂ تر پر ولہٗ کرم کرے وہ نشانِ قدم تو پتھر پر

اِس سے زیادہ اور کیا شوخیٔ نقشِ پا کہوں اصغر برق سی اک چمک گئی آج نیاز زمیں

کیا بہارِ نقشِ پا ہے اے نیازِ عاشقی ولہٗ لُطف سر رکھنے میں کیا سر رکھ کے مرجانے میں ہے

نکہتِ زُلفِ یار

نگارِ من بہ صد خوبی ز زُلفش نکہتے دارد نظامی چہ نکہت نکہتِ عنبر چہ عنبر عنبرِ سارا

صبا آرد بمن ہدیہ چہ ہدیہ ہدیۂ نکہت شہید چہ نکہت نکہتِ کاکل چہ کاکل کاکلِ پیچاں

جامۂ معشوق

دستار

گُلے بر گوشۂ دستار داری　غالب　زہے بخت بلندِ باغبانان

نقاب

فتادہ بر رُخِ پاکش نقابے ـــــ حجابِ نازکے بر آفتابے
زِ ابرِ زُلف مہم تا بر رُخ نقاب گرفت　سالار شیرازی　گُماں برند جہانے کہ آفتاب گرفت

اُلٹ دے اے صبا تو ہی نقابِ رُخ کو چہرے سے
کبھی تو دیکھ لیں ہم بھی ذرا سرکار کی صورت　صدیق

اُٹھا ہے پردہ فقط اب نقاب باقی ہے ـــــ ابھی مزاج میں کچھ کچھ حجاب باقی ہے
کہیں نہ حُسن کے شعلے سے صحنِ باغ جلے ـــــ یہ بے نقاب کہاں تم چلے چراغ جلے

دوپٹہ

اگرئی کا ہے گماں شک ہے ملاگیری کا　رِند　رنگ لایا ہے دوپٹہ تیرا میلا ہو کر

رِند اپنے اُستاد آتش کے پاس آتے ہیں، وہ غزل سناتے ہیں جس کا ایک شعر اوپر درج ہے، اس شعر پر اُن کو بڑا ناز ہے، اُستاد سے داد چاہتے ہیں، اُستاد فرماتے ہیں، ذرا صبا کو آنے دو، دیکھیں اُس نے اس قافیہ میں کیا شعر نکالا ہے، لیجئے صبا آ گئے، سوال ہوتا ہے، میلا کا قافیہ بھی لکھا ہے؟ عرض

کرتے ہیں ہاں اور یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

باغباں بلبلِ کشتہ کو کفن کیا دیتا

پیرہن گُل کا نہ اُترا کبھی میلا ہو کر

آتشؔ رندؔ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں، دیکھا شعر یوں کہتے ہیں، رندؔ کے چہرے کا رنگ میلا ہو جاتا ہے

گھٹا اور بجلی میں ہے آج چوٹ ——— ہے آبی دوپٹہ میں پچکے کی گوٹ

دے دوپٹہ تیرا ململ کا ——— ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا آتشؔ

پیراہن و قبا

اِک تو تھا آتشِ سوزاں بدنِ سُرخ ترا ——— آتشؔ ——— شعلہ بر شعلہ ہوا پیرہن سُرخ ترا

جب سی بسی ہوئی کسی گلگوں قبا میں ہے ——— داغؔ ——— میں کیا کہوں کہ نکہتِ گُل کس ہوا میں ہے

فروغِ بے خودی ہے اُن کے پیراہن کی رنگینی ——— کوئی موجِ شرابِ ارغواں معلوم ہوتی ہے

محرم

کسی کے محرم آبِ رواں کی یاد آئی ——— آتشؔ ——— حباب کے جو برابر کبھی حباب آیا

دو شعر ہندی کے بھی سُن لیجئے اگر شعر مندرجہ بالا ذوقِ سلیم پر گراں نہ گذرا ہو

رحیمن انگیا نیل کی رت میں پہٹی زنیک ——— رحیمنؔ ——— منو کسوٹی ہیم پر دے ہیم کی لیک

ہری کنچکی کس مسی مسکی رس کے ہیر ——— جیسے کلی گلاب سے نکست للت لکیر

سبز محرم ——— جوشِ جوانی ——— سُرخ

تکمہ

جہانگیر ایک بار حریر کا لبادہ پہنے ہوئے تھا، لعل بٹن کا کام دے رہے تھے، نور جہاں نے یہ دلکش

منظر دیکھ کر یہ شعر برجستہ کہا :

ترا نہ تکمۂ لعل است در قبائی حریر — شُد است قطرۂ خُونِ منت گریبان گیر

خوب شعر ہے،

وہ تکمہ درخشندہ الماس کا — میر حسن — ستارہ سا مہتاب کے پاس کا

دامن و گریبانِ یار

نورجہاں ایک روز ایسا پیراہن پہنے ہوئے تھی جس کا گریبان زعفرانی تھا، جہانگیر نے یہ دلفریب منظر دیکھ کر یہ شعر موزوں کیا :

نیست جاناں در گریبانِ تو رنگِ زعفراں
زردیٔ رنگِ رُخ ما شُد گریباں گیر تو

یہ شعر گویا نورجہاں کے "تکمۂ لعل" والے شعر کا جواب ہے اور جواب باصواب !

بہ بزم بادہ گریباں کشودنش بنگر ——— زہے بہانۂ مستی زہے رعایتِ شوق

ایک دن ہاتھ لگایا تھا تیرے دامن کو — حاتم — اب تلک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ

ہوئی ہے عمر کہ ہم لگ رہے ہیں دامن سے — سودا — جھٹک نہ دیجیو پیارے غبار کے مانند

ظالم زمیں سے لوٹتا دامن اُٹھا کے چل — میر — ہوگا کمیں میں ہاتھ کسی دادخواہ کا

بھرے رہتے ہوں ہر دم پھول ہی جس کے گریباں میں
ولہٗ
وہ کیا جانے کہ ٹکڑے ہیں جگر کے میرے داماں میں

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت — شیفتہ — دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

ہاتھ ڈالا میں نے دامن پر تو بولے ناز سے — امیر — میرا دامن چھوڑیئے اپنا گریباں پھاڑیئے

قتل کی میرے شہادت اور کیا ـــــــ تر لہو سے دامنِ جلاد ہے

ہوئی مدت کہ اُس نے ناز سے دامن کو جھٹکا تھا
ابھی تک موجۂ گُل کی پریشانی نہیں جاتی

آثر لکھنوی

آلاتِ کُشتنی

تیغِ یار

تیغِ تو می داشت اگر آبِ مروّت — ظہوری — خون چو منے راکہ رساندے بہ بہائے

گلے ملنے جُھکی جُھک کر رُکی رُک کر کھنچی قاتل
تری شمشیر کو بھی نازِ معشوقانہ آتا ہے — امیر

میں تو میں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں — حالی — اک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں

چلی بھی تیغ تو کس ناز سے تھم تھم کے رُک رُک کے
یہ کچھ اُن سے بھی بڑھ کر نازنیں معلوم ہوتی ہے — ریاض

حسرت اے قاتل لہو مجھ میں نہیں — احسن — خون کی پیاسی تری تلوار ہے

حُسن جب مقتل کی جانب تیغِ بُرّاں لے چلا — حسن — عشق اپنے مجرموں کو پا بہ جولاں لے چلا

بسملوں کو زخم زخموں کو مبارک لذّتیں — سوئے مقتل پھر کوئی تیغ نمکداں لے چلا

خنجرِ یار

یہ میں نے مانا کہ آج خنجر مرا گلو بھی نہیں رہے گا
مگر میں قاتل کے پر ستمگر ہمیشہ تو بھی نہیں رہے گا — اکرام

کہے ہے خنجرِ قاتل سے یہ لہو میرا — ذوق — کمی جو مجھ سے کرے تو پئے لہو میرا

گردنِ تنِ بسمل سے جدا ہو گئی کب کی — امیر — گردن سے جدا خنجرِ قاتل نہیں ہوتا

گلا کٹوا مزا لے لے کے اے دل پھر کہاں یہ دن
کبھی گردن ہو خنجر پر کبھی خنجر ہو گردن پر — ولہٗ

اُن کا خنجر نیام میں رہ کر — نکرؔ — حوصلہ بن گیا مرے دل کا

آپ کا خنجر ہمارے قتل میں جوہر دکھائے — ارشدؔ — پھر تڑپ کر ہم دکھائیں اپنے جوہر دیکھئے

دیدنی ہے رنگ دل میں ڈوب کر کھنچنے کے بعد
تم ابھی کیا دیکھتے ہو ہم کے خنجر دیکھنا — فانیؔ

ناوک و پیکان

لذتِ آزار اگر ابنست پیکانِ ترا — شانیؔ تکلو — ہیچ اجرے نیست در محشر شہیدانِ ترا

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں — سوداؔ — تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

شیخ علی حزیںؔ دہلی آئے، اُن سے اور سوداؔ سے ملاقات ہوئی، شیخ نے شعر پڑھنے کی فرمائش کی، سوداؔ نے متذکرہ بالا شعر پڑھا، شیخ شعر کا مفہوم تو سمجھ گئے، لیکن "تڑپے ہے" کے ٹکڑے کو ٹھیک نہ سمجھ سکے، اور کہا "در زبانِ شما تڑپے ہے چیست" سوداؔ نے جواب دیا "ہندیاں طپیدن را گویند" یہ سُنتے ہی شیخ اُچھل پڑے اور بولے "مرزا غضب کردی"

تیر پر تیر چلاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے —— سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے

نکالوں کس طرح سینے سے اپنے تیرِ جاناں کو
نہ پیکاں دل کو چھوڑے ہے نہ دل چھوڑے ہے پیکاں کو — ذوقؔ

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو — غالبؔ — یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

مولوی سیف الحق ادیب نے کسی مشاعرے میں غزل پڑھی جس کا مطلع یہ ہے ؎

لے جاؤ میرے سینے سے ناوک نکال کے　　پر دل نکل نہ آئے کہیں، دیکھ بھال کے

مرزا غالب موجود تھے، پاس بلا کر پیار کیا اور فرمایا میاں سیفو اب ہم سے اصلاح لیا کرو،

مرزا غالب کی توجہ سے اُن کے کلام میں بڑا چوکھا رنگ پیدا ہوگیا،

مرے جذبِ دل نے روکا ترے تیرِ بے اماں کو　ثاقب لکھنوی　جو یہ بیچ میں نہ پڑتا تو جگر کے پار ہوتا

مرزا ثاقب مرحوم نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے یہ شعر مرزا غالب کے "تیرِ نیم کش" والے شعر کو سامنے رکھ کر کہا تھا، حالی سے بذریعہ تحریر ان کی رائے دونوں شعروں کے متعلق طلب کی، انھوں نے میرے شعر کی تعریف کی مگر لکھا کہ اس کو کیا کیا جائے کہ مرزا غالب کا شعر لوگوں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے،

نکالے لیتے ہیں سینے سے پیکاں　بیتاب　ہمارے درد کا درماں سمجھ کر

نکلتا نہیں دل سے پیکاں ترا　حکیم برہم　یہ ظالم مرا مدعا ہو گیا

اُٹھاؤں شمع کو کیا حسرت و ارماں کی محفل سے
ترے ناوک کو پہلو سے نکالوں بھی تو کس دل سے

کیا کہئے جاں نوازیِ پیکانِ یار کو　اصغر　سیراب کر دیا دلِ منت گذار کو

سامانِ آرائش

آنکہ از حلقۂ زر گوش گرانست اُورا — جامی — چہ غم از نالۂ خونیں جگرانست اُورا

آنکھ میں سُرمے کی تحریر نظر آتی ہے — جلیل — (سونے کی بالی) حور کھینچے ہوئے شمشیر نظر آتی ہے

بجلی دانتوں کی چمک پر بجل ——— مسی کو دیکھ گھٹا لوٹ گئی

باندھ کر ہاتھ ادب کے مارے ——— پائے جاناں پہ حنا لوٹ گئی

دُرِ آویزہ اُس کی زلف اور رُخسار سے باہم — سودا — جھمکتا ہے برنگِ گوہرِ شب تاب آتش میں

گہر ہے کہ صبحِ بناگوش میں — میر — ستارہ سا ہے جھلملاتا ہوا

لیتے کروٹ ہل گئے جو کان کے موتی ترے — ولہٗ — شرم سے سر در گریباں صبح کے تارے ہوئے

سیہ چوری بدستِ آں نگارے دیدہ ام امشب — خان آرزو — بشاخِ صندلیں پیچیدہ مارے دیدہ ام امشب

خان آرزو نے یہ مطلع حزیں کو سُنایا، حزیں نے کہا "خوب گفتی اما خیلے طول گفتی" پھر قدرے توقف کے بعد خان موصوف کو مشورہ دیا کہ شعر یوں کر دو: ؎

سیہ چوری بدستِ آں نگارے

بشاخِ صندلیں پیچیدہ مارے

ظاہر ہے کہ اس اختصار نے شعر میں کس قدر حُسن اور شگفتگی پیدا کر دیا'

سیہ چوری بود چوں تارِ سُنبل — واسطی — کہ پیچیدند بر گُلدستۂ گُل

یہ کیفیت سنہری چوڑیوں کی خوشنمائی میں عندلیب شادانی کرن خورشید کی لپٹی ہوئی گوری کلائی میں

روایت ہے کہ غنی نے بڑھاپے میں ایک دوشیزہ سے شادی کی، ایک روز وہ خلخال پہن کر

چھم چھم کرتی ہوئی صحن سے گذری، غنی کے شاعرانہ جذبات بیدار ہوئے اور اُنھوں نے یہ شعر موزون کیا : ؎

کند بر ہر قدم فریاد خلخال ـــ کہ حُسنِ گُلرخاں پا در رکاب است

خلخال اُن کے پانوں کے زرگر بنائینگے ـ تعشق ـ طوقِ گلوئے فتنۂ محشر بنائینگے

تکا کرتی ہے چاند سا مُنہ کسی کا ـ امیر ـ ستارہ ہے چمکا ہوا آرسی کا

چیدم گُلِ نظارہ کہ ہرگز نہ چیدہ ـ پیر ولی اللہ ـ آئینہ دیدہ و لے خود را ندیدہ

منہ تکا ہی کرے ہے جس تس کا ـ میر ـ حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا

دیکھنے میں اُس کے کب آتی ہیں ایسی صورتیں ـ حزیں ـ دیکھ کر تجھ کو نہ ہو آئینہ حیراں کس طرح

مشاطہ را بگو کہ بر اسبابِ حُسن یار ـــ چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسد

مشاطہ را جمالِ تو دیوانہ می کُند ـــ آئینہ را رُخِ تو پری خانہ می کند

معشوق کی تصویر

تصویرِ تو می بینم بر ہر در و دیوارے ——— اے پردہ نشیں گشتی رسوا سرِ بازارے

گو مصوّر صورتِ آں دلستاں خواہد کشید ——— حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہد کشید

تری صورت سے کسی کی نہیں ملتی صورت — ناسخ — ہم جہاں میں تری تصویر لئے پھرتے ہیں

آجائے اگر ہاتھ تو کیا چین سے رہیے — ذوق — سینے سے لگائے تری تصویر ہمیشہ

تصویر کیوں دکھائیں تمہیں کیوں بتائیں نام — بیخود دہلوی — لائے ہیں ہم کہیں سے کسی بیوفا کی ہے

ہزاروں طرح اپنا دردِ دل اُس کو سناتے ہیں — آسی غازیپوری — مگر تصویر کو ہر حال میں تصویر پاتے ہیں

تصویر اُس کی سارے مرقّع کی جان ہے — جلیل — گویا چمن میں پھول کھلا ہے گلاب کا

نہ اشارہ نہ تبسّم نہ لگاوٹ نہ کلام — ولہٗ — کچھ کشیدہ تری تصویر نظر آتی ہے

اک تو تصویر اُس کی غیر کی محفل میں ہے ——— اک ہمارے پاس بھی ہے جو ہمارے دل میں ہے

تصویر میں بھی بدلے ہوئے ہیں وہی تیور ——— آنکھوں میں مروّت کا کہیں نام نہیں ہے

نقوشِ مانی

بعض شعرا ایسے ہوتے ہیں کہ مضمونِ شعر کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے ایسے اشعار شاذ ہوتے ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں،

تصویرِ معشوق

آراستہ آمد و چہ آراستنیست　　خیام　　مے خواست بعشوہ و چہ می خواستنیست
بنشست، بخورد بادہ، برخاست، برقص　　　　دہ وہ چہ نشستنی چہ برخاستنیست
تو تا زشرم فگندی بچہرہ زُلفِ سیاہ　　ظہیر فاریابی　　فغاں زخلق بر آمد کہ آفتاب گرفت
برفرقِ سر نہادہ چو نرگس کلاہ کج　　ولہٗ　　بہ گل فگندہ سنبل زُلف سیاہ کج
سرمستِ لطیف و سادہ　　سعدی　　در دست گرفتہ جام و بادہ
در مجلسِ بزم بادہ نوشاں　　　　بستہ کمر و قبا کشادہ
لعلش چو عقیق گوہر آگیں　　　　زُلفش چو کمند تاب دادہ
بنشستہ زمیں بہ حضرتِ وے　　　　گردونش بہ خدمت ایستادہ
دی زمانے برِ سعدی بہ تکلف بنشست　　ولہٗ　　فتنہ بنشست، چو برخاست قیامت برخاست
تو شبینہ می نمائی بہ برِ کہ بودی امشب (باکسی)　　خسرو　　کہ ہنوز چشم مستت اثرِ خمار دارد
توئی در ملک جاں خسرو چہ خسرو خسروِ خوباں
بود نخلِ قدت فتنہ چہ فتنہ فتنۂ دوراں

بتے دارم کہ گرد گل ز سنبل سائباں دارد | حافظ | بہار عارضش خطے بخون ارغواں دارد

شیوۂ ناز تو شیریں خط و خال تو ملیح | ولہ | چشم و ابروئے تو زیبا قد بالائے تو خوش

مست از مئے شبانہ سر من ز خواب ناز | فغانی | با آفتاب دست و گریباں برآمدہ

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم | نظیری | کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

جام را بر کف دست تو نشست دگر است | نہتی | ید بیضا دگر و دست تو دست دگر است

دل را نگاہ گرم تو دیوانہ میکند | صائب | آئینہ را رخ تو پری خانہ میکند

دستے دہم بہ یار کہ بد مست می رود | ـــــ | دستے نہم بہ دل کہ دل از دست می رود

قد دلجوئے تو فتنہ چہ فتنہ فتنۂ محشر | شہید | چہ محشر محشر آفت چہ آفت آفت دوراں

آویخت گوہرے ز جبین ماہ پارۂ | ثابت الہ آبادی | آمد بروں ز مطلع ابر و ستارۂ

سر از یں تیغ بردن آساں نیست | مظہر | آہ مظہر خم سلام کے

لغزش مستانہ در رفتار و جامے مے بکف | خرد | رخصت اے تقویٰ کہ یار آید بہ سامانے دگر

میر عثمان علی خاں نظام دکن

نگرود تا نظام دہر برہم | | بہ گیسوے پریشاں شانہ دادند

فراقی گشتہ ہوں اُس آن کا جس دم کہ وہ ظالم
کمر سے کھینچتا خنجر چڑھاتا آستیں آوے
فراقی

آیا ہے صبح نیند سے اُٹھ رسمسا ہوا | آبرو | جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہوا

خدا کے واسطے اُس کو نہ ٹوکو | مظہر | یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

خدا جانے کریگا چاک کس کس کے گریباں کو
ادا سے اُن کا چلنے میں اُٹھا لینا وہ داماں کو
جرأت

اِک قُرصِ ماہ کے نظر آتے ہیں سَو ہلال مصحفی عارض پہ اُس کے طُرّۂ پُر خم کی سیر کر

آستیں اُس نے جو کہنی تک چڑھائی وقتِ صبح

دلہٗ

آ رہی سارے بدن کی بے حجابی ہاتھ میں

ہنستے ہو تو اچھی ہی طرح مجھ کو ہنسو نا دلہٗ یوں منہ میں میاں کاہے کو رومال دیا ہے

لبریز اُس کے ہاتھ میں ساغر شراب کا ناسخ ہنستا ہے عکسِ رُخ سے کٹورا گلاب کا

صاحبِ مرآۃ الشعر نے اس شعر کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شاعری نہیں ہے ساحری ہے'

جھجک نہ اے بتِ بدمست شوق سے کر نوش وسعت یہ عکسِ لب ہے تیرا نہیں شراب میں سانپ

ہاتھ میں خنجر گلے میں تیغ تیز پنڈت دیا شنکر نسیم یہ ارادے ایک مُشتِ خاک پر

عکسِ ساقی شراب میں دیکھا دلہٗ ماہتاب آفتاب میں دیکھا

منہ پھیر کے ہنس ہنس کے وہ اقرار کی باتیں نظام اس طور سے کرتے ہیں کہ باور نہیں آتا

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اُٹھا کے ہاتھ دلہٗ دیکھا ہمیں تو چھوڑ دیئے مُسکرا کے ہاتھ

دینا وہ اُن کا ساغرِ مے یاد ہے نظام مُنہ کو اُدھر چھپا کے اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ

کہیں کہیں یہ شعر یوں دیکھا ہے : ؎

دینا کسی کا پان مجھے یاد ہے نظام مُنہ پھیر کر اُدھر کو اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ

صفدر والئ رام پور

دو دو قدم وہ رقص میں چلنا کسی کا ہائے دامن پکڑ کے پاؤں بڑھا کر اُٹھا کے ہاتھ

اِس قسم کھانے کے صدقے جایئے دلگیر آنکھ نیچی ہاتھ میں قرآن ہے

وہ شرمیلی آنکھیں وہ شرمیلی صورت ــــــ وہ ہنسنا بھی کھُل کر نہیں جانتے ہیں

اُٹھے فتنے نگاہ خشمگیں سے ــــــ گلے ملتے ہوئے چینِ جبیں سے

سر پہ کلاہِ کج دھرے زلفِ دراز خم بہ خم
آہوئے چشم ہے غضب تُرکِ نگاہ ہے ستم — شادؔ عظیم آبادی

کبھی کچھ رات گئے اور کبھی کچھ رات رہے — ریاضؔ — ہم نے اِن پردہ نشینوں کو نکلتے دیکھا

چلے آتے ہیں خوش خوش کس کے گھر سے — ولہٗ — وہ ہنستے کھیلتے بادِ سحر سے

پھولوں کا زیور آج کھلا اُن پر اِس قدر — ولہٗ — تصویر بن گئے ہیں عروسِ بہار کی

حسینانِ جہاں یوں خوابگاہِ ناز سے اُٹھے — محشرؔ — پریشاں زلف ماتھے پُر شکن بگڑے ہوئے تیور

وہ اُلٹ کر جو آستیں نکلے — ثاقبؔ لکھنوی — ظلم جامے سے اپنے باہر تھا

غصے سے یہ حال ہو گیا ہے — اخترؔ مینائی — وہ برق جمال ہو گیا ہے

چشمِ میگوں پہ ہیں زلفوں کی ادائیں کیا کیا
جھومتی ہیں سرِ میخانہ گھٹائیں کیا کیا — جلیلؔ

قشقہ ہے کھنچا تری جبیں پر — ولہٗ — یا چاک ہے دامنِ سحر میں

جیسے ہم صورت آشنا ہی نہیں — آرزوؔ لکھنوی — صدقے اس مُنہ چھپا کے جانے کے

اُٹھے عجب انداز سے وہ جوشِ غضب میں — اصغرؔ — چڑھتا ہوا اک حُسن کا دریا نظر آیا

بکھری ہوئی ہو زلف بھی اُس چشمِ مست تک — ولہٗ — ہلکا سا ابر بھی سرِ میخانہ چاہیئے

قبائے پُر شکن نیچی نظر چہرے پہ سُرخی سی — بسملؔ مومانی — یہ صبحِ وصل کی صورت بھی اک تصویر ہوتی ہے

نہ بن پڑا کوئی عذرِ جفا کسی سے تو ہائے — ——— — ادا وہ یاد ہے گھبرا کے روٹھ جانے کی

کون یہ دست بہ شمشیر نظر آتا ہے — حسرتؔ — مجھ کو اک عالمِ تصویر نظر آتا ہے

ابرو پہ بل ہیں اور نگہِ پُر جفا خفا
اُٹھا ہے کچی نیند سے کوئی خفا خفا

نظر سوئے زمیں ہے گوشۂ دامن ہے ہاتھوں میں
معاذ اللہ کوئی کیا کہے ایسے پشیماں کو

اثر لکھنوی

لینے نہ پائے اُن کی بلائیں بڑھا کے ہاتھ ــــــ اُس بدگماں نے تھام لئے مُسکرا کے ہاتھ

پھیلا پھیلا آنکھ میں کاجل — جوشؔ — اُلجھا اُلجھا زُلف کا بادل
نازک گردن پھول سی ہیکل — سُرخ پپوٹے نیند سے بوجھل
یہ کون اُٹھا ہے شرماتا

نفس میں پھولوں کی سی مہک ہے — ولہٗ — جبیں پہ خورشید کی دمک ہے
کمر میں تلوار کی لچک ہے — نظر میں بجلی کا آشیانہ

نوخیز، حسیں، بلند بالا — ولہٗ — اوڑھے ہوئے سُرمئی دوشالا
افسوں بہ نگاہ زُلف بردوش — غرفہ میں کھڑی ہوئی ہے خاموش
فردوس کے در کئے ہوئے باز — ٹیکے ہوئے کہنیاں بصد ناز
رنگیں کلائیوں کو جوڑے — چہرے کو ہتھیلیوں پہ رکھے
گلدان میں پھول ہنس رہا ہے — قرآن ہے رحل پر دھرا ہے

زُلفوں کی وہ نسیم سے برہم کہانیاں — ولہٗ — پلکوں کی وہ خمار سے بوجھل حکایتیں
ناشُستہ رُخ کے سُرخ دھندلکے میں جوش سے — پچھلے پہر وہ شکر سے بہتر شکایتیں

حنائی ہاتھ سے آنچل سنبھالے — مجنوں گورکھپوری — یہ شرماتا ہوا کون آرہا ہے

عارض پہ ہوا کی جنبش سے رہ رہ کے مچلتے ہیں گیسو
یہ منظرِ دلکش کیا کہئے کچھ صبح بھی ہے کچھ شام بھی ہے

اقبال صفی پوری

بوٹا سا قد چھریرا بدن، چمپئی سا رنگ ــــــ بھولی سی صورت آنکھ لجائی ہوئی سی ہے

تصویرِ عاشق

مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغ ہجراں کا ناسخ طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا
روانی رنگ لائی دیدۂ خونابہ افشاں کی اصغر اُتر آئی ہے اک تصویر دامن پر گلستاں کی
جوشِ جنوں میں وہ ترے وحشی کا چیخنا ـــــ بند اپنے ہاتھ سے درِ زنداں کئے ہوئے

جس نے پوچھا حال کیا ہے اس کی صورت دیکھ کر
پہلے ٹھنڈی سانس لی پھر سر جھکا کر رو دیا

تصویرِ عاشق و معشوق

تو آں قاتل کہ از بہرِ تماشا خونِ من ریزی حضرت عثمان ہارونی من آں بسمل کہ زیرِ خنجرِ خونخوار می رقصم
بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہِ جاں بازاں بصد سامانِ رسوائی سرِ بازار می رقصم
خسروِ غریب و خستہ راخوں ریختن فرمودہ است خسرو خلقے بہ منت یک طرف آں شوخِ رعنا یکطرف
بہرِ قلم چو کشد تیغ ہمہ سر بہ زمیں ولہٗ او بنازے عجبے من بہ نیازے عجبے
خوش آنکہ پیش تو پرسند حالِ عرفی و او عرفی شکایتے بہ کنایت ز روزگار کند

من از حیرت تو از تمکیں نہ ایمائے نہ تقریرے
چناں ماند کہ ہم بزم است تصویرے بہ تصویرے حزیں

کسی شاعر نے اس شعر کا ترجمہ اردو میں یوں کیا ہے : ؎

حیرت سے میں اِدھر وہ اُدھر تمکنت سے چپ
تصویر جیسے دیکھے ہے تصویر کی طرف

تراز پرتوِ رخسارِ خود گریباں سرخ　　میر غلام علی آزاد　　مرا ز دیدۂ تر آستین و داماں سرخ

دوش کز گردشِ بختم گلہ بر روئے تو بود　　غالب　　چشمِ من سوئے فلک روئے سخن سوئے تو بود

کھینچیں ہیں کٹاری جو بتاں مجھ پہ اکڑ کر　　سودا　　بنتے ہیں یہ بانکے میری نظروں میں بگڑ کر

یار و مہتاب گل و شمع ہم چاروں ایک　　ولہ　　ہیں کتاں بلبل و پروانہ ہم چاروں ایک

آتا ہے وہ جفا جو تیغِ ستم کشیدہ　　سوز　　دامن بدست چیدہ ابرو بہم کشیدہ

تلوار کو کھینچ ہنس پڑے وہ　　مصحفی　　ہے مصحفی کشتہ اِس ادا کا

کل جو وہ رستہ میں ناگہ مل گیا تھا دیدنی
میرے رہ جانے کی وضع اور اُس کے رک جانے کی طرح　　ولہ

دِل تھامتا کہ چشم پہ کرتا تری نگاہ　　فراق　　ساغر کو دیکھتا کہ میں شیشہ سنبھالتا

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں　　ذوق　　واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

شکوہ نکلا کچھ جواب جب اُن سے نہ بن پڑا　　صفدر والئ رامپور　　گردن میں میرے ڈال دئے مسکرا کے ہاتھ

سُنتے ہی نام وصل وہ پہلو سے اُٹھ گئے ــــــــ جھنجھلا کے طیش کھا کے بگڑ کے چھڑا کے ہاتھ

تیرے جلوؤں کا تو کیا کہنا مگر　　داغ　　دیکھنے والے کو دیکھا چاہیئے

اِک فسانہ سُن گئے اک کہہ گئے　　حالی　　میں جو رویا مُسکرا کر رہ گئے

ہے ہے مری چشمِ حیرت کا سب حالِ دِل اُن سے کہہ جانا
اُنگلی کو دبا کر دانتوں میں کچھ سوچ کے اُن کا رہ جانا　　شاد عظیم آبادی

تصویر ہے کھنچی ہوئی ناز و نیاز کی　　اصغر　　میں سر جھکائے اور وہ خنجر لئے ہوئے

فرق کیا عاشق و معشوق میں اتنا ہی تو ہے　　صفدر　　کوئی دیوانہ بنائے کوئی دیوانہ بنے

اِدھر دیکھ لینا اُدھر دیکھ لینا　　آثر لکھنوی　　پھر اُن کی طرف اِک نظر دیکھ لینا

اُن کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا   فانیؔ   اِک جوش تھا کہ محوِ تماشائے جوش تھا

بیانِ درد و زبانِ خموشش و عرضِ نیاز   جگرؔ   جبینِ شوق و کفِ پائے یار کیا کہنا

اب آگے جو کچھ بھی ہو مقدر رہیگا لیکن یہ نقش دل پر

ہم اُن کا دامن پکڑ رہے ہیں وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہیں   دلؔ

وہ مستِ نازِ حُسن میں سرشار آرزو   سہیلؔ   وہ اختیار میں ہیں نہ میں اختیار میں

یہ ہم نے کب کہا وعدہ ہے آپ کا جھوٹا   بیدلؔ عظیم آبادی   یہ کیوں قسم پہ قسم آپ کھائے جاتے ہیں

ذکرِ عدو پہ اُن کا وہ شرمانا ہائے ہائے   مؤلف   پھر ڈالنا گلے میں مرے مُسکرا کے ہاتھ

وہ کسی کے ہیں میں کسی کا ہوں مگر ایک ربط ہے آج تک

وہی احتیاطِ نگاہ ہے وہی احتیاطِ کلام ہے   شہیدؔ بدایونی

وہ شغلِ میکشی باہم وہ لطفِ وصلِ جانانہ   فضاؔ بسواتی   وہ کچھ بہکی ہوئی باتیں وہ کچھ اندازِ مستانہ

معشوق کی ادائیں

سیر و شکار

سروِ سیمینا بہ صحرا می روی — سعدی — نیک بد عہدی کہ بے ما می روی
اے تماشا گاہِ عالم روے تو — تو کجا بہرِ تماشا می روی

سعدی کی اس غزل میں مندرجہ ذیل دو شعر بھی ہیں :-

کس بایں شوخی و رعنائی نہ رفت — ہم چنینی یا بہ عمدا میروی
گرچہ آرام از دلِ ما میرود — ہم چنیں میرو کہ زیبا میروی

"زیبا میروی" کا ٹکڑہ مجھے بہت پسند آیا، میں نے اس شعر کو بذریعہ تحریر مرزا ثاقب مرحوم کی خدمت میں بغرض داد پیش کیا، مرحوم نے لکھا "یہ سعدی مرحوم کا کام ہے کہ معشوق کو نمائش کریں، رفتار کے متعلق میرا بھی ایک شعر ہے، کبھی لکھونگا" میں نے شعر کے لئے اصرار کیا انھوں نے یہ شعر لکھا :-

بلا سے ہو پامال سارا زمانہ
نہ آئے تمھیں پاؤں رکھنا سنبھل کر

ہمہ وحشیانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف — خسرو — بامید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

پہلے مصرعہ میں بعض بعض جگہ بجائے "وحشیان" کے "آہواں" دیکھا ہے،

گلشن زِ جلوۂ تو پری خانہ گشتہ است ـــــ بوئے گُل از ہوائے تو دیوانہ گشتہ است

بازآں سوارِ مست بہ نخچیر می رود ــــــ ہوشم زدست دست زندبیر می رود

بخوبی تو سوارے بصدرِ زیں نہ نشست آفا رضا تو تا سوار شدی فتنہ بر زمیں نہ نشست

ایں خانہ براندازکہ درخانہ زین است نورجہاں معمارِ تمنائے من خاک نشین است

ازباغ رفتی ودل بلبل زنالہ ریخت صیدی طہرانی گُل راشرابِ رنگ تمام ازپیالہ ریخت

برقع برُخ افگندہ بردنازبہ باغش ولہٗ تانگہتِ گُل بیختہ آید بد ماغش

جہاں آرا بیگم ایک روز سیر باغ کے لئے روانہ ہوئی، صیدی طہرانی ایک بالاخانے سے تماشہ دیکھ رہا تھا، سواری سامنے آئی تو بے ساختہ شعرِ متذکرہ بالا پڑھا، بیگم نے حکم دیا کہ شاعر کو سامنے لائیں، صیدی طہرانی حاضر ہوا تو اُس سے بار بار شعر پڑھوایا، اور حکم دیا کہ اسے ۵۰۰۰ روپیہ دے کر شہر سے نکال دو، اس شعر کا ترجمہ میر افضل حسین ثابت لکھنوی نے کیا ہے، اُن کا شعر ابھی آپ کو بزمرہ اشعارِ اردو ملیگا، مگر اُردو شعر میں "ناز" کا لفظ نہیں آیا جو فارسی شعر کی جان ہے،

مگر آں بے وفا رفت است با اغیار درگلشن
وحشت
کہ دردے می شود در دل زِ بادِ صبحدم پیدا

ہوا ہے سیر کا مشتاق بیتابی سوں من میرا ولی چمن موں آج آیا ہے مگر گُل پیرہن میرا

جب چمن میں جاکے پیارے تم نے زُلفیں کھولیاں
آبرو
لے گئی بادِ صبا خوشبو کی بھر بھر جھولیاں

آج اِس راہ دلربا گذرا سوز دل پہ کیا جانئے کہ کیا گذرا

وہ اپنے گھر سے ستی مستِ شراب نکلے ہے آشفتہ طلوعِ صبح کا جوں آفتاب نکلے ہے

لگیں تلواریں چلنے اِس ادا پر بانکے ٹیڑھوں میں مصحفی ذرا کج ہوکے بیٹھا تھا وہ ظالم پُشتِ توسن پہ

کون اس باغ میں لے بادِ صبا جاتا ہے ولہٗ رنگ رخسار سے پھولوں کے اڑا جاتا ہے
باغ میں جاتی ہے اُس گُل کی سواری اندنوں امانت دم چرائے پھرتی ہے بادِ بہاری اندنوں
پھر وہ سوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے غالبؔ رنگ اُڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا
وہ یکایک باغ میں پہونچے جو اٹھلاتے ہوئے ـــــ کبک بھاگے سامنے سے ٹھوکریں کھاتے ہوئے
نقاب ڈال کے رُخ پر وہ باغ میں آئے ثابت لکھنوی کہ چمن کے نکہتِ گُل بھی دماغ میں آئے
آیا جو وہ گُل تو گُل چمن میں پنڈت پھولے نہ سمائے پیرہن میں
کلیجہ کوئی تھام کر رہ گیا ہے جلالؔ اُدھر جانے والے اِدھر دیکھ لینا
یہ کس کے جانے سے جاتی رہی بہارِ چمن نیساں نہ گُل ہیں باغ میں باقی نہ گُل میں بو باقی
وہ توڑتے ہیں تو کلیاں شگفتہ ہوتی ہیں اکبر الٰہ آبادی وہ روندتے ہیں تو سبزہ نہال ہوتا ہے

خاموشی

بُت بن کے تم آ بیٹھے خاموش چلے اُٹھ کر ـــــ کچھ بات تو کی ہوتی کچھ حال سُنا ہوتا
گالیاں غیر کو دیتا ہوں سنو تم خاموش داغ میں بھی دیکھوں تو بڑے بات نہ کرنیوالے
حقیقت میں پتہ دیتا ہے درپردہ محبت کا جلیل جلیلؔ اُن کا تمہارے نام پر خاموش ہو جانا

مزاجِ یار

کل کیا تھے ہم سے خوش کہ نہیں ہو تم آج خوش
ہم نے تو ایک دن بھی نہ پایا مزاج خوش
مرزا جعفر علی حسرت

پوچھے کوئی مزاج تو اللہ رے غرور ـــــ کہتے نہیں کہ شکر ہے پروردگار کا

اے بتو اِس چار دن کے حُسن پر — اختر — یہ مزاج، اتنا مزاج، ایسا مزاج

ملتا نہیں مزاج جو ملتے بھی ہیں کبھی — صفدر مرزاپوری — کس طرح اُن سے عرضِ تمنا کرے کوئی

اللہ رے کرشمۂ نیرنگیٔ مزاج — مؤلف — نامہرباں کبھی ہیں کبھی آپ مہرباں

تغافل

گفتم آہ از دلِ دیوانۂ حافظ بے تو — حافظ — زیرِ لب خندہ زناں گفت کہ دیوانۂ کیست

گفتمش جامی اسیرِ تست گفتا آگہم — جامی — لیک من از طعنِ بدگویاں تغافل می کنم

امروز عیاں شد کہ نداری سرِ اہلی — اہلی — بیچارہ غلط داشت بہ لطفِ تو گمانہا

زمرُدم یار می پرسد کہ عالی کیست طالع بیں — عالی — کہ عمرم در محبت رفت و کار آخر رسید اینجا

شدم از خاطرِ آں مست و بدخو — نسبتی — چو حرفِ بات حالتِ مستی فراموش

جانبِ ما گو نہ بیند غیر گو خوشدل مشو — ——— — صد نگہ چوں جمع گردد یک تغافل میشود

چارۂ دردِ منِ بیچارہ را — حیاتی بیگم — داند و عمداً تغافل می کُند

ہم تم سے چشم رکھتے تھے دلداریاں بہت — میر — سو التفات کم ہے دِل آزاریاں بہت

جز وہم نہیں ہیش مری ہستیٔ موہوم — ولہٗ — اس پر بھی تری خاطرِ نازک پہ گراں ہوں

پتّا پتّا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے — ولہٗ — جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

جانیں مشتاقوں کی لب تک آئیاں — بیدار — بل بے ظالم تیری بے پروائیاں

اِس طرح کے بے وفا ہم نے نہیں دیکھے کہیں — کاظم — یہ تغافل یہ جفا ہم نے نہیں دیکھے کہیں

پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے — مومن — اُن کا نہ دیکھنا نگہِ التفات ہے

مَیں اور ذوقِ بادہ کشی، لیگئیں مجھے — مفتی صدرالدین خان آزردہ — یہ کم نگاہیاں تری بزمِ شراب میں

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے — غالب — کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن — ولہٗ — خاک ہوجائیںگے ہم تم کو خبر ہونے تک

اِک اِک کو جانتا ہے وہ عیّار بزم میں — تصویر — پر جانتا نہیں تو ہمیں جانتا نہیں

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام — داغ — تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا

بیاں کون ہے اب تلک پوچھتے ہیں — بیاں — تغافل کے قرباں تجاہل کے صدقے

اب کہاں وہ اختلاطِ باہمی — اختر مینائی — دُور کی صاحب سلامت رہ گئی

ہے وہاں شانِ تغافل کو جفا سے بھی گریز — حسرت — التفاتِ نگہِ یار کہاں سے لاؤں

کیا کام اُنھیں پرسشِ اربابِ وفا سے — ولہٗ — مرتا ہے تو مر جائے کوئی اُن کی بلا سے

اب اُن کا سامنا ہوتا ہے تو مُنہ پھیر لیتے ہیں — حامد — کہاں کی رسمِ اُلفت چھوڑ دی صاحب سلامت بھی

کچھ پاسِ غیر کچھ وہ تغافل شعاریاں — رفعت — گویا کہ سامنے بھی ہیں نظروں سے دور تھا

او تغافل شعار بے پروا —— بھول جانا ہمارا یاد رہے

وہ توجہ وہ التفات نہیں — شفقت کاظمی — بات کیا ہے کہ اب وہ بات نہیں

غرور

غرورِ حُسن نے تجھ کو کیا ہے اس قدر سرکش — ولی — کہ خاطر میں نہ تولائے اگر تجھ گھر ولی آئے

ترا غرور مرا عجز تا کجا ظالم — سودا — ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

چار دن کے حُسن پر اتنا غرور — قوی — چاندنی ہوتی ہے کے دِن کے لئے

اِس درجہ غرور نا روا ہے —— مانا کہ حضور خوبرو ہیں

بُت کریں آرزو خدائی کی —— شان ہے تیری کبریائی کی

شوخی

گفتم چگونہ میکشی و زندہ میکنی — خسرو — از یک نگاہ کشتہ و نیگاہِ دگر زندہ کرد

شوخی تو دیکھو تیر کو سینے سے کھینچ کر — مصحفی — کہتا ہے میرے تیر کا پیکان رہ گیا

روٹھنے پہ جو میرے ہنس دیتے ہو — داغ — یہ کون سی بات سیکھتے ہو تم

دیکھنا شوخی یہ کہتے ہیں مرے دشمن سے وہ

کیا ہنسی آئی مجھے تسکیں کو روتا دیکھ کر — نسیم

وعدۂ وصل تو بے ساختہ کر جاتے ہیں — مشکیں — وقت آتا ہے تو شوخی سے مکر جاتے ہیں

جو کچھ سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے — امیر — میں روتا ہوں ان کو ہنسی سوجھتی ہے

غمزہ و ناز و انداز

غمزۂ تو بر دلِ سلطان زند — خسرو — ورنہ رنجی بر دلِ درویش ہم

علامہ شبلی کہتے ہیں "ورنہ رنجی سے کس قدر عاشقانہ خضوع ظاہر ہوتا ہے"

کرشمہ چند کنی بر من آخر این جان است — ولہ — نمی دمد ز زمین و صبا نمی آرد

اس مضمون پر تین سو برس بعد آتش شیرازی نے دست درازی کی اور دوسرے مصرعے کو یوں کر دیا: ~ نمی دمد ز زمین آسمان نمی بارد

دلی میں قتل عام ہو رہا ہے، آصفجاہ کمر کس کر اور جان ہتھیلی پر رکھ کر نادر شاہ کے سامنے آتے ہیں اُس نے پوچھا "خیر باشد چہ میخواہی"؟ انھوں نے دست بستہ یہ شعر پڑھا: ~

کسے نماند کہ او را بہ تیغ ناز کشی — مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

یہ برجستہ اور با موقع شعر سُن کر نادرشاہ نرم ہوا اور تلوار میان میں رکھ کر کہا "بخشیدم"

کہتے ہیں وہ بسر دیکھنے پر — میر — دیکھو کوئی دیکھتا نہ ہوئے

ہر چند کہ ہر شوخ کا اِک ناز جُدا ہے — حافظ قاسم علی عاصی — پر نام خُدا آپ کا انداز جُدا ہے

احوال مرا دھیان سے سنتا تھا وہ لیکن — مرزا حسین علی محبت — کچھ بات جو سمجھا تو کہا میں نہیں سُنتا

کرتا ہے ناز وہ شہ خوباں نئے نئے — آتش — آئین تازہ تازہ ہیں فرماں نئے نئے

دل کو کوئی بچا سکے کیوں کر — مجروح — اس کے انداز ہیں قیامت کے

اِک جھلک اُن کی دیکھ لی تھی کبھی — اکبر الٰہ آبادی — وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا

بیٹھے تکتے تو ہیں کنکھیوں سے — آرزو لکھنوی — یہ نہیں پوچھتے کھڑے کیوں ہو

کچھ یوں ہی اپنے حسن پہ مغرور تھا وہ شوخ — حسرت — کچھ لے اڑی ہے اَور بھی اُس کو ہوائے ناز

بسملوں سے بھی ناز اُٹھوائے ——— ہائے انداز میرے قاتل کے

انداز اپنے آئینے میں دیکھتے ہیں وہ ——— اور یہ بھی دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

وہ دیکھتے ہیں جبکہ نہ دیکھے کوئی اُن کو ——— دیکھے کوئی اُن کو تو وہ دیکھا نہیں کرتے

خلوت میں دل کے آیا بصد عشوہ و ادا — اثر لکھنوی — اِک مستِ ناز پردۂ داماں کیے ہوئے

اِنکارِ وصل

حرفِ اِنکار زِ خوباں ہمہ از دل نبود — شبلی — گہ گہ ایں کار بہ آئینِ حیا نیز کنند

کس بات پر کروں میں تری اعتبار ہائے — قائم — اقرار اک طرف ہے تو انکار اک طرف

دن نہیں، رات نہیں، صبح نہیں شام نہیں — میر — وقت ملنے کا مگر داخل ایّام نہیں

گالی سہی، ادا سہی، چینِ جبیں سہی — انشا — سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی

دن نہیں، رات نہیں، صبح نہیں، شام نہیں   امیر   رہ گئی ایک نہیں ہاں کا کبھی نام نہیں
اِس نہیں کا کوئی علاج نہیں   داغ   روز کہتے ہیں آپ آج نہیں

نواب عزیز یار جنگ بہادر کا بیان ہے کہ نواب مرزا داغ کے یہاں ایک طوائف ملازم تھی، ایک روز انھوں نے ایک ملازم کے ذریعہ سے اُسے بُلا بھیجا، اُس نے کہلا بھیجا کہ میری بلا بھی نہیں آتی، ملازم نے آکر نواب مرزا داغ سے یہی جملہ دہرایا، وہ لطف لیتے رہے اور ملازم سے بار بار دریافت کرتے رہے کہ کیا کہا، ملازم اسی جملہ کو دہراتا جاتا تھا، اسی کیفیت میں اُنھوں نے نواب صاحب سے یہ شعر لکھوایا ؎

یہ کیا کہا کہ میری بلا بھی نہ آئیگی   کیا تم نہ آؤ گے تو قضا بھی نہ آئیگی

اور تھوڑی دیر میں غزل مکمل کر دی،

میں نے وفورِ شوق میں شاید سُنا نہ ہو   اکبر الہ آبادی   یا شاید آپ ہی نے نہ کی ہو "نہیں نہیں"

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر   ریاض   شکن رہ جائے گا چینِ جبیں پر

ہاں وہ تمہارا ایک لفظ موتِ دلِ حزیں سہی
کچھ تو کہو جواب میں ہاں نہ سہی نہیں سہی   کہہ جائسی

آپ کرتے ہیں بار بار نہیں   روش صدیقی   ہم کو ہاں کا بھی اعتبار نہیں

رُوٹھنا

چھیڑنے کا تو مزہ یہ ہے کہو اور سُنو   شاہ عالم آفتاب   بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سُنو

چاہیے اب دیکھ لو خفا ہو کر   گستاخ رامپوری   ہم بھی ہرگز نہیں منانے کے

مر اسراُن کے قدموں پر وہ دامن کو چھڑاتے ہیں   حسن   الٰہی کس طرح دُنیا میں رُوٹھوں کو مناتے ہیں

نہ بگڑو بہت اب بناوٹ سے تم —— وہ ہونٹوں پہ دیکھو ہنسی آگئی

روٹھنے کا لطف یہ ہے روٹھ کر من جائیے — اختر — روٹھتے ہیں آپ لیکن روٹھنا آتا نہیں

وہ بگڑنا بھی کبھی مجھ سے تو ہنستے کھیلتے — حسرت — یاد ہے انداز تیرے لطفِ جور آمیز کا

بیوفائی و بدعہدی و بیمروتی

شیوۂ بے مہریِ آں ماہ را با خود شرف — خوب می دانستم اکنوں خوبتر دانستہ ام

دیدہ ام دفترِ پیمان وفا حرف بحرف —— نامِ خوباں ہمہ ثبت است ہمیں نامِ تو نیست

اس شعر کا ترجمہ حاتم نے یوں کیا ہے :؎

فہرست میں خوبانِ وفادار کے پیارے — دیکھا تو کہیں اس میں ترا نام نہ پایا

ستمگر، بے مروت، بے وفا، ناآشنا، خود بیں

مسلمانم کہ خواہد گفت گر گویم مسلمانش — وحشت

ہمہ مہ طلعتاں نامہربانند — حبیب یغمائی — وزانہا ماہِ من نامہرباں تر

حسن ہے پر خوبرویوں میں وفا کی خو نہیں — آبرو — پھول ہیں یہ سب پر ان پھولوں میں ہرگز بو نہیں

وعدہ پہ تم نہ آئے تو ہم کچھ نہ مر گئے —— کہنے کو بات رہ گئی دن تو گذر گئے

گلہ میں جس سے کروں تیری بیوفائی کا — میر — جہاں میں نام نہ لے پھر وہ آشنائی کا

نہیں شکوہ مجھے کچھ بیوفائی کا تری ہرگز — میر درد — گلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

بیوفائی پہ تیری جی ہے نثار — میر اثر — قہر ہوتا جو باوفا ہوتا

بیوفا تیری کچھ نہیں تقصیر — ولہٗ — مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں

میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے — مومن — تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

یاں انتظار رہی ہیں کٹی میری ساری رات — تسکین — واں وعدہ کیا کیا تھا انھیں یاد ہی نہیں

نکہت ہے نزاکت ہے لطافت ہے مگر حیف — ذوق — اک بوئے وفا یہ گل رعنا نہیں رکھتے

یہ کیا ستم ہے ہم کہیں رو رو کے اپنا حال — ظفر — منہ اپنا پھیر پھیر کے وہ بے وفا ہنسے

ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید — غالب — جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

بے عذر وہ کر لیتے ہیں وعدہ یہ سمجھ کر — شیفتہ — یہ اہل مروت ہیں تقاضا نہ کرینگے

روز کے وعدوں پہ مرجائینگے ہم — اسیر — یوں ہی گذری تو گذر جائینگے ہم

ایفائے وعدہ آپ سے اے یار ہو چکا — بحر — اس کا تو امتحان کئی بار ہو چکا

وعدۂ شام تو کیا ہے ولے — تعشق — کچھ وہ آتا نظر نہیں آتا

وہ اُمید کیا جس کی ہو انتہا — حالی — وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا

ہماری طرف اب وہ کم دیکھتے ہیں — داغ — وہ نظریں نہیں جنکو ہم دیکھتے ہیں

کون کہتا ہے بیوفا تم کو — بیان — جھوٹ ہے افترا ہے تہمت ہے

بولے ہنس کر جو کہا رو کے فسانہ دل کا — جلال — دل لگی سمجھے تھے کیا آپ لگانا دل کا

تسلیم کس کے واسطے بیٹھے ہو گھر چلو — تسلیم — کیا اعتبار وعدۂ بے اعتبار کا

اور تو تم سے کیا نہیں ہوتا — بیخود دہلوی — ایک وعدہ وفا نہیں ہوتا

اب وہ اگلا سا التفات نہیں — حالی — جس پہ بھولے تھے ہم وہ بات نہیں

وہاں بھی وعدۂ دیدار اس طرح ٹالا
کہ خاص لوگ طلب ہوں گے بارِ عام کے بعد — آسی غازیپوری

یقین اُن کے وعدے پہ لانا پڑے گا — یہ دھوکا تو دانستہ کھانا پڑے گا

جب اتنی بیوفائی پر دل اس کو پیار کرتا ہے — تو یارب وہ ستمگر باوفا ہوتا تو کیا ہوتا

ذرا سی بات پر یہ ٹوٹ کر سو ٹکڑے ہوتا ہے
مرے دل کی نزاکت آگئی ہے تیرے پیماں میں

اکبر ہنوز اُن سے ہے امیدوار لطف — اکبر الہ آبادی — بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتا نہیں

جھوٹے وعدوں پر تھی اپنی زندگی — عزیز — اب تو وہ بھی آسرا جاتا رہا

بھروسا تھا کہ وہ عہدِ وفا سے مُنہ نہ موڑینگے
خبر کیا تھی کہ نازک ہاتھ یہ زنجیر توڑینگے — آرزو لکھنوی

بے مروّت، ناوک افگن آفریں صد آفریں — حسن — دل کا دل زخمی کیا پیکاں کا پیکاں لے چلا

امیدِ وفا وفا بتوں سے — وفا — اے مردِ خدا خدا خدا کر

مُسکرا ہی دو اگر پُرسانِ حالِ دل نہ ہو — اتنی گنجائش بھی کیا رسمِ مروّت میں نہیں

ہائے کس سے کہوں کہ او بدعہد — حسرت — کیا کہا اور کیا کیا تُو نے

کہتے کچھ ہو کرتے کچھ ہو — اثر لکھنوی — دیکھتے جاؤ اپنی باتیں

یوں مٹ گئی وفا کہ زمانے کا ذکر کیا
اب دوست سے بھی کوئی شکایت نہیں رہی — ولہٗ

بیداد

دین و دل بُردند و قصدِ جاں کُنند — حافظ — الغیاث از جورِ خوباں الغیاث

قاتلِ من چشم می بندد دمِ بسمل مرا — آصفی — تا بماند حسرتِ دیدارِ او در دلِ مرا

اکبر اعظم کو آصفی کا یہ مطلع بہت پسند تھا، اسی زمین میں فیضی کا ایک شعر سنئے :-

پا بہ رُو بگذار اے قاتل دم بسمل مرا
تا بہ ایں تقریب پابوسی شود حاصل مرا

گیرم کہ روزِ حشر سر از خاک برکشم — مرشد — آں دیدہ کو کہ جانبِ قاتل نظر کُنم

ازیں مرنج کہ بیداد کارِ محبوب است — قمی — اگر وفا نہ نماید ستیزہ ہم خوب است

ایں جورِ دیگر است کہ آزارِ عاشقاں — —— — چنداں نمی کُنی کہ بہ بیداد خو کُنند

ازیں چہ باک کہ رسمِ وفا نمی دانی — ظہوری — بلاست ایں کہ طریقِ جفا نمی دانی

کردۂ آنچہ تو با عاشقِ صادق جاناں — —— — مرگ با جاں نہ کُند کُفر بہ ایماں نہ کُند

سنگیں دل است آں بت و من آبگینہ دل — افتخار — دل را بدل رسیست الٰہی تو خیر کُن

بیخود بوقتِ ذبح طپیدن گناہِ من — غالب — دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہ کیست

غمِ عشقِ تو اے یارِ ستمگار — فراتِ یزدی — نمیدانی کہ با دلہا چہا کرد

تجھ اُپر خون بے گناہوں کا — آبرو — چڑھ رہا ہے شراب کی سی طرح

سینہ اُس کا ہے دل اُس کا ہے جگر اُس کا ہے — قدرت — تیرِ بیداد جدھر رُخ کرے گھر اُس کا ہے

جو مذکور اُس سے کرتا ہے کوئی غمخوار رونے کا
تو کہتا ہے کہ چپ رہ ہے اُسے آزار رونے کا — سودا

ظالم نہ میں کہا تھا کہ اِس خوں سے درگزر — ولہٗ — سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائے گا

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں — ولہٗ — یہ اگر سچ ہے تو ظالم اِسے کیا کہتے ہیں

جفا اُس کی نہ پہونچی انتہا کو — میر — دریغا عمر نے کی بیوفائی

جب مجھے رنجِ دل آزاری نہیں — مومن — بے وفا پھر حاصلِ بیداد کیا

ہے نگاہِ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے — ولہٗ — یہ ستم او بے مروّت کس سے دیکھا جائے ہے

جان دیکھی تنِ بسمل میں جو آتے جاتے — زند — اور جھٹکا دیا جلاد نے جاتے جاتے

دیکھ کر اس بتِ کافر کے ستم — ظفر — اے ظفر مجھ کو خدا یاد آیا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ — غالب — اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

کام اس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں — ولہٗ — لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گماں نہیں — ولہٗ — اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحاں نہیں

کس لیے لطف کی باتیں ہیں پھر — شیفتہ — کیا کوئی اور ستم یاد آیا

کس کس طرح ستاتے ہیں یہ بت ہمیں نظام — نظام — ہم ایسے ہی ہیں جیسے کسی کا خدا نہ ہو

کہیں کہیں پہلا مصرعہ یوں بھی دیکھا ہے:-

ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے یہ بت ہمیں نظام

اے تیغِ جفا کمی نہ کرنا — اسیر — سوگند تجھے مرے لہو کی

سر اڑاتے ہیں وہ تلواروں سے — داغ — کوئی کہتا نہیں سرکار یہ کیا؟

کہتے ہیں یہ بت سنا سنا کر —— جا اپنے خدا سے التجا کر

نہ خوفِ آہ بتوں کو نہ ڈر ہے نالوں کا — جلال — بڑا کلیجہ ہے ان دل دکھانے والوں کا

قتل کی میرے شہادت اور کیا — آرام — تر لہو سے دامنِ جلاد ہے

بات کرنے میں تو شرماتے ہیں آپ — حسن — ظلم کرنے میں نہیں آتا لحاظ

کون لاتا ترے عتاب کی تاب — حسرت — خیر گزری کہ سامنا نہ ہوا

عشقِ حسرت کے سب ہوئے قائل — ایک وہ دشمنِ وفا نہ ہوا

لوٹ لے جی بھر کے حسرت لذتِ آزارِ دل — ولہٗ — اس ستمگر کا یہ رنگِ آشنائی پھر کہاں

بڑھ چلا تھا حد سے جورِ شیوہ بیگانگی — ولہٗ — ورنہ میں اور اس سراپا ناز کا شکوہ کروں

خونِ ناحق کا کسی کے شبہ اور تم پر مگر — جوہر — سینۂ جوہر میں دیکھو تو یہ کس کا تیر ہے

سوچ کر عزم دنیا کیجئے ایسا نہ ہو — حفیظ جالندھری — آپ کو کرنی پڑیں غمخواریاں

اُن کی پیہم نوازشوں کا اثر — عرش ملسیانی — مرے حالِ تباہ سے پوچھو

رنجش

تا منفعل ز رنجشِ بیجا نہ سازمت — نظیری — می آرم اعترافِ گناہِ نبودہ را

اغیار کا مُنہ تھا تری محفل سے اُٹھاتے — شہیدی — سچ ہے یہ تری رنجشِ بیجا نے اُٹھایا

بارہا دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں — غالب — پر کچھ اب کی سرگرانی اور ہے

اِن دنوں پیارے ترا طرزِ تکلّم اور ہے — آزاد — طورِ چشمک اور ہے طرحِ تبسم اور ہے

اِک مشغلہ ٹھہرا ہے تمہیں رنجشِ بیجا — ظہیر — اک کھیل ہُوا تم کو ستانا مرے دل کا

شاید مرے سوا کوئی اُس کو سمجھ سکے — اصغر — وہ ربطِ خاص رنجشِ بیجا کہیں جسے

تلوّن طبعی

کبھی دشمنی ہے کبھی دوستی — میر آثر — تری کون سی بات پر جائیے

کشتہ ہم بھی تری نیرنگی کے ہیں یاد رہے
او زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے — آتش

تم جفا پر بھی تو نہیں قائم — بیدل عظیم آبادی — ہم وفا عمر بھر کریں کیونکر

رنگ بدلا یار کا وہ پیار کی باتیں گئیں — حفیظ جالندھری — وہ ملاقاتیں گئیں وہ چاندنی راتیں گئیں

اللہ رے بتوں کی تلوّن مزاجیاں — اخگر — "ہاں ہاں" گھڑی میں ہے تو گھڑی میں "نہیں نہیں"

دفعتاً احتراز کیا کہنا آثر صہبائیؔ واہ بندہ نواز کیا کہنا
تمہارا ستم الاماں الاماں ولہٗ تمہارا کرم الاماں الاماں

پشیمانی

عُذر خواہی کُندم بعد از قتل محتشم کاشی عذر بدتر ز گناہش نگرید
نیست روئے عرق آلودہ بہ گوہر محتاج صائبؔ نبود حُسنِ خدا داد بہ زیور محتاج
جفا سے اپنی پشیماں نہ ہو ہوا سو ہوا تاباںؔ تری بلا سے مرے جی پہ جو ہوا سو ہوا
یقیںؔ کے واقعہ کی سُن خبر وہ بدگماں بولا یقینؔ وہ دیوانہ تو کچھ ایسا نہ تھا بیمار کیا کہیئے
وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب مومنؔ تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے
کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ غالبؔ ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

بس اسی منہ سے شکایت کرنے بیٹھے تھے ظہیرؔ
خود پشیماں ہو گئے اُن کو پشیماں دیکھ کر ظہیرؔ

شرمِ جفا سے لطف سراپا بنے ہوئے حسرتؔ وہ آج کل ہیں جانِ تمنا بنے ہوئے
عذرِ ستم ضرور نہ تھا آپ کے لئے ولہٗ حسرتؔ کو شرمسار ندامت نہ کیجئے
موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے اقبالؔ قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے
دے ترا حُسنِ تغافل جسے جو چاہے فریب فانیؔ ورنہ تو اور جفاؤں سے پشیماں ہونا
روح اربابِ محبت کی لرز جاتی ہے ولہٗ تو پشیمان نہ ہو اپنی جفا یاد نہ کر

آگ سا چہرہ پانی پانی
اُف رے مرا شرمانے والا فضلیؔ

شرم وحیا

اِسس طرف کو دیکھتا بھی ہے تو شرمایا ہوا
وصل کی شب کا سماں آنکھوں میں ہے چھایا ہوا

جرأت

بات ہی اول تو وہ کرتا نہیں مجھ سے کبھی
اور جو بولے بھی ہے کچھ مُنہ سے تو شرمایا ہوا

کبھی نیکی بھی اسس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

غالب

غیر کو یارب وہ کیوں کر منع گستاخی کرے — گر حیا بھی اُس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے — ولہٗ

لوگ ایسا نہ ہو سمجھیں کچھ اور — دیکھ کر مجھ کو نہ شرمائیں آپ — راقم

چشمِ آہو نہ ملی دیدۂ نرگس نہ ملا — اے حیا تجھ کو انھیں آنکھوں میں کیا رہنا تھا — امیر

اُٹھ نہیں سکتی حیا کے بوجھ سے — رحم آتا ہے نگاہِ یار پر — داغ

گلے کل ملیں گے وہ مینائے مے سے — جو پیتے ہوئے آج شرما رہے ہیں — ریاض

برق کو ابر کے دامن میں چھپا دیکھا ہے — ہم نے اُس شوخ کو مجبورِ حیا دیکھا ہے — حسرت

آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہارِ حُسن — آیا مرا خیال تو شرما کے رہ گئے — جگر مرادآبادی

سلام کرنا

قدِ اُو از پئے تسلیم خم شد — ہلالِ عیدِ مشتاقاں علم شد — غنیمت

اس ادا سے مجھے سلام کیا — ایک ہی آن میں غلام کیا — نواب آصف الدولہ آصف

قسم کھانا

یک نگہ یک خندۂ دزدیدہ یک تابندہ اشک   اقبال   بہر پیمانِ محبت نیست سوگندے دگر

ساعدِ سیمیں دونوں اُس کے ہاتھ میں لے کر چھوڑ دئے
بھولے اُس کے قول و قسم پر ہائے خیالِ خام کیا   میر

میر صاحب ہی چوکے اے بدعہد   ولہٗ   ورنہ دینا تھا دل قسم لے کر

جی نکل جاتا ہے میرا جب کبھو آتی ہے یاد   یقین   وہ قسم کھا کر اُسی ساعت مُکر جانیکی طرح

خُدا کی قسم اُس نے کھائی آج   داغ   قسم ہے خُدا کی مزہ آگیا

وہ کچھ غیر سے وعدہ فرما رہے ہیں   ریاض   میرے سر کی جھوٹی قسم کھا رہے ہیں

ہاں اثر سچ ہے کہ سب وعدے ہیں اُس کے جھوٹے
کچھ عجب لطف ہے رُک رُک کے قسم کھانے میں   اثر لکھنوی

رحم و التفات و وفا

اگر با مدعی عہد وفا بستی نمی رنجم   قمی   کہ میدانم ندارد اعتبارے عہد و پیمانت

تیز می سازد بقتلِ عاشقاں شمشیر را   سرخوش   ایں قدر رحم ہم از و بسیار می دانیم ما

عاشق کہ شد کہ یار بہ حالش نظر نہ کرد   حیرت   اے خواجہ درد نیست و گرنہ طبیب ہست

ازیں دریا عبورِ خویشتن آساں نمیدانم ــــــ کہ دستِ ناتوانِ خود بدستِ آشنا دارم

بہ سویم چوں نظر افتاد دوش آں ترکِ پُر فن را
بگفت ایں خستہ جاں جائے گرفتار است پنداری   شبلی

کہتے ہیں آ گئے تھا بتوں میں رحم   میر   ہے خدا جانیئے یہ کب کی بات

یاں شہرِ حسن میں تو کہیں ذکر بھی نہیں   ولہٗ   کیا جانیئے کہ مہر و وفا ہے کہاں کی بات

وہ کیا کچھ نہیں حسن کے شہر میں   ولہٗ   نہیں ہے تو رسمِ وفا ہی نہیں

مرتا تھا میں تو باز رکھا مرنے سے مجھے   ولہٗ   یہ کہہ کے کوئی ایسا کرے ہے ارے ارے

نگاہِ لطف سے دیکھا یہی غنیمت ہے   جوشش   سلام اُن نے ہمارا لیا لیا نہ لیا

عام جب سے ہو گیا اُن کا کرم   نصیر   مہربانی کا مزہ جاتا رہا

ہر وضع کے انساں سے ملاقات ہے اُن کو   شہیدی   سب خلق و مدارات کے قابل ہیں مگر ہم

اتنا تو جذبِ عشق نے بارے کیا اثر   برق   اُس کو بھی اب ملال ہے میرے ملال کا

کی وفا ہم سے تو غیر اُس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں   غالب

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں   ولہٗ   تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

غیر سے دیکھیئے کیا خوب نبھائی اُس نے   ولہٗ   نہ سہی ہم سے پر اُس بت میں وفا ہے تو سہی

ہائے وہ نیچی نیچی نظروں سے   نظام   دیکھنا میری چشمِ تر کی طرف

مدت سے التفات مرے حال پر نہیں   بحر   کچھ تو کجی ہے دل میں کہ سیدھی نظر نہیں

یارب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر   حالی   تھا اس کو ہم سے ربط مگر اس قدر کہاں

اب وہ اگلا سا التفات نہیں   ولہٗ   جس پہ بھولے تھے ہم وہ بات نہیں

کچھ بھی اُن سے کہا نہ حیرت نے   حیرت   جب یہ دیکھا کہ التفات نہیں

مری جانب کبھی بھولے سے بھی نظریں نہیں اٹھتیں
وہ مجھ کو التفاتِ خاص کے قابل سمجھتے ہیں   ماہر

اُس نے گو بات نہ مانی میری ——— سُن تو لی مجھ سے کہانی میری

دل کی طلب ہے اور تمنا ہے جان کی ——— کیا مہربانیاں ہیں مرے مہربان کی

وہ کہتے ہیں مسیحائی کو ہم تیار بیٹھے ہیں　جلیل　یہ پوچھو کیا ابھی تک آپ کے بیمار بیٹھے ہیں

ہجومِ بیکسی کو وجہ لطفِ بیکراں پایا　حسرت　کہ ہم نے اُس بُتِ نامہرباں کو مہرباں پایا

پیہم مجھے پیالۂ مے پر پلا دیا　ولہٗ　ساقی نے التفات کا دریا بہا دیا

نہاں شانِ تغافل میں ہے رمزِ امتیاز اُس کا　ولہٗ　بہ اندازِ جفا ہے التفاتِ دل نواز اُس کا

واقف ہیں خوب آپ کی طرزِ جفا سے ہم　ولہٗ　اظہارِ التفات کی زحمت نہ کیجئے

ہزاروں جان دیتے ہیں بتوں کی بے وفائی پر
اگر اِن میں سے کوئی باوفا ہوتا تو کیا ہوتا　چکبست

کرم کیا تھا باندازۂ تبسم برق　فانی　وہ کچھ خیال میں آئے ہی تھے کہ آکے چلے

ستمِ یار کی دُہائی ہے　جگر مرادآبادی　نگہِ التفات نے مارا

شرمندہ ہو نہ جائے کہیں رحمتِ خُدا　جوش　اُس بُت کا التفاتِ فراواں نہ پوچھئے

اب اور اس کے سوا چاہتے ہو کیا ملّا　مُلّا　یہ کم ہے اس نے تمہیں مسکرا کے دیکھ لیا

وہ التفات کی پہلی نظر قیامت تھی　جعفری سہارنپوری　کہ ہم قرار کی حالت میں بیقرار رہے

تبسم کی وہ شوخیاں الحذر　اثر صہبائی　نگاہِ کرم الاماں الاماں

ان بتوں کے عشوۂ رنگیں کی رنگیں شوخیاں　حبیب احمد صدیقی　التفات خاص ہے مجھ کو مسلمان دیکھ کر

آشنا جب تک نہ تھا اُس کی نگاہِ لطف سے　ولہٗ　وارداتِ قلب کو حسنِ بیاں سمجھا تھا میں

درسِ جنوں، پیامِ طرب، مژدۂ حیات　ولہٗ　افسونِ التفات ہے کیا کیا لئے ہوئے

اس سلسلے میں ہندی کا بھی ایک شعر سن لیجئے، ایسا شعر کسی دوسری زبان میں ملنا آسان نہیں:-

سکھی سکھاوے مان بدھ نینن برجت بال ـــــ ہولے کہہ موہنی بسے سدا بہاری لال
(ناز و انداز — کمسن — آہستہ سے — میرے دل میں بستا ہے)

پُرسش

اے کہ با سلسلۂ زلفِ دراز آمدۂ — حافظ — فرصتت باد کہ دیوانہ نواز آمدۂ
ساعتے ناز مفرما و بگرداں عادت — چوں بہ پرسیدنِ اربابِ نیاز آمدۂ
دعاش گفتم و خنداں بہ زیرِ لب می گفت — ولہٗ — کہ کیستی تو و با ما چہ گفتگو داری
اگر بہ پُرسشِ عشاق می نہد قدمے — ہمایوں — ہزار جانِ گرامی فدائے ہر قدمش
پس از عمرے اگر حالِ منِ بیمار می پُرسد ـــــ نمی پُرسد ز من آں نیز از اغیار می پُرسد
حالِ ما از غیر می پُرسی و منت می کشم — غالب — آگہی بارے کہ آگہ نیستی از حالِ ما
یار می پُرسد شبلی را کہ چوں برباد رفت — شبلی — منتِ خاکے کہ در ہوا پیش پریشاں کردہ ام
مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے — فغاں — یوں بھی گذر گئی مری ووں بھی گذر گئی
دیکھ لیتا ہے وہ پہلے چار سُو اچھی طرح — میر — چپکے سے پھر پوچھتا ہے میر تو اچھی طرح
حالِ بد گفتنی نہیں میرا — ولہٗ — تم نے پوچھا تو مہربانی کی

دل میں سو بات تھی پر اُس نے جو پوچھا احوال
مجھ سے کچھ دردِ دل اظہار ہوا کچھ نہ ہوا — مرزا جعفر علی حسرت

یوں پوچھتے ہیں غیر سے میرے جنوں کا حال ـــــ دیوانہ بن گیا ہے کہ دیوانہ ہو گیا
کس منہ سے شکر کیجیے اِس لطفِ خاص کا — غالب — پُرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں
یوں تو روٹھے ہیں، مگر لوگوں سے — نظام — پوچھتے حال ہیں اکثر میرا
کچھ اس ادا سے یار نے پوچھا مرا مزاج ـــــ کہنا پڑا کہ شکر ہے پروردگار کا

پرسشِ حال اُس نے کی تو مجھے ثاقب لکھنوی یہی کہتے بنا کہ اچھا ہوں

آپ اور مجھ پر کرم شانِ خدا اختر آپ اور پوچھیں غریبوں کا مزاج

کچھ اس ادا سے مرا اُس نے مدعا پوچھا اصغر ڈھلک پڑے مری آنکھوں سے گوہرِ مقصود

ہم نہ مرتے ترے تغافل سے جگر مراد آبادی پرسشِ بے حساب نے مارا

اس پرسشِ کرم پہ تو آنسو نکل پڑے فراق گورکھپوری کیا تو وہی خلوصِ سراپا ہے آج بھی

بدگمانی

بہ من چنداں گنہ از بدگمانی می کند نسبت غالب کہ من ہم در گماں افتادہ پندارم گنہگارم

باما بہ ہر معاملہ اُو بدگماں نبود شبلی خوش بود آں کہ راز محبت عیاں نبود

یقیں کے واقعہ کی سُن خبر وہ بدگماں بولا
یہ دیوانہ تو کچھ ایسا نہ تھا بیمار کیا کہیے یقیں

فرصت جو پا کے کہیے کبھی دردِ دل تو ہائے جرأت وہ بدگماں کہے ہے کہ ہم کو یقیں نہیں

تمہارا شکوہ اور میری زباں سے ـــــــ معاذ اللہ کتنے بدگماں ہو

وہ غور بات بات پہ وہ شک بھری نظر
یا رب نہ مجھ سے صاف ہو دل بدگمان کا اثر لکھنوی

بھولاپن

وہ بھولاپن کسی کا آہ بھولا ہے نہ بھولے گا
وہ رو دینا ہنسنے میں اور ہنس دینا وہ رونے میں آزاد

اُن کے بھولے پن کے صدقے جائیے　　کہتے ہیں مجھ سے تمہیں کیا کام ہے

ادا ہائے دیگر

ایک روز محبوب الٰہی لبِ دریا ایک کوٹھے پر بیٹھ کر ہندوؤں کی عبادت اور اشنان کا تماشا دیکھ رہے تھے، امیر خسرو بھی حاضرِ خدمت تھے، محبوب الٰہی نے فرمایا۔" دیکھئے

"ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے"

اُس وقت محبوب الٰہی کی ٹوپی ذرا ٹیڑھی تھی، امیر نے اُس کی طرف اشارہ کر کے برجستہ کہا : ؎

"من قبلہ راست کردم برسمتِ کجکلاہے"

جہانگیر نے اپنی تزک میں لکھا ہے" میری مجلس میں قوال یہ شعر گا رہے تھے، میں نے شان نزول پوچھا، مُلّا علی احمد نے واقعہ بیان کیا، مصرعہ آخر کے ختم ہوتے ہوتے مُلّا کی حالت بدلنی شروع ہوئی، یہاں تک کہ غش کھا کر گر گئے، دیکھا تو دم نہ تھا"

خدارا دادِ من بستاں از و اے شحنۂ مجلس
کہ مے با دیگراں خوُرد است و با ما سرگراں دارد　　حافظ

گلُچہرہ بیگم (دختر شہنشاہ بابر)

ہیچ گہ آں شوخِ گُل رُخسار بے اغیار نیست
راست بود است آنکہ در عالم گلے بے خار نیست

مدارِ خویش منہ جملہ بر "نمیدانم" ظہوری　گذشت کار ز طفلی چرا نمیدانی

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا — زیب النساء — بت پرستی کے کند در برہمن بیند مرا

در سخن پنہاں شدم مانند بو در برگ گل — ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

ہلاک طرز آں بیگانہ خوے آشنا رویم ——— کہ با ایں بیوفائیہا وفادار است پنداری

باکم سخنیش می تواں ساخت ——— ایں است بلا کہ کم نگاہ است

دشنام از آں لعل شنیدم کہ میپرسید — بیدل — می خواست بہ سنگم زند آخر بہ گہر زد

بدوش صبا می رسد بوے یارے ——— چہ مرکب سبک رو چہ نازک سوارے

پارۂ شوخ و پارۂ نمکیں — مظہر جان جاناں — ہائے دشنام ناتمام کسے

ناز بیجا و لطف بے موقع — ٹیک چند بہار — دلبراں کی ادا ہے کیا کیا کچھ

کریں جو بندگی ہوویں گنہگار — آبرو — بتوں کی کچھ خدائی ہے نرالی

تم کہ بیٹھے ہوے اک آفت ہو — حاتم — اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

آگے نہ میرے غیر سے گو تم نے بات کی — ولہ — سرکار کی نظر کو تو پہچانتا ہوں میں

دل کو خوش آئیں یہ دلبر کی ادائیں بھولیاں
غیر کو دشنام دے کہتا ہے ہم پر بولیاں — مبتلا

ڈرتے ڈرتے جو کہا میں کہ ترا عاشق ہوں — سودا — قہقہہ مار لگا کہنے وہ طناز درست

بات کرنے میں گالیاں دے ہے — میر — دیکھیو میرے بدزباں کی ادا

دور بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھ طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوہ ہے کچھ اچھی آنکھوں والوں کا — ولہ

کھلا نشہ میں جو پگڑی کا پیچ اُس کے میر
سمند ناز کو اک اور تازیانہ ہوا — ولہ

تم نے نگاہِ لطف سے رکھ لی ادب کی شرم —— ورنہ لبوں تک آہی چکا تھا گلہ ابھی

ذکر میرا ہی وہ کرتا صریحاً لیکن | میر درد | میں نے پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

باتوں باتوں میں دل لیا بیدار | بیدار | دیکھی اُس میرے دلستاں کی ادا

منہ پھیر کر فراق وہ کچھ مسکرا دئے | فراق | اب اور سنتے حالِ دلِ بے قرار کیا

میں رو رو جو کہنے لگا دردِ دل | جرأت | وہ منہ پھیر کر مسکرانے لگا

نہیں معلوم منظور اُس کو کیا ہے | انشا | بری چتون سے کافر دیکھتا ہے

کچھ اُس کی وضع بگڑی کچھ ہے وہ پیماں شکن بگڑا
یہ سچ دیکھ ہے تو دیکھو گے زمانے کا چلن بگڑا
مصحفی

اے مصحفی افسوس کہاں تھا تو دوانے | ولہٗ | کل اُس کی نہیں ہم نے عجب آن میں دیکھا

طرح دینا اُڑا دینا لگا دینا بجھا دینا | نظیر اکبر آبادی | یہ ڈھب ہیں یاد تس پر کچھ فریب اور فن نہیں آتا

پوچھے ہے اُس سے جب کوئی قتلِ نظیر کو | ولہٗ | کہتا ہے ہم نے مارا ہے ہاں ہاں نہیں نہیں

جس نے دیکھا اُسے کیا سجدہ | پروانہ | غرض اُس بت نے بھی خدائی کی

اللہ رے صبحِ عید کی اُس شوخ کو خوشی | آتش | شانہ ہے اور زلفِ معنبر تمام رات

اُس بلائے جاں سے آتش دیکھئے کیونکر نبھے | ولہٗ | دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوئے دوست

تکلف سے بری ہے حسنِ ذاتی | ولہٗ | قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

سب ہوئے محو اُسے دیکھ جدھر سے نکلا | مہاراجہ چندو لال شاداں | تھے تعجب میں کہ یہ چاند کدھر سے نکلا

کیسے گلے رقیب کے کیا طعنِ اقربا | مومن | تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

غیروں کو اشارہ ہے مرے قتل پہ ناحق | تسکین | یہ جنبشِ ابرو ہے تو سر کاہے کو ہوگا

وہ کیا کرینگے مداوائے دردِ دل تسکین | ولہٗ | جو اک نگاہِ محبت کی تاب لا نہ سکے

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
ذوق
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

جو ہیں ٹیڑھے ترچھے دکھلا اُن کو اپنا بانکپن
ظفر
ہم ہیں سیدھے سادھے ہم سے بات کر سیدھی طرح

یہ کم نگاہیاں تری بزمِ شراب میں آزردہ میں اور ذوقِ بادہ کشی لے گئیں مجھے

لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں غالب لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں ولہٗ اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا

معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے ولہٗ خُو نے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو

بھولے سے اس نے سیکڑوں وعدے وفا کئے ولہٗ ضد کی ہے اور بات مگر خُو بُری نہیں

سادہ دل بت وہ بتِ آئینہ سیما کیسا آغا نظم والی رامپور جلد جم جاتا ہے ہر شخص کا نقشا کیسا

شیفتہ اس کو تو لو تم سے محبت نکلی شیفتہ ایسی رغبت سے کرے قتل گماں کا ہے کو تھا

اک بار منع کیجئے تو سو بار دیکھنا سالک کچھ ہو پہ اُن کو جانبِ اغیار دیکھنا

"تکلف کیا ہے مرجانے میں ایسے بے تکلف پر"
قلق
نہ رسمِ پردہ کو سمجھے نہ آئینِ حیا جانے

اور اس کی داد چاہیں وہ مجھ کو دکھا کے ہاتھ نظام یہ بھی نیا ستم ہے حنا تو لگائیں غیر

تو مُنہ پھیر کر مسکرانے لگے ولہٗ نہ بن آیا جب اُن کو کوئی جواب

گردن پہ وہ رکھ رکھ کے اُٹھا لیتے ہیں خنجر
جوہر شاہجہانپوری
کچھ کچھ ہے محبت کی جھلک طرزِ جفا میں

اور اُلجھتے ہیں وہ زُلفِ عنبریں سے میں اِس برہم مزاجی کے تصدق

یہ باتیں سچ یہ قسمیں راست لیکن   ولہ   یہ کیا کہتی ہے طراری زباں کی

خدا جانے کیا بات ہے اِس میں مخفی   تمنی   کہ اس ظلم پر جی کو بھاتا بہت ہے

جنگ پر جس کی لوگ مرتے ہیں —— صلح میں اس کے کیا مزہ ہوگا

سُنے گا بھلا کون یہ سخت باتیں   تعشق   حضور اپنا طرزِ سخن دیکھتے ہیں

زندگی کہتے ہیں کس کو موت کس کا نام ہے   پیارے صاحب رشید   مہربانی آپ کی نامہربانی آپ کی

وہ مجھے دیکھ کے ہنس دیتے ہیں   قدر   آنکھ چھپتی ہی نہیں یاری کی

ہم سے بندوں پہ ظلم کرتے ہیں   آشنا   اِن بتوں کا کوئی خدا بھی ہے

میں زباں سے تم کو سچا کہو لاکھ بار کہہ دوں   امیر   اِسے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا

ابھی کمسن ہیں ضدیں بھی ہیں نرالی اُن کی   ولہ   اس پہ مچلے ہیں کہ ہم دردِ جگر دیکھینگے

جو کچھ سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے   ولہ   میں روتا ہوں اُن کو ہنسی سوجھتی ہے

اور اک بات حسینوں کی نرالی سُنئے   ولہ   دیجئے اُن کو دعائیں بھی تو گالی سُنئے

محفلِ دشمن میں میری پیشوائی کے لئے —— جھوم کر آنا وہ تیرا ہائے متوالے مرے

دیکھ لینا کہ حشر کا میدان   داغ   میرے حاضر جواب نے مارا

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گِلہ دل کا   ولہ   بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں   ولہ   کہنا نہیں مانتے کسی کا

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام   ولہ   تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنے

بتانِ ماہوش اُجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
ولہ
یہ جس کی جان لیتے ہیں اُسی کے دل میں رہتے ہیں

داغ کی اس طرح کی غزل دیکھ کر امیر کے شاگردوں نے اصرار کیا کہ حضرت اس زمین میں غزل

کی جائے، امیر نے جواب دیا کہ داغ نے اس زمین کو مٹا دیا،

قیامت ہیں بانکی ادائیں تمہاری | ولہٗ | اِدھر آؤ لے لوں بلائیں تمہاری
ساتھ شوخی کے کچھ حجاب بھی ہے | ولہٗ | اِس ادا کا کہیں جواب بھی ہے

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں
حالی

سب جتایا کئے نیاز قدیم مولوی محمد اسمٰعیل وہ کسی کا بھی آشنا نہ ہوا

کہے سنے سے ذرا پاس آکے بیٹھ گئے نظم رامپوری نگاہ پھیر کے تیوری چڑھا کے بیٹھ گئے

ادھر ہم سے بھی باتیں آپ کرتے ہیں لگاوٹ کی
اُدھر غیروں سے بھی کچھ عہد و پیماں ہوتے جاتے ہیں
اکبر الہ آبادی

ترچھی چتون سے خدا جانے وہ دیکھیں مجھے کب
موت کا وقت کسی شخص کو معلوم نہیں
ولہٗ

زمانہ چاہیئے دل کو کہ حاصل ہو نیاز اُس کا
بہت دیر آشنا ہے اے جبین شوق نار اُس کا
شاد عظیم آبادی

سید حیدر علی طباطبائی نظم

اس چھیڑ میں کوئی جو نہ مرتا ہو تو مر جائے | وعدہ ہے کہیں اور ارادہ ہے کہیں اور
کبھی کچھ رات گئے اور کبھی کچھ رات رہے | ریاض | ہم نے ان پردہ نشینوں کو نکلتے دیکھا
میں نے چھیڑا تو کس ادا سے کہا | ولہٗ | کچھ سنو گے مری زبان سے آج
نہیں چھپتا ترے عتاب کا رنگ | ولہٗ | کہ بدلنے لگا نقاب کا رنگ
رنگ کو اُس کے پوچھنا کیا ہے | | جس کا سایہ بھی دے گلاب کا رنگ

ہم تو بس اِس ادا پہ مرتے ہیں — ولہٗ — منہ چھپائے جو کوستا جائے

کیا ٹھکانا ہے بات کا اُن کی — ولہٗ — دل میں کچھ ہے زبان پر کچھ ہے

تم وعدہ وفائی پر آمادہ سہی لیکن — صفی — انداز خود آرائی سنگِ رہِ پیماں ہے

زباں کاٹ کر حکمِ آہ و فغاں ہے — احسن — نئے ممتحن ہیں نیا امتحاں ہے

چھیڑ دینا تھا کہ پھر مار تھی دشناموں کی — حفیظ جونپوری — ایک صیغہ تھا کہ فر فر اُسے گرداں گئے

یہی شوخی ہے تو ٹھہرے گی نہ چہرے پہ نقاب — جلیل — ایک دو روز کا پردہ ہے یہ پردہ کیا ہے

اُنھیں کیا پڑی ہے جو تلوار دھوئیں — آرزو لکھنوی — لہو لال تھا اور دھبا ہے کالا

جیسے ہم صورت آشنا ہی نہیں — ولہٗ — صدقے اُس منہ چھپا کے جانے کے

یوں پھر رہے ہیں جیسے کوئی بات ہی نہیں — ولہٗ — آلودہ میرے خون سے داماں کئے ہوئے

گذرتے بچ کے ہیں جوگی سے ہے خیال اُنھیں
گدائے حُسن ہے شاید سوال کر بیٹھے — جوگی

داستاں اُن کی اداؤں کی ہے رنگیں لیکن — اصغر — اِس میں کچھ خونِ تمنا بھی ہے شامل میرا

ایسے بگڑے کہ پھر جفا بھی نہ کی — حسرت — دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہوا

وہ شرمائی صورت وہ نیچی نگاہیں — ولہٗ — وہ بھولے سے اُن کا ادھر دیکھ لینا

سُرخیِ چشمِ یار سے ہے عیاں — ولہٗ — اثرِ مستیِ شبانہ ہنوز

ملتے ہیں اِس ادا سے کہ گویا خفا نہیں — ولہٗ — کیا آپ کی نگاہ سے میں آشنا نہیں

دیکھ اے ستمِ جاناں یہ نقشِ محبت ہیں — ولہٗ — بنتے ہیں بہ دشواری مٹتے ہیں بآسانی

کچھ خوش ہوئے عدو کی جو دیکھی مسرتیں — وحشت — افسوس کچھ کیا مزے حالِ تباہ پر

یہ تجاہلِ عارفانہ بھی ہے کتنا دلفریب — اثر لکھنوی — وجہ گریہ پوچھتے ہیں عاشقِ دلگیر سے

خدا گواہ ہے دل سے دعا نکلتی ہے　سیماب　وہ پیاری پیاری لبیں آج گالیاں

جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا مجھے　فانی　میں نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات

اس ادائے حجاب نے مارا　جگر مرادآبادی　چھپتے ہیں اور چھپا نہیں جاتا

مگر اُن کی محبت صاف پہچانی نہیں جاتی　ولہٗ　جگر وہ بھی تو سر تا پا محبت ہی محبت ہیں

چال پر تو ظالم کی سادگی برستی ہے　یاس　چتونوں سے ملتا ہے کچھ سراغ باطن کا

دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہوا　سہیل　دوستی کیا نباہینگے جن سے

رُخِ جاناں پہ دیکھی کشمکش شرم و تبسم کی
قیامت تھا نگاہِ آرزو کا گدگدا دینا　ولہٗ

جھکتے ہی اُس نظر کے یہاں چپ سی لگ گئی
تھے سب گلے بس اک نگہِ شرمسار تک　ولہٗ

کوئی دیوانہ ہو جائے بلا سے　عندلیب شادانی　اُنہیں آرائشِ گیسو سے مطلب

واہ اے مستِ ناز کیا کہنا　اثر صہبائی　ساری دنیا سے بے نیازی ہے

وہ مستی میں ڈوبی ہوئی نیم خوابی　احسان دانش　ابھی تک نگاہوں میں چھائی ہوئی ہے

رعنائیِ نوازشِ پنہاں کچھ اور ہے　روشن صدیقی　الطافِ برملا کی تو کیا بات ہے مگر

آپ کیوں تیور بدل کر رہ گئے　ناشاد کانپوری　تذکرہ تھا گردشِ ایام کا

عاشق کی ادائیں

بیخودی

شہ بے خودی نے عطا کیا مجھے اک لباس برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی — سراج

ان دنوں کچھ عجب ہے حال مرا — میر درد — دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہے

وہ گیا اٹھ کر جدھر کو میں ادھر حیران سا
اس کے جانے پر بھی کتنی دیر تک دیکھا کیا — جرأت

بے خودی بے سبب نہیں غالب — غالب — کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو — دلہ — اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

آج کل آپے سے باہر ہے نظام — نظام — کہیں محفل میں نہ بلوائیے گا

تو بھی آئے تو نہ اب آنکھ اٹھا کر دیکھے — امیر — اور ہی رنگ ہے اب تیرے تماشائی کا

یاران تیز گام نے منزل کو جا لیا — حالی — ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

ہنس رہا ہے دیر سے یہ کون تجھ کو دیکھ کر — عزیز — سر اٹھا اے دل سے باتیں کرنے والے سر اٹھا

وفور بے خودی میں رکھ دیا سر ان کے قدموں پر
وہ کہتے رہ گئے واصف یہ محفل ہے یہ محفل ہے — واصف

آزاد ہیں قید میں بھی حسرت — حسرت — ہم دل شدگان خود فراموش

بیخودی میں ہم تو تیرا در سمجھ کر جھک گئے طالب اب خدا معلوم کعبہ تھا کہ وہ بتخانہ تھا
وہ قصہ جو اب تک ہے اِک راز پنہاں حافظ سہارنپوری کہیں بیخودی میں بیاں ہو نہ جائے
مجھ کو احساسِ رنگ و بو نہ ہوا حبیب احمد صدیقی یوں بھی اکثر بہار آئی ہے

بے ہوشی

ترے بیمار کا یہ عالم ہے تعشق ہوش دو دو پہر نہیں آتا
ہوش کی مستیاں ارے توبہ جگر مرادآبادی ہوش کو ہوشیار کون کرے
وہ آئیں سامنے میں نظر بھر کے دیکھ لوں کمال اتنا تو ہوش اے دلِ دیوانہ چاہیئے

بے قراری و بے تابی

شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ

اے کہ می نالی زِ دوراں جورِ یارِ من نگر
اضطراب از من نگر صبر و قرارِ من نگر
چہ می پُرسی ربود از دل متاعِ صبر و تسکیں را
پریشاں کاکلے رنگیں ادائے محفل آرائے سالک

نہیں ہے تاب مجھے سامنے ترے جاناں سراج کہاں سراج کہاں آفتابِ عالمتاب
قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اُس گلی آبرو ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا
آج دل بیقرار ہے میرا عزلت کس کے پہلو میں یار ہے میرا
اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار میر یادِ ایام جب تحمل تھا

چشم رہتی ہے اب پُر آب بہت ولہٗ دل کو میرے ہے اضطراب بہت

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں ولہٗ حالت اک اضطراب کی سی ہے

نہ اُس کا وصل ہے ممکن نہ تاب ہے مجھ کو

شکوہ عجب طرح کا الٰہی عذاب ہے مجھ کو

کل کی رسوائی تجھے کیا بس نہ تھی اے ننگِ خلق

ضیا اُس کے کوچہ میں ضیا تو آج پھر جانے لگا

ہائے پنچھی بیقراری دل کی ہائے پنچھی ملئیے رے بے اختیاری دل کی ہائے

دن میں سَو سَو بار اُس کے روبرو جانا مجھے

ممنون اِس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے

اک لحظہ نہیں قرار جی کو مومن موت آئے بس ایسی زندگی کو

پھر مجھے لے چلا وہیں دیکھو ذوق دلِ خانہ خراب کی باتیں

پھر کچھ اب دل کو بیقراری ہے غالب سینہ جویائے زخمِ کاری ہے

برق نے اک طرزِ بیتابی مرا سیکھا تو کیا

سیکڑوں باتیں ہیں ایسی خاطرِ ناشاد میں

شیفتہ ضبط کرو ایسی بھی کیا بیتابی شیفتہ جو کوئی ہو تمہیں احوال سنانا دِل کا

ہائے وہ شیفتہ کی بیتابی ولہٗ تھام لینا وہ تیری محمل کو

نہ پوچھو شیفتہ کا حال صاحب ولہٗ یہ حالت ہے کہ اپنے میں نہیں ہے

نہ وہ نالوں کی شورش ہے نہ غل ہے آہ و زاری کا

مجروح وہ اب پہلا سا ہنگامہ نہیں ہے بیقراری کا

طلب کیسی بلانا کیا وہاں خود جا پہونچتے ہیں
اگر عالم یہی جب تک رہا بے اختیاری کا

دلِ بیتاب ایسا دھڑکے ہے   ولہٗ   جیسے بلبل قفس میں پھڑکے ہے

وہ مزہ دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب
میرے دونوں پہلوؤں میں دلِ بیقرار ہوتا   امیر

اک خُو سی ہوگئی ہے تحمل کی ورنہ اب   حالی   پہلا سا حوصلہ نہیں صبر و قرار کا

اگر قابو نہ تھا دل پر بُرا تھا   آسی   وہاں جانا سرِ محفل ہمارا

لاکھ گلے لگائیں وہ رنگ نہیں قرار کا   ولہٗ   موجۂ بوئے گُل ہوں میں اُن کے گلے کے ہار کا

خموشی سے مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہے   شاد   تڑپ اے دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے

بڑھی اس دل کی بیتابی یہاں تک   ریاض   ہمیں ہم ہیں زمیں سے آسماں تک

کون ایسا ہے بھلا اُس کا جگر دیکھیں تو   ولہٗ   یار ہو سامنے بیٹھے نہ اُدھر دیکھیں تو

میخانۂ ازل میں جہانِ خراب میں   اصغر   ٹھہرا گیا نہ ایک جگہ اضطراب میں

حال کُھل جائے گا بیتابیٔ دل کا حسرت   حسرت   بار بار آپ اُنھیں شوق سے دیکھا نہ کریں

تھی کبھی اُن کی یاد وجہِ سکون   ولہٗ   اب کسی حال میں قرار نہیں

یا تو کہتے نہ تھے فسانۂ دل   جلال الدین اکبر   یا مگر بار بار کہتے ہیں

مستی و جنون

باچنیں زورِ جنوں پاسِ گریباں داشتم
در جنوں از خود نہ رفتن کارِ ہر دیوانہ نیست   اقبال

بہار آخر ہوئی ہے اب تو سینے دے گریباں کو
یقیں کرتا ہے کوئی اس قدر دیوانہ پن بس کر — یقیں

رخصت اے زنداں جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے
مژدہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے — ذوق

جب رُکے پائے جنوں پھرنے لگا سر میرا — تسلیم — نہ ہوا کم کسی تدبیر سے چکر میرا

موت و حیات کا گذر عالمِ کیف میں کہاں
مستِ خمارِ بادۂ نرگسِ نیم باز ہوں

ان دنوں جوش جنوں ہے ترے دیوانے کو —— طوق و زنجیر لئے جاتے ہیں پہنانے کو

یہ جوش جنوں رنگ لانے لگا — بیخود دہلوی — گریباں تک اب ہاتھ جانے لگا

وحشت و دیوانگی

اُسی سج دھج سے مجنوں پھر سوئے ویرانہ آتا ہے
مبارک نجد یو کھویا ہوا دیوانہ آتا ہے

جی نہ آبادی میں لگتا ہے نہ ویرانے میں — ناسخ — ہے عجب رنگ کی وحشت ترے دیوانے میں

ہو سکے جب تک بیاباں دیکھ لیں — تسلیم — التفاتِ جوشِ وحشت پھر کہاں

کہ اُس کو ڈھونڈھتے ہیں کعبہ و بتخانہ برسوں سے — اصغر — خدا جانے کہاں ہے اصغرِ دیوانہ برسوں سے

سنا ہے ہوش میں ہے اصغرِ دیوانہ برسوں سے — جسے لینا ہو آ کر اُس سے اب درسِ جنوں لے لے

انتظار بہار کون کرے — جگر مرادآبادی — سوئے صحرا نکل چلے وحشی

خاموشی

خاموشیِ ما گشت بدآموز بتاں را ــــــ زیں پیش وگرنہ اثرے بود فغاں را

اب تک کسی پہ میری حقیقت نہ کُھل سکی ــ امیر ــ حرفِ نگفتہ ہوں سخنِ ناشنیدہ ہوں

خامشی عرضِ حال ہے شاید ــ ناز ــ میری صورت سوال ہے شاید

نہ جانے کتنی معنی خیز ہیں خاموشیاں میری ــــــ سُنی دُنیا نے سَو سَو رنگ سے اک داستاں میری

اسے صیاد نے کچھ، گُل نے کچھ بلبل نے کچھ سمجھا
چمن میں کتنی معنی خیز ہے اِک خامشی میری

کچھ نہ کہنا بھی کسی کے سامنے ــ نوح ناروی ــ اک طرح کا انکشافِ راز ہے

خواہاں ہیں چُپ کی داد کے ہم دردمندِ عشق
یہ تم نہ جاننا کہ شکایت نہیں رہی ــ آرزو لکھنوی

میں چُپ بیٹھا ہوا ہوں اور یہ معلوم ہوتا ہے
کہ جیسے کہ رہا ہے اک زمانہ داستاں میری ــ آسی الدنی

سادگی و سادہ دِلی

مرا بہ سادہ دلیہائے من تواں بخشید ــ نظیری ــ خطا نمودہ ام و چشمِ آفریں دارم

مرا بر سادہ لوحیہائے حزنی خندہ می آید ــ حزنی ــ کہ دارد چشمِ لطف از دلبرِ نامہربانِ من

مرا بر سادہ لوحیہائے فطرت خندہ می آید ــ فطرت ــ کہ عاشق گشتہ و چشمِ وفا از یار ہم دارد

سادگی دیکھ کہ بوسے کی ہوس رکھتا ہوں ــ مصحفی ــ جن لبوں سے کہ میسّر نہیں دُشنام مجھے

جان نہ کھائے وصل عدو سچ ہے سہی پر کیا کروں　مومن　جب گلہ کرتا ہوں ہمدم وہ قسم کھا جائے ہے

ٹپکتا ہے اشعار حالی سے درد　حالی　کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

وصل کا اس کے دلِ زار تمنائی ہے　ولہٗ　کہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے

بے محابا سوالِ وصل فصیح　فصیح　تجھ کو تو بات کر نہیں آتی

مان لیتا ہوں تیرے وعدے کو　جلیل　بھول جاتا ہوں میں کہ تو ہے وہی

بے تکلف اُسے خدا کہنا　اکبر حیدری　ہائے اس سادگی کا کیا کہنا

اُن کے تو دل سے نقشِ کدورت بھی مٹ گیا
ہم شاد ہیں کہ دل میں کدورت نہیں رہی　فانی

وہاں جفا ہی جفا رہ گئی ہے مدت سے　جوش　یہاں جفا پہ وفا کا گمان باقی ہے

نزاکتِ مزاج و طبعیت

نہ از خوئے رقیباں نے ز جورِ یار می ترسم ——— مزاجِ نازکے دارم ز خود بسیار می ترسم

کے توانم دید زاہد جامِ صہبا بشکند　سرخوش　می پرد رنگم حبابے گر بہ دریا بشکند

سرخوش لکھتے ہیں کہ شعر و سخن کی ایک مجلس میں اس شعر کی بڑی تعریف ہوئی اور ایک استاد نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "سبحان اللہ در ہند مردے پیدا شود کہ چنیں شعر میگوید"

مارا ہوائے گلشن و باغے نماندہ است　سید محمد جان آگاہ　اے بوئے گل برو کہ دماغے نماندہ است

لگتی ہے اب تو قلقلِ مینا سے دل کو ٹھیس　کلیم　وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

مانعِ صحرا نوردی پاؤں کی ایذا نہیں　ناسخ　دل دُکھا دیتا ہے لیکن ٹوٹ جانا خار کا

دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر　اکبر　لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا

وہ ہم نازک دلوں کو آنکھ دکھلائے تو کیا گذرے
وکانِ شیشہ گر میں مست آجائے تو کیا گذرے　　ولہٗ

غرور و استغنا

ہم کو وزیر سے نہ کسی شاہ سے غرض　　امیر　　اللہ کے فقیر ہیں اللہ سے غرض
مطلب خزاں سے کچھ نہ غرض ہے بہار سے　　ولہٗ　　دونوں سے مثل سرو ہیں دامن کشیدہ ہوں
مانا غرورِ عشق بھی اک چیز ہے مگر　　جگر　　اتنے بھی دور دور ترے آستاں سے کیا

رُتبۂ عاشق

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا　　قائم　　ہر مدعی کے واسطے دار و رسن نہیں

تم جو چاہو سو کہو میر کو چاہیں ہیں تمہیں
اور ہم لوگ تو سب اُن کا ادب کرتے ہیں　　میر

خاک ہوں پر تو تیا ہوں چشمِ مہر و ماہ کا
آنکھ والا رتبہ سمجھے مجھ غبارِ راہ کا　　راسخ

شاد عظیم آبادی " نوائے وطن " میں لکھتے ہیں :-

" جب شیخ راسخ اُن سے ملنے گئے تو میر صاحب نے کہلا بھیجا ' میاں کیوں ستانے آئے ہو ' جب شیخ صاحب نے ٹھیکری پر یہ شعر (شعر مندرجہ بالا) لکھ کر بھیجا تو فوراً گھر سے نکل آئے ' گلے لگایا ' اور کہا ' مزاج مبارک ! کہاں سے آئے ہو کیوں مجھ غریب کو سرفراز کیا " ؟

رتبۂ شہیدِ عشق کا گر جان جائیے آمیرؔ قربان جانے والے کے قربان جائیے
یہ فقط آپ کی عنایت ہے ——— ورنہ میں کیا مری حقیقت کیا

انداز

قتل گہ میں اپنے اپنے کام میں تھے حسن و عشق
اُس کی آنکھیں تیغ پر تھیں میری آنکھیں سوئے دوست

اسدؔ بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر غالبؔ

ہاں دیکھے کوئی دیکھنے والے کی نگاہیں ——— تجھ کو نگہ شوق سے جب دیکھ رہا ہو

ہوشیاری

گر کنند میل بخوباں دلِ من خوردہ مگیر سعدیؔ کیں گناہیست کہ در شہرِ شما نیز کنند
باز آ شیریں منہ در راہِ اُلفت گامِ خویش رضیہ سلطان شیریںؔ ہاں مگر نشنیدہ باشی قصۂ فرہاد را
نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند حافظؔ نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند
پنہاں زِ حاسداں بخورم مے کہ منعماں ولہٗ خیرِ نہاں زبہر رضائے خُدا کنند

کہیں کہیں اس شعر کو یوں بھی دیکھا ہے :

پنہاں ز حاسداں بدہی مے کہ منعماں خیرِ نہاں بسے زبرائے خُدا کنند

دونوں کے مفہوم میں کافی فرق ہے،

بہ ہر جا می روم اوّل حدیثِ نیکواں پُرسم شرفِ جہاں کہ حرفے آں مہِ نامہرباں را در میاں پُرسم

ترسم گر از محبت خویشش خبر کنیم — میلی — با خویش سر گرانیٔ او بیشتر کنیم

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں —— گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

خوش آنکہ پیشِ تو پرسند حالِ عرفی و او — عرفی — شکایتے بہ کنایت ز روزگار کنند

خدا چنیں آفریدست از برائے طرّہ و کاکل — ظہوری — نہ بہر آنکہ روز و شب کسے را در جبیں باشد

جفامی بینم و تابد نگوید ہیچ کس او را —— بہر کس میرسم عذرِ جفائے یار میگویم

دربزم از آں بہ پہلوئے خود جا دہد مرا —— تا راست سوئے او نتوانم نگاہ کرد

دل نیست کبوتر کہ چو برخاست نشیند —— از گوشۂ بامے کہ پریدیم پریدیم

خونِ مرا مریز کہ ترسم خجل شوی — اسد بیگ اسد — چوں ساقیٔ کہ ریختہ باشد شراب را

خونِ مرا بریز و شرابِ مرا مریز — ولہٗ — یک قطرہ زیں شراب بصد خوں برابر است

دوست می دارم من او را گرچہ با من دشمن است

ولہٗ

دشمن است امّا نہ بر آئین دشمن دشمن است

شمت ز نمکِ دعویٔ عشق است و گرنہ —— آں گونہ تواں زیست کہ جانانہ نداند

اگر ز بندگیٔ چوں منے ترا عار است —— تو زندہ باد خریدارِ بندہ بسیار است

می نویسم بر در و دیوار کویش حالِ خویش —— باشد آں را یار خواند یا کسے گوید بہ یار

چارۂ من جملہ دانایان می دانند لیک —— کس نمی گوید کہ من دانم نمی دانم چرا

ماجرائے بلبل و گل مشاہدِ احوالِ ماست — اندرام مخلص — از تو مخلص نالہ و از یار نشنیدن بس است

من از رنگیں ادائیہائے اشعارش گماں دارم — مظہر جانجاناں — کہ مظہر میل با رعنا جوانے میرزا دارد

مظہر تو دشمنِ خودی اے خانماں خراب — ولہٗ — دل می دہد بدستِ سپاہی پسر کسے

مشکل شد است کارِ دل از عشق و خوش دلم — حزیں — شاید رسد بہ خاطرِ مشکل پسندِ تو

این مصرعۂ لطیف چہ خوش گفت عاقلے — حسینہ — دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند

دوست دارم گرہے راکہ بہ کارم زدہ اند — غالب — کایں ہمانست کہ پیوستہ درابروئے تو بود

خواند بامّیدِ اثر اشعارِ غالب ہر سحر — ولہٗ — از نکتہ چینی در گذر فرہنگ و ادراکش نگر

می رُبایم بوسہ و عرض ندامت میکنم — ولہٗ — اختراعے چند در آدابِ صحبت میکنم

حدیثِ دل بہ زبانِ نگاہ می گویم — گرامی — زبانِ ما عجمی و نگاہِ ما عربی ست

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ — اقبال — عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

یہ فن کسے نہیں آتا کہ دل میں راہ کرے — فغاں — فغاں میں اُس کے تصدق کہ جو نباہ کرے

کس مُنہ سے میرے یار کے ہوتا ہے روبرو — میر حسن — چہرے کے داغ اپنے تو اے ماہتاب دیکھ

بہارِ عمر قائم ہے کوئی دن — قائم — اُسے جیوں گُل پیارے کاٹ ہنس کر

مر جائیے کسی سے پہ اُلفت نہ کیجئے — سودا — جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے — میر — سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم

چلا نہ اُٹھ کے وہیں پھر تو چپکے چپکے میر
ولہٗ
ابھی تو اُس کی گلی سے پکار لایا ہوں

پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
ولہٗ
اُن سے بھی تو پوچھئے تم اتنے کیوں پیارے ہوئے

ہند میں جتنے پری رو ہیں ہیں اُن کا یار ہوں — تاباں — ہوں تو دیوانہ پر اپنے کام میں ہشیار ہوں

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا
افتخار
سُرخ و سپید ماٹی کی مورت ہوئی تو کیا

تو جو بیدار یوں پھرے ہے خراب — بیدار — پاسِ ناموس و نام کچھ بھی نہیں

قتل سے یہ بے گنہ راضی ہے اپنے اس لئے — سوز — ہاتھ میں اک روز تو دامانِ قاتل ہوئیگا

تو نہ تھا حیف یقیں ورنہ دوانا ہوتا — یقین — آج اس طرح کا دیکھا ہے پریزاد کہ بس

شکوہ جفائے یار سے کرنا روا نہیں — ولہٗ — بندوں کو اعتراض خدا پر روا نہیں

خیال کیجئے کیا کام آج میں نے کیا — انشا — جب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجیئے — ولہٗ — زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں

غصے میں تیرے ہم نے بڑا لطف اُٹھایا — ولہٗ — اب تو عمداً اور بھی تقصیر کرینگے

عجیب لطف کچھ آپس کی چھیڑ چھاڑ میں ہے — ولہٗ — کہاں ملاپ میں وہ بات جو بگاڑ میں ہے

کچھ آرزو نہ تھی بُت و بُتخانہ دیکھنا — مصحفی — منظور تھا ہمیں رُخِ جانانہ دیکھنا

نخوت سے کوئی جو پیش آیا — ولہٗ — کج ہم نے کلاہ اپنی کر لی

کرتے نہیں جو داد تو بیداد کیجئے — ولہٗ — یعنی کسی طرح تو ہمیں یاد کیجئے

معشوقوں سے اُمیدِ وفا رکھتے ہو ناسخ — ناسخ — نادان کوئی دنیا میں نہیں تم سے زیادہ

نہ اپنے چھوٹنے کی کس طرح تدبیر میں رہیئے — میر شبیر علی جرأت — بہار آئی ہے کیوں کر خانۂ زنجیر میں رہیئے

مہاراجہ چندو لال شاداں

چھپ کے اُن کو دیکھنا چاہیں تو دیکھیں کس طرح — دیکھنے کوئی نہ دیکھے ہم کو ڈر یہ بھی تو ہے

ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا — مومن — جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

محبت میں کسی کی کیا شکایت — تسکین — جو ہونا آ رہا ہے ہو رہا ہے

تیغ تو اوچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ سے — ذوق — دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

جو پاسِ مہر و محبت یہاں کہیں بکتا — ولہٗ — تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہرباں کے لئے

میں دعا سے ہاتھ اُٹھاؤں وہ جفا سے باز آئیں — برق — عشق کی یہ خو نہیں وہ حسن کی فطرت میں ہے

کوچۂ عشق کی راہیں کوئی ہم سے پوچھے   صبا   خضر کیا جانیں غریب اگلے زمانے والے

جی چاہتا ہے صانعِ قدرت پہ ہوں نثار   امانت   بُت کو بٹھا کے سامنے یادِ خدا کروں

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں   غالب   اُٹھیے بس اب کہ لذّتِ خوابِ سحر گئی

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی   اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

سر پائے خُم پہ چاہیئے ہنگامِ بیخودی   ولہٗ   رُو سُوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیئے

سیکھے ہیں مہ رُخوں کے لئے ہم مصوری   تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیئے

ہم سے پوچھیں کہ اسی کھیل میں کھوئی ہے عمر   شیفتہ   کھیل جو لوگ سمجھتے ہیں لگانا دل کا

اظہارِ عشق اُس سے نہ کرنا تھا شیفتہ   ولہٗ   یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم   ولہٗ   کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا

بچتے ہیں اِس قدر جو اُدھر کی ہوا سے ہم   ولہٗ   واقف ہیں شیوۂ دلِ شورش ادا سے ہم

اس نوبہارِ حُسن کو بدنام مت کرو   ولہٗ   تھی شیفتہ کے پہلے سے شورش دماغ میں

تو بھی اُس شوخ سے واقف ہے بتا کچھ تو نظام
مجھ سے دل مانگے تو انکار کروں یا نہ کروں   نظام

رُوٹھ کر اُن سے ہو بیٹھے کس توقع پر نظام
ہوش میں آؤ وہ آئینگے منانے کے لئے!   ولہٗ

بیگانگی کا پان بھی لینا نہیں قبول   منیر   دستِ ادا سے زہر بھی کھانا قبول ہے

مارا تو ہاتھ آپنے دُشمن کے ہاتھ پر   ولہٗ   کیسی لگی ہے چوٹ مرے دل سے پوچھیے

بتوں پر دل و جاں فدا کر رہے ہیں   سرسید   بنارس میں یادِ خدا کر رہے ہیں

نکلے اب کوئی نو راہِ پرورش   امیر   بندہ پرور اک نگاہِ پرورش

وہ مجھے دیکھ کے ہنس دیتے ہیں — قدر — آنکھ چھپتی ہی نہیں یاری کی

گر میرے بتِ ہوشربا کو نہیں دیکھا — داغ — اس دیکھنے والے نے خدا کو نہیں دیکھا

حضرتِ دل آپ ہیں جس دھیان میں — ولہٗ — مر گئے لاکھوں اِسی ارمان میں

بُت کو بُت اور خدا کو جو خدا کہتے ہیں
ہم بھی دیکھیں کہ تجھے دیکھ کے کیا کہتے ہیں — ولہٗ

کہئے تو کہوں انجمنِ غیر کی روداد — ظہیر — کیا اب بھی اسے آپ کرامت نہ کہینگے

کیوں چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے — حالی — پوچھینگے ہم سبب تو بتایا نہ جائیگا

بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ — ہم وہ نہیں کہ ہم کو منایا نہ جائیگا

اب بھاگتے ہیں سایۂ عشقِ بتاں سے ہم — ولہٗ — کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسماں سے ہم

نہ آئینہ کا قصہ ہے نہ حالِ شانہ کہتے ہیں — شاد عظیم آبادی — حقیقت میں جمالِ یار کا افسانہ کہتے ہیں

بھول جائینگے خدائی کا مزہ میرے بعد — ریاض — یاد آئیگا بتوں کو بھی خدا میرے بعد

پارسائی کا یقیں غیر کو دلواتے ہیں — ولہٗ — اور جو بے ساختہ آجائے تبسم مجھ کو

کہیں کہیں دوسرا مصرعہ یوں بھی دیکھا ہے :-

کہیں بھولے سے نہ آجائے تبسم مجھ کو

کام لیتے وہ کرم سے تو ستم ہو جاتا — ولہٗ — خیر گذری کہ پڑا کام ستم سے پہلے

وہ کیا سمجھ سکینگے نشیب و فرازِ دہر — ثاقب لکھنوی — جو چل رہے ہیں راہ کو ہموار دیکھ کر

حسینوں سے فقط صاحب سلامت دور کی اچھی
نہ اُن کی دشمنی اچھی نہ اُن کی دوستی اچھی — حفیظ جونپوری

آئینہ میں کیا چیز ابھی دیکھ رہے تھے — جلیل — پھر کہتے ہو اللہ کی قدرت نہیں دیکھی

دفعتاً ترکِ تعلق میں بھی رسوائی ہے — آرزو لکھنوی — اُلجھے دامن کو چھڑاتے نہیں جھٹکا دے کر

چاہ نے اندھا کر رکھا ہے اور نہیں تو دیکھتے ہیں
آنکھیں آنکھیں سب ہیں برابر کوئی نرالی آنکھیں ہیں — ولہٗ

ہنس ہنس کے جو ہر بات کو افسانہ بنا دے — ولہٗ — وہ تو جسے چاہے اُسے دیوانہ بنا دے

جبینِ شوق کی شوریدگی کو کیا کہئے — اصغر — وگرنہ عشوہ طرازیِ نقشِ پا معلوم

یکایک توڑ ڈالا ساغرِ مے ہاتھ میں لے کر — ولہٗ — مگر ہم بھی مزاجِ نرگسِ رعنا سمجھتے ہیں

خدا توفیق دیتا ہے جنہیں وہ یہ سمجھتے ہیں — افسر — کہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے بنا کرتی ہیں تقدیریں

اور بھی دُکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا — حسرت — راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

اِس سلیقہ سے کیا ذبح کہ دامن اُن کا — ولہٗ — خونِ عشاق سے گلنار نہ ہونے پایا

ہر چند اس میں آپ ہی بدنام کیوں نہ ہوں
باز آئینگے نہ وہ میرا چرچا کئے بغیر

لازم ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل — اقبال — لیکن کبھی کبھی اُسے تنہا بھی چھوڑ دے

سُن بھی لیتا ہے حالِ دل وہ شوخ — جوہر — آتے ہوں ڈھب اگر سنانے کے

اُن کو سمجھاتا ہے جو آتے ہیں سمجھانے کو — اثر لکھنوی — کون دیوانہ کہے گا ترے دیوانے کو

نہ کر شکوہ ہماری بے سبب کی بدگمانی کا — ولہٗ — محبت میں ترے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے

اک بات بھلا پوچھیں کس طرح مناؤ گے — ولہٗ — جیسے کوئی روٹھا ہے اور تم کو منانا ہے

بتوں کا ذکر کرتے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں — رواں — فرشتے بھی نہیں کرتے جو آدم زاد کرتے ہیں

تجھے آزاد یوں درویش کامل کون مانے گا
جہاں سے ہو جریب و جُبّہ و دستار پیدا کر — آزاد انصاری

کافر کہا جو شیخ نے یاد آگئی نماز　طالب　سجدے کئے ہزار ترے در کے سامنے

اونچے اونچے مکاں بھی دیکھ لئے　امجد　گوشۂ عافیت کہیں نہ ملا

سمجھ کر ذرا تیز گامِ محبت　مجذوب　مقام ادب ہے مقامِ محبت

غلط انداز نظریں ہیں سوئے دوست　مسعود　نظر بازوں کی ہشیاری تو دیکھو

کچھ اور مانگنا مرے مذہب میں کفر ہے　سراج لکھنوی　لا اپنا ہاتھ دے مرے دستِ سوال میں

کسی کا کون ہوا عمر بھر مگر پھر بھی
یہ حسن و عشق تو دھوکا ہے سب مگر پھر بھی　فراق گورکھپوری

بہت لطیف ہیں کیفیتیں محبت کی　احسان اعظم گڑھی　وہ بوالہوس ہے جو کرتا ہے جیب و دامن چاک

ناداں سہی پر اتنے بھی ناداں نہیں ہیں ہم
خود ہم نے جان جان کے کتنے فریب کھائے　عندلیب شادانی

لذت ہے بہت حسن کی بیداد میں لیکن　جعفر بہار پوری　یہ شیوۂ فریاد ہے معلوم نہیں کیوں

کرم شریکِ ستم کیوں ہوا سنبھل اے دل　ولہٗ　کہ تیرے گام کو لغزش تو امتحاں میں نہیں

عیش و نشاطِ دہر سے جعفر ہوں بہرہ مند
لیکن خیالِ پرسشِ عقبیٰ لئے ہوئے　ولہٗ

لطفِ دوامِ دوست میں بھی وہ مزہ کہاں　ولہٗ　روحِ نشاط بزمِ مختصر میں ہے

بہزاد ذرا سوچو اور عقل کے ناخن لو　بہزاد　اس نقش پہ مرتے ہو جو نقش کہ فانی ہے

بہت مشکل ہے دنیا کا سنورنا　جذبی　تری زلفوں کا پیچ و خم نہیں ہے

عین راحت ہے ستم بھی جو کرم ہو شامل
لطف کے ساتھ ہو بیداد تو بیداد نہیں　اثر بدایونی

محبت کو سب کچھ سمجھ لینے والے — انجم فوقی — محبت سے اونچی بھی اک زندگی ہے

ہمّت و عالی حوصلگی

ہیچ کس بے دامن تر نیست اما دیگراں — سعدی — باز می پوشند و ما در آفتاب افگندہ ایم

محبت گرچہ نامِ بے نشاں ہست — نیاز سے عرض کن بر نازنینے

زاہد برو کہ طالع اگر طالعِ من است — حافظ — جامم بدست باشد و زلفِ نگار ہم

دو عالم را بیک بار از دلِ تنگ — بروں کردیم تا جائے تو باشد

خدایا از عزیزاں منتِ بیہودہ کہ برتابد — جدا از خانماں دور از دیارم می توان کُشتن

کسے بہ ہر نامحرمے چاکِ جگر خواہم نمود — کلیم — من کہ زخمش را نہاں از چشمِ سوزن داشتم

اے بُت ار نیر زنی بر جگرم ہر بارے — از جگر برکشم و باز بدستِ تو دہم

کہاں ہے آج یارب جلوۂ مستانۂ ساقی — ولی — کہ دل سے تاب، جی سے صبر، سر سے ہوش لیجائے

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر — میر درد — مگر یہ زندگیِ مستعار رکھتے ہیں

نہیں آشنا نہ تیغ سے اس کی کمر ہنوز — ہم تب سے ہاتھ پر لئے پھرتے ہیں سر ہنوز

حکیم قدرت اللہ خاں قاسم

جان جائے یا رہے قاسم پہ دیکھیں گے اسے

ہے ارادہ یہ مصمم دیکھئے کیسی بنے

جانِ سمندر و دلِ پروانہ دے مجھے — آتش — اے سوزِ عشق ہمتِ مردانہ دے مجھے

پھینک دوں دل کو ابھی چیر کے پہلو اپنا — رند — تجھ پہ قابو نہیں دل پر تو ہے قابو اپنا

پہلا مصرعہ کہیں کہیں یوں بھی دیکھا ہے :۔ پھینک دونگا میں اسے چیر کے پہلو اپنا

کہے ہے خنجرِ قاتل سے یوں گلو میرا — ذوقؔ — کمی جو مجھ سے کرے تو پئے لہو میرا

زخمِ دل کے دیکھنے کو دل تو وہ پیدا کریں

ہم تو اُن کے سامنے رکھ دیں کلیجہ چیر کے

بلائیں زُلفِ جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے — ظفرؔ — بلا یہ کون لیتا اپنے سر لیتے تو ہم لیتے

سوچتے کیا ہو مرے قتل کو میاں بسم اللہ

کھینچ کر تیغ لگا بیٹھیے ہاں بسم اللہ — اخترؔ

تیر پہ تیر لگاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے — سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے

پڑا فلک کو ابھی دل جلوں سے کام نہیں — داغؔ — نہ اس میں آگ لگا دوں تو داغ نام نہیں

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری — ولہٗ — غیر کی ہو کے رہے یا شبِ فرقت میری

آرام طلب ہوں کرم یار کے طالب — ولہٗ — یوں مفت میں لٹتی نہیں بیداد کسی کی

جو رہِ عشق میں قدم رکھے — ولہٗ — وہ نشیب و فراز کیا جانے

لاؤ تو قتل نامہ ذرا میں بھی دیکھ لوں — ولہٗ — کس کس کی مہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی (قاضی کا حکمنامہ)

طریقِ ظلم اور ایجاد کیجے — ثروتؔ — مجھے اچھی طرح برباد کیجے

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے

اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے — اصغرؔ

لڑے یا نہ اپنا مقدر لڑے — بے نظیر شاہ — لڑا دیں گے ظالم مگر جان ہم

گریۂ رنگیں کو وجہ زیبِ داماں کیجیے — حسرتؔ — آہِ سوزاں کو چراغِ خانۂ جاں کیجیے

دعوئ عاشقی ہے تو حسرت کرو نباہ — ولہٗ — یہ کیا کہ ابتدا ہی میں گھبرا کے رہ گئے

کشتی کو اہلِ عزم نے طوفاں میں ڈال کے — شمس عظیم آبادی — موجوں کے درمیان میں ساحل بنا دیا

رنجِ سفر کو راحتِ منزل بنا دیا بیدلؔ عظیم آبادی یوں ہم نے موج کو لبِ ساحل بنا دیا

پاسِ یار

اندکے با تو بگفتم غمِ دل ترسیدم ـــــــ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

جو گذری ہم پہ مت اُس سے کہو ہوا سو ہوا
بلاکشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
کہیں نہ ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر سوداؔ
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

پہلے سو بار اِدھر اُدھر دیکھا میر اثرؔ جب تجھے ڈر کے اک نظر دیکھا

کئے ہیں شکر کے سجدے جفائے یار پر کیا کیا
رہا ہے دل مرا راضی رضائے یار پر کیا کیا آتشؔ

ہم نکالینگے سُن اے موجِ ہوا بل تیرا مومنؔ اُس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہونگے

شکایت دوست کر سکتے ہیں تیری کر نہیں سکتے
کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے ایسا ہو نہیں سکتا داغؔ

قضا کا نام لیں تقدیر کو روئیں مجھے کوسیں
مرے قاتل کا چرچا کیوں ہے میرے سوگواروں میں ولہ

جامۂ احرام یا زنّارِ دیر مضطر شاہجہانپوری تیری خاطر سب مجھے منظور ہے

دیکھنا بھی تو اُنھیں دُور سے دیکھا کرنا حسرتؔ شیوۂ عشق نہیں حُسن کو رسوا کرنا

معشوق سے خطاب

مرغِ چو ہمائے دلِ من گشت اسیرت — شفائی — شکرانۂ ایں صید تہی کن قفسے چند

وفا آموختی از من بکارِ دیگراں کردی — ربودی گوہرے از ما نثارِ دیگراں کردی

ہزار جانِ گرامی بسوخت زیں غیرت — کہ ہر صباح و مسا شمعِ مجلسِ دگری

بھر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — من اندازِ قدت را می شناسم

مرنجاں دلم را کہ ایں مرغِ وحشی — ز جائے کہ برخاست مشکل نشیند

بہ تیغ ادائے تو سر می فروشم — ساحر — بہ نوکِ سنانت جگر می فروشم

مرا بہ نیم نگہ می تواں تسلی کرد — ہزار حیف کہ ایں شیوہ را نمی دانی

خراب بادۂ سرجوش کردۂ ما را — ظہوری — بہوش باش کہ بیہوش کردۂ ما را

با کفر و ایماں ساختم با آذری پرداختم — من قبلۂ خود ساختم محرابِ ابروئے کسے

بجرمِ عشق توام می کشند غوغائیست — مظہر جانجاناں — تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

اگر ز بندگیٔ چوں منے ترا عار است — ولہٗ — تو زندہ باش خریدارِ بندہ بسیار است

سر کنم گریہ اگر تابِ شنیدن داری — سینہ بشگافم اگر طاقتِ دیدن داری

نہ جیا تیری چشم کا مارا — سوداؔ — نہ تری زلف کا بندھا چھوٹا

بے جرم و گناہ قتلِ عاشق — ولہٗ — مذہب میں ترے ثواب دیکھا

سوداؔ گرفتہ دل کو نہ لاؤ سخن کے بیچ — ولہٗ — چوں غنچہ سو زباں ہیں اُس کے دہن کے بیچ

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی — ولہٗ
اے خانہ بر اندازِ چمن کچھ تو ادھر بھی

سودا کو جرم عشق میں کرتے ہیں آج قتل ولہٗ پہچانتا ہے تو یہ گنہگار کون ہے

جفائیں دیکھ لیاں کج ادائیاں دیکھیں میرؔ بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں

مدعی مجھ کو کھڑے صاف برا کہتے ہیں ولہٗ چپکے تم سنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہیں

وہ گل کو خوب کہتی تھی میں اُس کے رُو کی تئیں
بلبل سے آج باغ میں جھگڑے بڑے رہے ولہٗ

مرزا محمد علی فدوی

ہم کو تو وفا سے نہیں اے یار گزرنا پر تو بھی جفا سے نہ ستمگار گزرنا

لگے منہ بھی چڑھانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا آتش

آتش نے اس شعر پر اپنے استاد مصحفی کے سامنے فخر کیا، استاد نے ایک نومشق لڑکے کی غزل میں یہ شعر اضافہ کرکے مشاعرہ میں غزل پڑھوا دی :ـــ

نہ ہو محسوس جو شے کس طرح نقشے میں ٹھیک اترے
شبیہ یار کھچوائی کمر بگڑی دہن بگڑا

آتش کو بے حد صدمہ ہوا اور استاد سے شکوہ سنج ہوئے، مگر اب کیا ہو سکتا تھا

کشتہ ہم بھی تیری نیرنگی کے ہیں یاد رہے
او زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے آتش

اُلٹی سیدھی یہ گفتگو کیا ہے ظفرؔ تجھ کو منظور جنگجو کیا ہے

ہم رہے یاں تک تری خدمت میں سرگرم نیاز
تجھ کو آخر آشنائی نے نازیبا کردیا غالب

تجھ سے کچھ کہنے کو تھا بھول گیا | نظام | ہائے کیا بات تھی کیا بھول گیا

بدنام کون ہوگا اگر مر گیا نظام | ولہٗ | تم جانتے ہو کوئی اُسے جانتا نہیں

ڈرتے نہیں ہیں آپ مری آہِ سرد سے | مشتری | شاید کسی سے آپ کو پالا نہیں پڑا

تم دُکھاتے تو ہوا میر کا دل | امیر | اور جو وہ کوئی آہ کر بیٹھے

کہنے دیتی نہیں کچھ مُنہ سے محبت تیری | داغ | لب پہ رہ جاتی ہے آ آ کے شکایت تیری

بات کرنی تک تمہیں آتی نہ تھی | ولہٗ | یہ ہمارے سامنے کی بات ہے

آؤ مٹا بھی دو خلشِ آرزوئے قتل | حالی | کیا اعتبار زندگیٔ مستعار کا

ہنس کر رلا دیا کبھی رو کر ہنسا دیا | —— | اے فتنہ ساز دونوں ہیں تجھ کو کمال ہے

کچھ رحم کرتی ہے شبِ فرقت میں تیری یاد | —— | کچھ مہربان ہجر میں تیرا خیال ہے

ابھی تو طفلِ دبستاں ہو تم کو کیا معلوم | —— | وفا وفا نہ کرو دہر میں وفا معلوم

دل دے کے ہم نے آپ کو دلبر بنا دیا | —— | اتنا ستم سہا کہ ستمگر بنا دیا

ظلم ہم پر ذرا سمجھ کے کرو | —— | اے بتو بندۂ خدا ہیں ہم

تم ظلم چھوڑ دیتے ہم ترکِ آہ کرتے | —— | کچھ تم نباہ کرتے کچھ ہم نباہ کرتے

آپ سراپا صدق و صفا ہیں آپ مجسم مہر و وفا
دُھن کے پورے بات کے پکے مان گئے ہاں مان گئے

غم مجھے دیتے ہو اوروں کی خوشی کے واسطے
کیوں بُرے بنتے ہو تم ناحق کسی کے واسطے — ریاض

اِس تغافل پر بھی کرتے ہیں تجھی کو یاد ہم
کتنے ہیں مجبور دیکھو او بانیٔ بیداد ہم — حسرت

ربط باہم کی ہو کیا شکل کہ آگاہ نہیں — حسرت — دلِ رنجور سے تم خاطرِ مسرور سے ہم

جس نے ہنگامہ عدالت کا تری دیکھا ہے — جوہر — اُس گنہگار کو اک روز جزا اور سہی

کیونکر کہوں زباں سے تو مہرباں نہیں — جگر بریلوی — لیکن مرا نصیب کہ میں شادماں نہیں

بُت کافریہ واضح ہو خُدا بھی اپنے بندوں پر
فقط ظلم و ستم کرکے خُدائی کر نہیں سکتا — آزاد انصاری

تو اور چشمِ لُطف نئی واردات ہے — ولہٗ — میری نگاہ نے مجھے دھوکا دیا نہ ہو

تو اور پاسِ خاطرِ اہلِ وفا کرے — ولہٗ — اُمید تو نہیں ہے مگر ہاں خدا کرے

آپ اچھے ہی سہی بیخود نکمّا ہی سہی — بیخود موہانی — آپ اگر ایسا ہی کہتے ہیں تو ایسا ہی سہی

ہم بھی آخر خُدا کے بندے ہیں — جوش — کوئی حد بھی ہے او ستم ایجاد

اک ہم کہ خاک ہو کے بھی تم پر ہوئے فدا
اک تُم کہ خاک کرکے بھی دامن کشاں رہے

سرخوشی اپنی جگہ اچھی ہے غم اپنی جگہ ——— یعنی تم اپنی جگہ اچھے ہو ہم اپنی جگہ

سوال و جواب

گفتم کہ روشن از قمر گفتا کہ رُخسارِ من است
گفتم کہ شیریں از شکر گفتا کہ گفتارِ من است
گفتم کہ مرگِ عاشقاں گفتا کہ دردِ ہجرِ من — خسرو
گفتم علاجِ زندگی گفتا کہ دیدارِ من است

گفتم کہ حوری یا پری گفتا کہ من شاہِ بتاں — گفتم کہ خسرو بینوا گفتا پرستارِ من است

ازحسن ایں چہ سوال است کہ معشوقِ تو کیست

این سخن راچہ جواب است تو ہم میدانی — حسن

گفتم بیا بوعدہ وفا کن جوابِ داد — میلی — خوش بر فریبِ وعدۂ ما دل نہادہ

کہیں کہیں پہلا مصرعہ یوں بھی دیکھا ہے :ـ

'گفتم بیا و وعدہ وفا کن جوابِ داد'

رنجیدنِ ز بزمِ تو رفتن گناہِ من — قیدی — ساغر ز دستِ غیر گرفتن گناہ کیست

گفتم اے مہ بارقیبِ روسیہ کمتر نشیں — مخفی — زیر لب خندید و گفت او نیز می گوید چنیں

بیخود بوقتِ ذبح تپیدن گناہِ من — غالب — دانستہ دشنہ تیز نکردن گناہِ کیست

ایک کرم فرما کو پہلا مصرعہ یوں پڑھتے سنا ہے :ـ

گیرم بوقتِ ذبح تپیدن گناہ من

گفتمش سوختم در آتشِ عشق — ادیب نیشاپوری — گفت اگر عاشقی بسوز و بساز

قشقہ چو دیدم بر رخش گفتم کہ یہ کیا دیت ہے

گفتا کہ دُر اے باورے اس مُلک کی یہ ریت ہے

ہمنا تمن کو دل دیا تمنا ہمن کو دکھ دیا — شیخ مخدوم بخش سعدی

ہم یہ کیا تم وہ کیا ایسی بھلی کیا ریت ہے

مستِ شراب بندِ قبا وا کئے ہوئے — فدا — پوچھا میں اس طرح سے چلے ہو کہاں میاں

کہنے لگا کے تیغ کو غصے سے ہاتھ میں — سنتا ہے بے یہ کون زباں ہے میاں میاں

میں نے تم کو دل دیا تم نے مجھے رسوا کیا — سودا — میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھ سے کیا کیا

ایک دن آگیا کچھ جی میں سو مجھ سے پوچھا — ضیا — کہ ضیا ہیگا کسو کا تو خراب البتہ

نواب آصف الدولہ آصفؔ

میں پوچھا اُس سے کچھ تجھ میں وفا ہے — تو مُڑ کر دیکھ کر ہنس کر کہا ہے

اُس گلرو نے یہ ہم سے کہا کیا مستی اور مدہوشی ہے
نا دھیان ہمیں کچھ چولی کا نا ہوش تمہیں کچھ دامن کا
جب ہم نے نظیرؔ اس گلرو سے یہ بات کہی اُس دم ہنس کر — نظیرؔ اکبرآبادی
کیا پوچھے ہے اے رنگ بھری ہے مست مہینہ پھاگن کا

کل اُس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش — ولہٗ — کہ اب تو آپ بھی کچھ لب کو کھولئے صاحب
یہ سُن کے میں نے نظیرؔ اُس سے یوں کہا ہنسکر — جو کوئی بولے تو البتہ بولئے صاحب

جب کہا حیرت ہے میں تم پر فدا تم غیر پر
ہنس کے بولے اپنے اپنے دل کے آجانے کی بات — صفیرؔ

رات اُن کو بات بات پہ سَو سَو دئے جواب — حالیؔ — مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا

اُنھیں کبرِ حُسن کی نخوتیں مجھے فیضِ عشق کی حیرتیں
نہ کلام ہے نہ پیام ہے نہ سوال ہے نہ جواب ہے — آسی غازیپوری

کچھ کٹی ہمتِ سوال میں عمر — فانیؔ — کچھ اُمیدِ جواب میں گذری

راز و نیاز

فَقُلْتُ الْوَعْدُ سَیِّدَتِی فَقَالَتْ — ابونواس — کَلَامُ اللَّیْلِ یَمْحُوْهُ النَّهَارُ

یہ شعر ابو نواس کے ایک مشہور قطعہ کا آخری شعر ہے، اس قطعہ کی شانِ نزول یوں بیان کی جاتی ہے کہ ہارون الرشید کو شبستانِ عیش میں ایک کنیز مخمور نظر آئی جس کے سر سے بدمستی میں دوپٹہ گر گیا تھا

اور نظر قریب حالت پیدا ہو گئی تھی، ہارون الرشید نے کچھ اور چاہا، کنیز نے کہا کل، دوسرے دن ہارون الرشید نے ایفائے وعدہ کا تقاضا کیا، کنیز نے کہا ' کَلَامُ اللَّیلِ یَمْحُوْہُ النَّھَار ' یعنی رات گئی اور رات کے ساتھ رات کی بات گئی، ہارون الرشید نے دربار میں آکر شعرا کو طلب کیا اور حکم دیا کہ اس مصرع پر مصرع لگائیں، ابو نواس نے برجستہ اپنا قطعہ کہا، شعر مندرجہ بالا کا ترجمہ فارسی میں نظام الملک نے کیا ہے، اُن کا شعر بھی سن لیجئے : ؎

گفتمش اے وعدۂ دوشین خود را کن وفا
گفت نشنیدی کَلَامُ اللَّیلِ یَمْحُوْہُ النَّھَارُ

اُردو میں اسی مضمون کو ایک شاعر نے یوں ادا کیا ہے : ؎

؎ رات کی بات کا مذکور ہے کیا
چھوڑیئے رات گئی بات گئی

دشوار نمائی رُخ و دشوار دہی بوس	رودکی	آساں بربائی دل و آساں ببری جاں
نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت	عراقی	سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی
اے مسلماناں بفریادم رسید	سعدی	کاں مسلمانے بیوفائی میکند
یار من اوباش و قلاش است و رند		لیک با من پارسائی میکند
بوسۂ از لبِ جاں بخش بدہ یا بستاں	ولہٗ	کایں متاعیست کہ بخشند و بہانہ نکنند
گر بر سر و چشم من نشینی	ولہٗ	نازت بکشم کہ نازنینی
تو شبیہہ می نمائی بہ کسے کہ بودی امشب	خسرو	کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

محبوب الٰہی کی آنکھیں شغلِ باطن اور شب بیداری کی وجہ سے سُرخ رہتی تھیں، انھیں خمار آلودہ آنکھوں کی کیفیت دیکھ کر امیر خسرو نے یہ شعر کہا تھا، اس شعر کے متعلق ایک لطیفہ ملاحظہ ہو، جہانگیر

کے سامنے قوال نے یہ شعر گایا، جہانگیر چیں بجبیں ہوا، اُس کے نزدیک معیوب تھا کہ عاشق معشوق سے اس قسم کے خیال کا اظہار کرے کیونکہ غیرت اس کی تاب نہیں لاسکتی، مُلّا نقشی نے یہ رنگ دیکھا تو توجیہہ کی اور عرض کیا "جہان پناہ! ہندوستان میں عاشق عورت ہوتی ہے، اس شعر میں خسرو نے اسی خیال کا اظہار کیا ہے" یہ سن کر جہانگیر کے ماتھے کے بَل دور ہوئے،

جاں زتن بُردی وجانانی ہنوز　　ولہٗ　　دردہا دادی و درمانی ہنوز

ولہٗ
من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اکبر کی حرم سرا میں ایک کنیز تھی، نام نادرہ تھا، اکبر نے ایک دفعہ اُسے انار کلی کہ کر پکارا، اس وقت سے وہ اسی نام سے موسوم ہوگئی، سلیم کو اس سے محبت ہوگئی، اس کا پتہ اکبر کو لگ گیا، پتہ یوں لگا کہ ایک روز محفلِ رقص و سرود گرم تھی، اکبر بھی موجود تھا اور سلیم بھی، انار کلی نے گانا شروع کیا، جب شعر متذکرہ بالا پر پہنچی تو ضبط نہ ہوسکا اور دامنِ احتیاط ہاتھ سے چھوٹ گیا، اکبر نے اس منظر کو دیکھا اور معاملہ کی تہ تک پہنچ گیا، انار کلی معتوب ہوئی، سلیم عتاب سے اُسے گلوخلاصی نہ دلوا سکا، اسی حالت میں انار کلی نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی، اس واقعہ کو مدت گذر گئی، سلیم اب جہانگیر ہو چکا ہے اور انار کلی کو بھول چکا ہے، ایک روز اسے ایک باغ میں ٹہلنے کا اتفاق ہوا، ایک کلیوں سے لدے ہوئے انار کے درخت کے نیچے ایک قبر نظر آئی، مالی سے دریافت کیا کس کی قبر ہے، مالی نے کہا، انار کلی بیگم کی، گذشتہ واقعات اس کے سامنے آگئے، دوسرے روز منتظم تعمیرات کو حکم دیا

کہ انارکلی بیگم کی قبر پر ایک خوبصورت مقبرہ تعمیر کر دیا جائے، تعویذ قبر پر یہ شعر لکھوایا گیا: ؎

تا قیامت شکر گویم کردگارِ خویش را
آہ گر یک بار بینم روئے یارِ خویش را

قبر لاہور میں اب تک موجود ہے،

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ او لئیم
تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے
غالب

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی — حافظ — جواب تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

قند آمیختہ با گُل نہ علاجِ دلِ ماست — ولہٗ — بوسۂ چند بیامیز بہ دشنامے چند

آنکہ پامالِ جفا کرد چو خاکِ راہم — ولہٗ — خاک می بوسم و عذرِ قدمش میخواہم

بہ تمنائے تو ترکِ دو جہاں کرد ولی — ولی — مہربانیِ تو ہم درخورِ آں می بایست

بہرِ تو شنیدہ ام سخنہا — ولہٗ — شاید کہ تو ہم شنیدہ باشی

تو بہ کارِ کسے نمی آئی
بہ کنارِ کسے نمی آئی
بچہ امید می تواں مردن
بہ مزارِ کسے نمی آئی

گشت بیمارِ دل از رنج و غمِ تنہائی — خانخاناں — اے طبیبِ دلِ بیمار چہ می فرمائی

گرچہ می دانم قسم خوردن بجانت خوب نیست — نظیری — ہم بجانِ تو کہ یادم نیست سوگندے دگر

از یک حدیثِ لطف کہ آں ہم دروغ بود — ولہٗ — امشب ز دفترِ گلہ صد باب شستہ ایم

از من متاب رو کہ نیم بے تو یک نفس — جہانگیر — یک دل شکستنِ تو بصد خوں برابر است

امروز عیاں شد که نداری سرِ اهلی — اهلی — بیچاره غلط داشت بلطفِ تو گمانها

گر نیم مائلِ رخسارِ تو حیرانی چیست — امانی — ورندارم سرِ زلفِ تو پریشانی چیست

حسنِ تو زیورِ تو بس است ایں قدر چرا — نسبتی — بر گوش و سینه زحمتِ زیور نهاده

چه بری تو نامِ دشمن به بهانهٔ شکایت — ولهٗ — گله گر مراد داری گِله کن ولے زِ ما کن

هم اینجا صلح کن با ما چه لازم — صائب — که در محشر زِ ما شرمنده باشی

زدی، بستی، شکستی، سوختی، انداختی، رفتی

جوابت چیست فردائے قیامت داد خواہاں را

همه چیزے تو خوب لیک ایں بد — داراشکوه — که تو بسیار دیر می آئی

غرض زِ مسجد و میخانه ام وصالِ شماست — جز ایں خیال ندارم خدا گواهِ من است

نا گرفتارم بدردِ عشق وقتِ من خوش است — وقتِ آں کس خوش که بنیادِ گرفتاری نهاد

هزار شکر که ما را سرِ شکایت نیست — وگرنه قصّهٔ جورِ ترا نهایت نیست

زِ غمم شاد شوی میدانم — غمِ دل با تو ازاں می گویم

یا من ناصبور را پیشِ خود از وفا طلب

یا که تو پاک دامنی صبرِ من از خدا طلب

شهرِ کاشان است هر سو ماه سیمائے دگر — ظلم کم کن ورنه عاشق می شوم جائے دگر

دل را بروں ز سینه برائے تو میکنم — خالی زِ غیر پرده سرائے تو میکنم

هر جفائے که کنی راحتِ جان است ولے — رسمِ انصاف مبادا ز جهاں برخیزد

جاناں بیا در چشمِ من تا چشم را برهم زنم

هرگز نه بینم کس دگر نے کس ترا دیدن دهم

محبوبِ ہر عشوہ گرے راچہ کند کس　　محمد صالح　　جائے کہ تو باشی دگرے راچہ کند کس

شرابِ لطف پُر در جام می ریزی و می ترسم
کہ زود آخر شود ایں بادہ و من در خمار افتم

کمان ابروے من فکرِ من زارِ بلاکش کن ——— فگن در سینہ ام تیرے و پیکانش در آتش کن

یار در ناز است و عاشق در نیاز　　آصفجاہ اول آصفؔ　　ہر کسے در کار خود دانا بود

تو چرا از عوضِ کشتنِ من می ترسی　　میر غلام علی آزادؔ　　ہمہ دانند کہ در سلکِ غلامانِ تو ام

در دلِ قسمت آنچہ بر من میرود　　غالبؔ　　می شناسم سختیِ ایام را

از عشق و حسنِ ما و تو باہمدگر در گفتگو
خسرو بہ مجنوں یک طرف شیریں بہ لیلیٰ یک طرف　　ولہٗ

آہم چگونہ در دلِ سخنت اثر کند　　ولہٗ　　سنگ است در برِ تو ہمانا بجاے دل

چشمش بسوئے ما نگہِ ناتمام کرد　　شبلیؔ　　ساقی بجام ریخت مئے نارسیدہ را

شادم بجبر بادلِ من می کنی ولے　　لاہوتیؔ　　حیف است اگر بگفتۂ اغیار می کنی
(شرابِ تمام)

ملنا تمن کا غیر سوں کوئی جھوٹ کوئی سچ کہتے
کس کس کا مُنہ موندوں سجن کوئی کچھ کہتے کوئی کچھ کہتے　　ابو الحسن تاناشاہ

تجھ زلف میں لٹک نہ رہے دل تو کیا کرے　　سراج الدین خاں آرزوؔ　　بے کار ہے اٹک نہ رہے دل تو کیا کرے

اوّل کی تم تو بھول گئے مہربانیاں　　سراج　　لانے لگے ہو خوب تغافل کی بانیاں

تم پر فدا ہیں سارے حُسن و جمال والے　　ولہٗ　　کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے

دیکھ دامنگیر محشر میں ترے ہونگے ہم　　عاجزؔ　　خوں ہمارا اپنے دامن سے نہ اے قاتل چھُڑا

جان اگر دشمن ہوے ہو تم ہمارے اس قدر　　آبروؔ　　کیوں ہمارے دل کو پھر لگتے ہو پیارے اس قدر

گاہ گاہ ہے پیار کی آنکھوں سے کرتا ہے نگاہ — مہرباں ہونے لگا ہے اب تو بارے اِس قدر

پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ کہیں کہیں یوں بھی دیکھا ہے :

تو ہمارے دل کو کیوں لگتے ہو پیارے اس قدر

کیوں ہوئے ہو تم کہو دشمن ہمارے اس قدر — یکرنگ — دوست کا دشمن کوئی ہوتا ہے پیارے اس قدر

مجھے مت بوجھ پیارے دشمن اپنا — ولہٗ — کوئی دشمن ہوا ہے اپنی جاں کا

تم تو دل مانگو ہو یاں جان تلک حاضر ہے — احسن — بات یہ بھی ہے کوئی آپ کے فرمانے کی

نہ الفت نے محبت نے مروت — فغاں — تری خاطر کوئی بدنام کیا ہو

آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا — ولہٗ — وہ کیا ہوا تپاک وہ الفت کدھر گئی

مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے — یوں بھی گذر گئی میری و وں بھی گذر گئی

مت عاشقوں پہ جور و ستم اس قدر کرو — حاتم — عالم کا ڈر نہیں تو خدا کا تو ڈر کرو

الفت کی مجھ کو پیارے تیری نگاہ بس ہے — ولہٗ — گر پے بہ پے نہوئے تو گاہ گاہ بس ہے

یہ سچ کہ جھوٹ ہے دعوئ دوستی لیکن — قائم — کبھی ہمیں بھی تو اک بار آزمانا تھا

غیر سے ملنا تمہارا سن کے گو ہم چپ رہے — ولہٗ — پر سنا ہوگا کہ تم کو اک جہاں نے کیا کہا

یک دگر جب خفگی آئی تو جھگڑا کیا ہے — ولہٗ — تم کو خواہندہ بہت ہم کو خریدار بہت

جب سوں تیری نظر پڑی ہے جھلک — ولہٗ — تب سوں لگتی نہیں پلک سے پلک

آگے نہ میرے غیر سے گو تم نے بات کی — ولہٗ — سرکار کی نظر کو تو پہچانتا ہوں میں

گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے — ولہٗ — کہنے کو بات رہ گئی دن تو گذر گئے

جو عمل چاہئے کیجے مرے دکھ دینے کا — سودا — وہ نہ کیجے کہ کہے کوئی "سزاوار نہ تھا"

بساط اپنے میں تھا جو ایک دل سو وہ بھی کھو بیٹھا — ولہٗ — مجھے مدت ہوئی پیارے میں اس سے ہاتھ دھو بیٹھا

ہوئی اک عمر کہ ہم لگ رہے ہیں دامن سے — ولہٗ — جھٹک نہ دیجیو پیارے غبار کے مانند

کون کہتا ہے مت اوروں سے ملا کر مجھ سے مل
ولہٗ
جس کے ملنے میں خوشی تیری ہو مل پر مجھ سے مل

یہ باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنئے گا
میر
جب کہتے کسی کو سنئے گا تب پہروں سر کو دھنئے گا

یہ شعر یوں بھی دیکھا ہے: ـــ

اشعار ہمارے یاد رہیں اشعار نہ ایسے سنئے گا
جب پڑھتے کسی کو سنئے گا تب پہروں سر کو دھنئے گا

عید آئندہ تک رہے گا گلہ — ولہٗ — ہو چکی عید تو گلے نہ ملا

ترے عشق سے آگے سودا ہوا تھا — ولہٗ — پر اتنا میں ظالم نہ رسوا ہوا تھا

تجھی پر کچھ اے بت نہیں منحصر — ولہٗ — جسے ہم نے پوجا خدا کر دیا

ہم فقیروں سے کج ادائی کیا — ولہٗ — آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

یا ساتھ غیر کے ہے تمہیں ویسی بات چیت — ولہٗ — سو سو طرح کے لطف ہیں اک اک سخن کے بیچ
یا پاس میرے لگتی ہے چپ ایسی آن کر — گویا زباں نہیں ہے تمہارے دہن کے بیچ

بھلا تم مفت دل لے کر ہمیں دشمن گنو اب تو
ولہٗ
کبھو کچھ ہم بھی کر لینگے حساب دوستاں در دل

جفا و جور سے کج ادائیاں دیکھیں — ولہٗ — بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں

کچھ تمہیں ملنے سے رکتے ہو ہمارے ورنہ
ولہٗ
دوستی ننگ نہیں عیب نہیں عار نہیں

شرمندہ ہو گے جانے بھی دو امتحان کو　ولہٗ　رکھے گا تم سے کون عزیز اپنی جان کو

کہیں کہیں دوسرا مصرعہ یوں بھی دیکھا ہے : ؎

تم سے کرے گا کون عزیز اپنی جان کو

حالِ بد گفتنی نہیں میرا　ولہٗ　تم نے پوچھا تو مہربانی کی

پرستش کی یاں تک کہ اے بُت تجھے　ولہٗ　نظر میں سبھوں کے خدا کر چلے

چاہنے کا ہم پہ خوباں یہ جو دھرتے ہیں گناہ
ولہٗ
ان سے بھی پوچھے کوئی تم اتنے پیارے کیوں ہوئے

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے　ولہٗ　پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اُجاڑ کے

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے　ولہٗ　پر ہم جو نہ ہونگے تو بہت یاد کرو گے

کافر ہو جس کے دل میں کچھ اور آرزو ہو　بیاںؔ　اک مختصر سی جا ہو اور میں ہوں اور تو ہو

منہ نہ موڑیگا یہ عاصی گر یہی منظور ہے　شاہ عالم آفتابؔ　لیجئے سنگِ جفا اور شیشۂ دل توڑئیے

کبھی تو مہرباں ہو ہم پر اے بُت　آشناؔ　کہ آخر ہم بھی بندے ہیں خدا کے

تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے بجز جفا　میر دردؔ　پر وہ کیا کچھ تھا کہ جی کو بھا گیا

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر　ولہٗ　مگر یہ زندگیٔ مستعار رکھتے ہیں

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو
ولہٗ
یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

ہزار بار مرے پر نظر کئے ہو گے　ضیاؔ　ہنوز کہتے ہو دیکھا ہوں تجھ کو کیا اللہ

اتنا ٹھمک ٹھمک کے جو اٹھتے ہو خیر ہے
ولہٗ
لایق ہیں ہم تو قتل کے پر کچھ گناہ بھی

عشوہ و ناز کو ترے پیارے — خاکسار — یہ ترا خاکسار کیا جانے

ہم نے تو جان تک نہ پیاری کی ——— آپ نے قدر کیا ہماری کی

چند دن آہ میاں میں بھی جُدائی کروں ——— جھوٹ ہی کہہ دو کہ "ہاں تم سے محبت ہے ہمیں"

میرے حق میں تو بہتر ہے مجھے آرام ہووے گا

ولے تو قتل کرنے سے مرے بدنام ہووے گا — احقر

تو نہ میری ہی جان ہے کافر — لالہ ٹیکارام تسلی — تجھ پہ شیدا جہان ہے کافر

بھاگتا ہے مرے تصور سے — کس قدر بدگمان ہے کافر

دن پھرے پھر مگر تسلی کے — ان دنوں مہربان ہے کافر

وفا کو تم جفا سمجھے ستم کو ہم کرم سمجھے

اُدھر کچھ دل میں تم سمجھے اِدھر کچھ دل میں ہم سمجھے — لالہ بالمکند حضور

رنج و غم ہجر کے گذر بھی گئے ——— اب تو تم دھیان سے اُتر بھی گئے

اگر خیال میں گذرا ہے اِمتحاں جو شکم

ہمیں تو کچھ نہیں اِنکار مہرباں جو شکم — مرزا عطا قبیا برہانپوری

ہم پہ سو ظلم و ستم کیجیئگا — بیدار — ایک ملنے کو نہ کم کیجیئگا

جائیں مشتاقوں کی لب پر آئیاں — ولہٗ — بل بے ظالم تیری بے پروائیاں

جو کچھ چاہیے آپ فرمائیے — ولہٗ — پہ غیروں کی باتیں نہ سُنوائیے

تمہیں غیروں سے کب فرصت کب اپنے غم سے ہم خالی

چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی — مرزا جعفر علی حسرت

گر کہے تو رات تو دن کو کہوں میں رات ہے — ولہٗ — کفر اس میں کچھ نہیں یہ دل ملے کی بات ہے

دھمکاتے ہیں بس مجھ کو فقط آپ اکڑ کر　　الم　　بانکے ہو تو مونڈھا چلو مونڈھے سے رگڑ کر

جس کا تو آشنا ہوا ہوگا　　سوز　　اُس نے کیا کیا ستم سہا ہوگا

بھلا بتا تو مری جان کچھ ہدایت نے　　ہدایت　　تمہارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا

مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھو　　کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

ٹک اک انصاف کر اتنی بھی کرتا ہے جفا کوئی
کریگا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی　　یقین

اس ادا کا ہوں تیری دیوانہ　　جوشش　　دیکھنا مجھ کو اور چھپ جانا

تجھ سے ظالم کو اپنا یار کیا　　ولہٗ　　ہم نے کیا جبر اختیار کیا

پوچھو ہو کیا کہ حال ترا کس طرح سے ہے　　لالہ نول رائے وفا　　کیا جانتے نہیں ہو میاں جس طرح سے ہے

نواب آصف الدولہ آصف

ہم نے قصّہ بہت کہا دل کا　　نہ سُنا تم نے ماجرا دل کا

لاکھ پردے میں چھپ کے تم بیٹھو ــــــ دیکھ ہی لینگے دیکھنے والے

اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں
تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں　　جرأت

ایک گھر میں بھی کبھی مل کے نہیں بیٹھتے ہیں
ہم کہیں بیٹھتے ہیں آپ کہیں بیٹھتے ہیں　　ولہٗ

جھڑکی سہی، ادا سہی، چینِ جبیں سہی　　انشا　　سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی

گر نازنین کہے سے بُرا مانتے ہیں آپ　　میری طرف تو دیکھئے میں نازنیں سہی

میں نے بھی ترے عشق میں کیا کیا نہیں کیا　　مصحفی　　سب کچھ کیا ہے پر تجھے رُسوا نہیں کیا

بیٹھنا پاس تمہیں غیر کے کیا لازم تھا ولہٗ تم نے اتنا بھی میاں پاس ہمارا نہ کیا

چاہنے والے ترے میرے سوا اور بھی ہیں ولہٗ میں نہیں ایک گرفتارِ بلا اور بھی ہیں

نے اُنس کے خواہاں ہیں نے پیار کے بھوکے ہیں

ولہٗ

ہم لوگ ہیں بازاری دیدار کے بھوکے ہیں

تو دیکھے تو اِک نظر بہت ہے ولہٗ اُلفت تری اس قدر بہت ہے

جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی معلوم

ہوس

یاد آئے گی تمہیں میری وفا میرے بعد

کہتے ہو یاں پہ مجھ سا کوئی مہ جبیں نہیں نظیر اکبرآبادی پیارے جو ہم سے پوچھو تو یاں کیا کہیں نہیں

بیوفا کچھ نہیں تری تقصیر میر اثر مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں

حال میرا نہ پوچھئے مجھ سے ولہٗ بات میری تو معتبر ہی نہیں

کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں

جو سزا دیجئے بجا مجھ کو ولہٗ تم سے کرنی نہ تھی وفا مجھ کو

کبھو دوستی اور کبھو دشمنی ولہٗ تری کون سی بات پر جایئے

کچھ بات تم سے کر نہیں سکتے ہزار حیف

میر شبیر علی افسوس

مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے

زمانہ ترا مبتلا ہو رہا ہے ——— تجھے بھی خبر ہے کہ کیا ہو رہا ہے

روٹھے ہوئے تھے آپ کئی دن سے من گئے ناسخ بگڑے ہوئے تمام مرے کام بن گئے

گماں نہ کیونکہ کروں تجھ پہ دل چرانے کا

ممنون

جھکا کے آنکھ سبب کیا ہے مسکرانے کا

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے مومن ورنہ دُنیا میں کیا نہیں ہوتا
چارۂ دل سوائے صبر نہیں سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی، کبھی ہم میں تم میں بھی راہ تھی
ولہٗ
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مرے آنسو نہ پوچھنا دیکھو ولہٗ کہیں دامان تر نہ ہو جائے

جب خفا ہوتا ہے تو یوں دل کو سمجھاتا ہوں میں
وزیر
آج ہے نامہرباں کل مہرباں ہو جائیگا

سر مرا کاٹ کے پچھتائیگا ولہٗ جھوٹی پھر کس کی قسم کھائیگا

آپ کو حالِ پریشاں سے مرے کیا کام ہے
آپ بیٹھے چین سے زُلفیں بنایا کیجئے

اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندۂ احساں ذوق سر میرا ترے سر کی قسم اُٹھ نہیں سکتا

سُنتے ہیں اُس کو چھیڑ چھیڑ کے ہم ولہٗ کس مزے سے عتاب کی باتیں

جو کہو گے تم کہینگے ہم بھی ہاں یوں ہی سہی
ولہٗ
آپ کی گر یوں خوشی ہے مہرباں یوں ہی سہی

ستم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے
ولہٗ
جو اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اُس بُت سے خدا سمجھے

کب تمہارا شکوۂ جور و ستم کرتے ہیں ہم
ظفر
اور کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں ہاں کرتے ہیں ہم

غضب ہے کہ دل میں تو رکھو کدورت ولہٗ کرو منہ پہ ہم سے صفائی کی باتیں

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ	غالب	اس میں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا
گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار	ولہٗ	لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
تو اور آرائشِ خمِ کاکل	ولہٗ	میں اور اندیشہ ہائے دور و دراز
کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی	ولہٗ	بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو
غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر	ولہٗ	کوئی پوچھے کہ کیا ہے تو بتائے نہ بنے
قطع کیجے نہ تعلق ہم سے	ولہٗ	کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے		بے نیازی تری عادت ہی سہی

نواب محمد یوسف علی خاں ناظم (والیِ رام پور)

وہی تم ہو وہی خنجر ہے یہ انصاف کرو		ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہو کیا میرے بعد
وفا کی ہم نے اور تم نے جفا کی	ولہٗ	تم اچھے ہم برے قدرت خدا کی
مانا کہ ہم سے آپ کو نفرت ہے پر اسے	حزم	کیا کیجئے کہ مجھ کو محبت ہے آپ سے
کس لئے لطف کی باتیں ہیں پھر	شیفتہ	کیا کوئی اور ستم یاد آیا
یا اپنے جوششِ عشوۂ پیہم کو تھامئے	ولہٗ	یا کہئے میں بھی نالۂ شورش ادا کروں
پوچھی تھی ہم نے وجہ ملاقاتِ مدعی	ولہٗ	اک عمر ہو گئی انھیں فکرِ جواب میں
وہ کون سی جفا ہے کہ جو تم نے کی نہیں	تصویر	وہ کون سا ستم ہے جو میں نے نہیں سہا
مارا تو ہاتھ آپ نے دشمن کے ہاتھ پر	منیر	کیسی لگی ہے چوٹ مرے دل سے پوچھئے
ناحق ہیں نازِ حسن سے یہ بے نیازیاں	مشتری	بندہ نواز آپ کسی کے خدا نہیں
غیر بھرتے ہیں بہت عشق کا دم	ولہٗ	ایک دن آزمائیے تو سہی
ہیں آپس میں وہم و گماں کیسے کیسے	ولہٗ	یہاں کیسے کیسے وہاں کیسے کیسے

غیروں کو بھلا سمجھے اور مجھ کو برا جانا — مجروح — سمجھے بھی تو کیا سمجھے جانا بھی تو کیا جانا

کیوں میری بود و باش کی پرسش ہے ہر گھڑی — ولہٗ — تم تو کہو کہ رہتے ہو دو دو پہر کہاں

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے — انور — پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

زندگی کہتے ہیں کس کو موت کس کا نام ہے
مہربانی آپ کی نا مہربانی آپ کی

پیارے صاحب رشید
Jic pasha

میں زباں سے تم کو سچا کہو لاکھ بار کہہ دوں
اسے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا — امیر

سب کی نظروں پہ نہ چڑھیے صاحب — ولہٗ — دیکھیے دل سے اتر جائیے گا

سنی ایک بھی بات تم نے نہ میری — ولہٗ — سنیں میں نے سارے زمانے کی باتیں

میری ہر بات پر ہیں سو سو عذر — ولہٗ — غیر کی خوب مان لیتے ہیں

مسی چھوٹی ہوئی سوکھے ہوئے ہونٹ — ولہٗ — یہ صورت اور آپ آئے ہیں گھر سے

کسی نا آشنا کا کیا شکوہ — ولہٗ — آشنا کی جب آشنا نہ سنے

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ — ولہٗ — مجھ کو غصے پہ پیار آتا ہے

ساری دنیا کے وہ ہیں میرے سوا — ولہٗ — میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے

مانی ہیں میں نے سیکڑوں باتیں تمام عمر — ولہٗ — آج آپ ایک بات مری مان جائیے

اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں — داغ — کہنا نہیں مانتے کسی کا

برا ہے شاد کو ناشاد کرنا — ولہٗ — سمجھ کر سوچ کر بیداد کرنا

احسان مانتا ہوں تمہارے غیر کا — ولہٗ — بگڑا ہوا مزاج تمہارا بنا دیا

چاہ کا نام جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو — ولہٗ — وہ طریقہ تو بتا دو تمہیں چاہیں کیونکر

تم روٹھ جاؤ ہم سے تو ہم منتیں کریں ولہٗ ہم روٹھ جائیں تم سے تو ہم کو منائے کون

ملے مجھ سے تو فرمایا تمہیں کو داغ کہتے ہیں

ولہٗ

تمہیں ہو ماہِ کامل ہیں تمہیں لہنتے ہو لالے ہیں

داغ کے دل پہ جو گذرتی ہے ولہٗ آپ بندہ نواز کیا جانیں

ضد ہر اک بات پر نہیں اچھی ولہٗ دوست کی دوست مان لیتے ہیں

یوں ہی ہزاروں لاکھوں میں تم انتخاب ہو ولہٗ پورا کرو سوال تو پھر لاجواب ہو

دیکھئے کرتی ہے رسوائیِ زمانہ کیا کیا ولہٗ مجھ کو یہ چاہ مری تجھ کو یہ صورت تیری

آپ کا اعتبار کون کرے ولہٗ روز کا انتظار کون کرے

ذکرِ مہر و وفا تو ہم کرتے پر تمہیں شرمسار کون کرے

ہوئی جاتی ہیں کیوں نیچی نگاہیں ولہٗ کہو تو کیا ہے قرباں اس حیا کے

دوستی کیا اسی کو کہتے ہیں ولہٗ آشنا کی جو آشنا نہ سُنے

راز اپنا کبھی کہا نہ کہے حال میرا کبھی سُنا نہ سُنے

عرضِ احوال کو گلہ سمجھے ولہٗ کیا کہا میں نے آپ کیا سمجھے

وہ نہیں سُنتے ہماری کیا کریں ولہٗ مانگتے تھے ہم دُعا جن کے لئے

جھگڑتے پیارے تو تجھ سے حجاب آتا ہے بیانؔ وگرنہ بات کا تیری جواب آتا ہے

میں نے جو کچھ بھی کیا بیجا کیا شوخؔ آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا

ہم جو کہتے ہیں سراسر ہے غلط ——— سب بجا ہے آپ جو فرمائیے

وہ مجھے دیکھ کے ہنس دیتے ہیں

قدرؔ

آنکھ چھپتی ہی نہیں یاری کی

میر محبوب علی خاں آصف نظام دکن

ادھر میں ہوں اُدھر محشر میں تو ہو — جو ہونی ہو خدا کے روبرو ہو

کچھ کہہ دو جھوٹ سچ کہ توقع بندھی رہے — تسلیم — توڑو نہ آسرا دلِ امیدوار کا

قلق اور دل کا سوا ہو گیا — حالی — دلاسا تمہارا بلا ہو گیا

نہ کرو اب نباہ کی باتیں — ولہٗ — تم کو اے مہربان دیکھ لیا

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
ولہٗ
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

کہتا ہے خیر ہم بھی سہی دشمن آپ کے
ولہٗ
شکوے کو لے گیا ہے وہ بیداد گر کہاں

کیوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت — ولہٗ — ہم کو طاقت نہیں جدائی کی

دل کو درد آشنا کیا تو نے — ولہٗ — دردِ دل کو دوا کیا تو نے

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
اکبر الہ آبادی
تم قتل بھی کرتے ہو تو چرچا نہیں ہوتا

دل جلوں سے دل لگی اچھی نہیں — ریاض — رونے والوں سے ہنسی اچھی نہیں

شیشۂ دل کو یوں نہ اٹھاؤ — عزیز — دیکھو ہاتھ سے چھوٹا ہوتا

پوچھو مجھے کہ دہر میں اک کس مپرس ہوں — عبرت گورکھپوری — دیکھو مجھے کہ ہیچ ہوں سب کی نگاہ میں

اس ہوائے دہر میں جمعیت خاطر کہاں — ثاقب لکھنوی — دل کو جانے دو یہ زلفیں کیوں پریشاں ہو گئیں

اے شوخ مجھ کو تو ہے تجھے ہے عدو پسند — نوحؔ — اب ان میں اچھی کس کی سمجھتا ہے تو پسند

کتنے الزام آخر اپنے سر — بیتاب عظیم آبادی — تم نے غیروں کو سر چڑھا کے لئے

محبت میں ترے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے — امداد امام اثرؔ — نہ کر شکوہ ہماری بے سبب کی بدگمانی کا

ظلم کرنے میں نہیں آتا لحاظ — احسنؔ امپوری — بات کرنے میں تو شرماتے ہو تم

یہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم کو اِس سے نفرت ہے

مگر اتنا سمجھ رکھو محبت پھر محبت ہے — نوحؔ

آپ اور پوچھیں غریبوں کا مزاج — احقرؔ — آپ اور مجھ پر کرم شانِ خدا

یہ مزاج، اتنا مزاج، ایسا مزاج — اے بُتو اس چار دن کے حُسن پر

مری بات چھوڑو تمہیں کیا کہے گا — آرزوؔ لکھنوی — جو دیکھے گا روتے مجھے تم کو ہنستے

یہ کاہے کو سمجھے مرا بھولا بھالا — ولہٗ — اُسی کے نہ ملنے سے جی پر بنی ہے

بھا ہو گا کوئی کلیجے کا چھالا — اب ایسے نہ تھے ہم کہ چھیڑو تو رو دیں

کہو جو سچ بھی تو آتا ہے اعتبار کہاں — ولہٗ — تم ایسا عہد شکن آرزو سا نا اُمید

روتے پہ میرے ہنستے کیا ہو بے سمجھے نہ دیوانہ جانو

دل کس سے لگایا ہے تم نے تم درد کسی کا کیا جانو — ولہٗ

بے نیازی تیرے صدقے ناز بیجا ہی سہی — ولہٗ — کچھ سہارا چاہتی ہے عاشقی کی زندگی

آپ کیا ہیں اُسے دنیا کی خبر ہوتی ہے — ولہٗ — رات ساری جسے آنکھوں میں بسر ہوتی ہے

وہ ہیں کہ موردِ کرمِ بے حساب تھا — حسرتؔ — اب میں ہوں اور تغافلِ بسیار کے گلے

جو ہوا مجھ پہ بے حساب ہوا — ولہٗ — آپ کے ہاتھ سے کرم کہ ستم

ہم رہے یاں تک تری خدمت میں سرگرمِ نیاز

تجھ کو آخر آشنائے نازِ بیجا کر دیا — ولہٗ

کہیں فرصت میں حدیثِ دلِ دیوانہ کہوں — ولہٗ — آپ بیٹھیں تو سہی آکے مرے پاس کبھی

ملتے ہیں اِس ادا سے کہ گویا خفا نہیں ولہٗ کیا آپ کی نگاہ سے ہیں آشنا نہیں

ہم جور پرستوں پہ گماں ترکِ وفا کا ولہٗ یہ وہم کہیں تجھ کو گنہگار نہ کر دے

معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا ولہٗ اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زبان سے

اِک تم کہ وفا تم سے نہ ہوگی نہ ہوئی ہے
اِک ہم کہ تقاضا نہ کیا ہے نہ کرینگے ولہٗ

توڑ کر عہدِ کرم نا آشنا ہو جائیے ولہٗ بندہ پرور جائیے اچھا خفا ہو جائیے

تم جب سے کوستے ہو طبیعت بحال ہے ناطق اچھے ہیں آج کل تو تمہاری دعا سے ہم

ہمارے پاؤں میں تو تم نے زنجیرِ وفا ڈالی
تمہارے ہاتھ سے کیوں رشتۂ مہر و کرم چھوٹا وحشت

کچھ کچھ ستم ضرور ہو لطف و کرم کے ساتھ
یہ رسمِ عشق ہے اسے اے مہرباں نہ چھوڑ ولہٗ

مزہ آتا اگر گذری ہوئی باتوں کا افسانہ
کہیں سے ہم بیاں کرتے کہیں سے تم بیاں کرتے ولہٗ

ذرا بزم سے اُٹھ کے خلوت میں سُن لو صفدر خدا جانے کیا مدعا ہے کسی کا

ہائے میری یہ التجا دیکھو ـــــــ اور اپنا نہ ماننا دیکھو

میں نے کہا کہ دل سے تمہیں چاہتا ہوں میں فہیم گورکھپوری اُس نے کہا کہ مجھ کو ترے دل کی کیا خبر

رقیب لاکھ شکایت کریں نہیں شکوہ اثر لکھنوی گلہ تو یہ ہے کہ تم نے بھی اعتبار کیا

میرے دل و دماغ پہ چھائے ہوئے ہو تم ولہٗ ذرّے کو آفتاب بنائے ہوئے ہو تم

افسانہ کہہ رہی ہیں پریشاں نگاہیاں کیا راز ہے جو دل میں چھپائے ہوئے ہو تم

شکوہ کیا تھا از رہِ اُلفت طنز سمجھ کر رُوٹھے ہو
ولہٗ
ہم بھی ہیں نادم اپنی خطا پر آؤ تم بھی جانے دو

کچھ تری چشمِ فسوں ساز کا ایسا نہ کھُلا ولہٗ لبِ مے نوش کو تکلیفِ گل افشانی دے

نہ جانے بات یہ کیا ہے تمہیں جس دن سے دیکھا ہے
ولہٗ
مری نظروں میں دُنیا بھر حسیں معلوم ہوتی ہے

تیرے نثار تو بھی دیوانہ اپنا کہہ دے ولہٗ اِک خلق مجھ کو تیرا دیوانہ کہہ رہی ہے

قائل نہیں ہوں آپ کے قول و قرار کا جگر گورکھپوری اِک روگ ہو گیا ہے مجھے انتظار کا

اِس طرح مجھے ستا رہے ہو سیماب جیسے میرا خُدا نہیں ہے

تم اور دل آزاریِ اربابِ محبت آزاد انصاری اربابِ محبت کا یہ شیوہ نہیں ہوتا

آ مگر اس قدر قریب نہ آ ولہٗ کہ تماشہ محال ہو جائے

نہ دُنیا کا مجھے رکھا نہ دین کا ولہٗ گِلہ ہے تیرے لُطفِ بیکراں سے

اب او صبر و سکوں لے جانے والے ولہٗ بتا صبر و سکوں لاؤں کہاں سے

دل ہے اب اِلتفات کے قابل فانی بیکسیہائے مُدّعا کی قسم

آزردہ کیوں ہوئے مری آشفتگی سے تم ولہٗ آخر یہی تو زلفِ شکن در شکن میں تھی

کیا عمر میں اِک آہ بھی بخشی نہیں جاتی ولہٗ اِک سانس بھی کیا آپ کے ناکام نہ لیتے

جس پہ تیری نظر نہیں ہوتی جگر مرادآبادی اُس کی جانب خُدا نہیں ہوتا

ستم عشق میں آپ آساں نہ سمجھیں ولہٗ تڑپ جائیے گا جو تڑپائیے گا

جفا سے کیا اُسے اندیشہ جس نے
ولہٗ
دیا دل آپ کو قاتل سمجھ کر

سب پہ تو مہربان ہے پیارے ولہٗ کچھ ہمارا بھی دھیان ہے پیارے
جب سے تو مہربان ہے پیارے اور دل بدگمان ہے پیارے
تو جہاں ناز سے قدم رکھ دے وہ زمیں آسمان ہے پیارے
سچ بتا اس میں کوئی بات بھی ہے یا یوں ہی مہربان ہے پیارے
کہنے سننے میں جو نہیں آتی وہ بھی اک داستان ہے پیارے
ہم سے جو ہو سکا سو کر گزرے اب ترا امتحان ہے پیارے

جبیں پر سادگی نیچی نگاہیں بات میں نرمی
مخاطب کون کر سکتا ہے تم کو لفظِ قاتل سے ولہٗ

اب دلِ مایوس کی تسکیں کا ساماں کیجئے نشتر سچ نہیں تو جھوٹ ہی کچھ عہد و پیماں کیجئے

چپ رہونگا تو ستائے گا مجھے دل میرا جاوید کچھ کہوں گا تو مزاج آپ کا برہم ہوگا

میں تو اُلفت میں وفا کر کے پشیمان ہوا
دیکھنا تم نہ جفا کر کے پشیماں ہونا بیدلؔ عظیم آبادی

دل لگائینگے اور سے ہم بھی جوشؔ آپ سمجھیں نہ دل لگی اس کو

ایک دن کہہ لیجئے جو کچھ ہے دل میں آپ کے
ایک دن سُن لیجئے جو کچھ ہمارے دل میں ہے

یہ نیازِ عشق و نازِ حُسن ہے ورنہ حضور —— آپ کے دل میں وہی ہے جو ہمارے دل میں ہے

اظہارِ مدعا کا ارادہ تھا آج کچھ —— تیور تمہارے دیکھ کے خاموش ہو گئے

تمہیں میری محبت کی قسم سچ سچ بتا دینا —— گلے میں ڈال کر باہیں منانا کس سے سیکھا ہے

تم نے پھیری لاکھ نرمی سے نظر ملاؔ دل کے آئینے میں بال آ ہی گیا

خوش بھی ہو لیتے ہیں تیرے بیقرار — فراق گورکھپوری — غم ہی غم ہو عشق میں ایسا نہیں

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں — ولہ — تم نے تو خیر بے وفائی کی

حشر کے دن میری چپ کا ماجرا — حفیظ جالندھری — کچھ نہ کچھ تم سے بھی پوچھا جائے گا

تم چاندنی ہو، پھول ہو، نغمہ ہو، شعر ہو — عندلیب شادانی — اللہ رے حسنِ ذوق میرے انتخاب کا

کی شکایت تو اپنی قسمت کی — عیاں — ہم کو تم سے کبھی گلہ نہ ہوا

احمدِ غم زدہ ہشیار نہیں ہے لیکن — مؤلف — آپ دیوانہ سمجھتے ہیں تو ایسا بھی نہیں

اور کچھ چاہتا نہیں الیاس — ولہ — ایک دن دل کا ماجرا سن لو

تمہارے دل میں اخلاص و محبت؟ — ولہ — تمہارا دل ہمارا دل نہیں ہے

جانے دو اگلی باتوں کا اب ذکر کیا کریں — شرار — تم جانتے نہیں ہو کہ ہم جانتے نہیں

دلِ ناز پروردہ پر مہرباں — اثر صہبائی — یہ جور و ستم الاماں الاماں

ہمیں شکوہ ہے اک بیداد گر سے — مجروح — اب اس میں آپ ہوں یا آسماں ہو

ترے شعارِ تغافل پہ زندگی قربان — حبیب احمد صدیقی — ترے شعارِ تغافل میں دلکشی کیوں ہے

آپ کے لب پہ اور وفا کی قسم — صبا اکبرآبادی — کیا قسم کھائی ہے خدا کی قسم

ایک ہندی کا شعر بھی سن لیجئے :-

پریتم پریم لگائے کے دور دیس مت جاؤ
رہو ہماری ناگری ہم مانگیں تم کھاؤ

انتہائے راز و نیاز

بروزِ حشر گر پرسند خسرو را چرا کشتی — خسرو — چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہمی گویم

من درویش را کشتی بہ غمزہ   ولہٗ   کرم کردی الٰہی زندہ باشی

تم میرا فیصلہ یہیں کر دو تو خوب ہے ——— آپس کی بات جائے نہ پروردگار تک

ہوگا غضب جو حشر میں جھگڑا یہ جائے گا

مانو کہا کہ بات ابھی گھر کی گھر میں ہے

نوائے عاشق

مومن ز دیں برآمد و صوفی ز اعتقاد   اوحدی   ترسا محمدی شد و عاشق چنانکہ ہست

کفر کافر را و دیں دیندار را   عطار   ذرّہ درد ت دلِ عطار را

نہ من بیہودہ گردِ کوچہ و بازار می گردم

مذاقِ عاشقی دارم پئے دیدار می گردم   مولانا روم

تا دہی بوسہ بر کفِ پائے   عراقی   خویشتن را غبار باید کرد

ماجرائے عقل پرسیدم ز عشق   سعدی   گفت معزول است و فرمانش نیست

گر کند میل بخوباں دلِ من خوردہ مگیر   ولہٗ   ایں گناہیست کہ در شہرِ شما نیز کنند

من آن نیم کہ حلال از حرام نشناسم   ولہٗ   شراب با تو حلال است و آب بے تو حرام

عشقبازی نہ من آخر بجہاں آوردم   ولہٗ   یا گناہیست کہ اوّل منِ مسکیں کردم

نظر بر نیکواں رسمے ست معہود   ولہٗ   نہ ایں بدعت من آوردم بہ عالم

رفیق و مہربان و یارِ ہمدم   ولہٗ   ہمہ کس دوست می دارند و من ہم

ہیچ کس بے دامنِ تر نیست امّا دیگراں

باز می پوشند و من در آفتاب افگندہ ایم   ولہٗ

به کفی جامِ شریعت به کفی سندانِ عشق   (ولہٗ)   هر هوسناکی نداند جام و سندان باختن

خسروا در عشقبازی کم ز هندو زن مباش   (خسرو)   کز برائے مرده سوزد زنده جانِ خویش را

سرے دارم که سامان نیست او را   (ولہٗ)   به دل دردے که درمان نیست او را

کافرِ عشقم مسلمانی مرا در کار نیست   (ولہٗ)   هر رگِ من تار گشته حاجتِ زنّار نیست

ناخدا در کشتیِ من گر نباشد گو مباش   ما خدا داریم ما را ناخدا در کار نیست

خلق می گوید که خسرو بت پرستی میکند   آرے آرے میکنم با خلق ما را کار نیست

من آن ترکِ طناز را می شناسم   (ولہٗ)   من آں مایۂ ناز را می شناسم

غلامِ حضرتِ عشقم کرم بہائے من است   (حافظ)   هر آنکه بنده بخواند مرا خدائے من است

در عشق خانقاه و خرابات شرط نیست   (ولہٗ)   هر جا که هست پرتوے روے حبیب هست

ساقیا یک جرعه ده زاں آبِ آتش گوں که من
درمیانِ پختگانِ عشقِ او خامم هنوز   (ولہٗ)

فاش می گویم و از گفتۂ خود دلشادم   (ولہٗ)   بندۂ عشقم و از هر دو جہاں آزادم

خسروا پیرانه سر حافظ جوانی میکند   (ولہٗ)   بر امیدِ عفوِ جاں بخش و گنه فرسائے تو

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی   (جامی)   کندریں راه فلاں ابن فلاں چیزے نیست

صفتِ بادۂ عشقش ز منِ مست مپرس   (ولہٗ)   ذوقِ ایں مے نشناسی بخدا تا نه چشی

غمِ عالم پریشانم نمیکرد   (شفائی)   سرِ زلفت پریشاں آفریدند

شیخ مستغنی به ایماں برهمن مغرورِ کفر   (دوستی)   مستِ حسنِ دوست را با کفر و ایماں کار نیست

بیمِ تیغم نیست لیکن ایں سرِ کمبخت را ——— دوست می دارم که زیرِ پائے او بسیار بود

از پنجۂ من چاکِ گریباں گله دارد   (عشرتی)   وز گریۂ من گوشۂ داماں گله دارد

تحفۂ مرہم نگیر دسینۂ افگارِ ما — عرفی — سایۂ گُل بر نتابد گوشۂ دستارِ ما

شام کا سہانا وقت ہے، جہانگیر و نورجہاں محل کی چھت پر بیٹھے ہوئے ہیں، جہانگیر نورجہاں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

بلبل نیم کہ نالہ کنم دردِ سر دہم
پروانہ ام بسوزم و دم بر نیاورم

نورجہاں جواب دیتی ہے:

پروانہ من نیم کہ بیک شعلہ جاں دہم
شمعم کہ شب بسوزم و دم بر نیاورم

ایک دن ایک شخص خانخاناں کے پاس آتا ہے، یہ قطعہ لکھ کر لایا ہے اور پیش کرتا ہے:

اے چشمۂ فیض خانخاناں
دارم صنمے کہ مہ جبین است
گر جاں طلبد مضائقہ نیست
زر می طلبد سخن دریں است

خانخاناں نے پوچھا وہ کیا مانگتے ہیں، کہا لاکھ روپیہ، خانخاناں نے حکم دیا کہ ان کو سوا لاکھ دے دو،

ایضاً

بے سبب مرشد ز طورِ من شکایت می کند — مرشد — ایں قدر آخر نمی داند کہ من دیوانہ ام

جز آستانِ تو جا در جہاں نمی بینم — ظہوری — من و تفکرِ جائے دگر دروغ دروغ

ز شکرِ خشک لبی لب اماں نمی یابد — من و شکایت مژگاں تر دروغ دروغ

ادائے حق محبت عنایتے ست ز دوست ——— وگرنہ عاشقِ مسکیں بہ ہیچ خرسند است

این جا غم محبّت آں جا جزائے عصیاں ـ قدسی ـ آسائش دو گیتی بر ما حرام کردند

معشوق ما بہ مذہب ہر کس برابر است ـ نادم ـ با ما شراب خورد و بہ زاہد نماز کرد

مقصودِ ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست ـ نسبتی ـ ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

تا تو چوں شانہ دلِ چاک مُہیّا نہ کنی ـ صائب ـ پنجہ در پنجۂ آں زلفِ چلیپا نہ کنی

لختے برو از دل گذرد ہر کہ زپیشم ــــــ من قاشِ فروشِ دلِ صد پارۂ خویشم

نگہ دارد خُدا از چشمِ بد خاکِ صفاہاں را

کہ ہر سو جلوہ گر بینم سیاہِ کجکلاہاں را

دو عالم را بیک بار از دلِ تنگ ــــــ بروں کردیم تا جائے تو باشد

سرمد کے متعلق مشہور تھا کہ وہ کلمہ کا ایک جز یعنی صرف 'لَا اِلٰہ' پڑھتے ہیں، وہ برہنہ ہی رہا کرتے تھے، عالمگیر کا دل اُن کی طرف سے صاف نہ تھا کیونکہ اُنھوں نے دارا شکوہ کے بادشاہ ہونے کی پیش گوئی کی تھی، چنانچہ عالمگیر کے اشارے سے علماء کا اجتماع ہوا، علما نے اعتراض کیا کہ کلمہ کا ایک ہی جز کیوں پڑھتے ہو، سرمد نے جواب دیا کہ میں ابھی نفی میں مستغرق ہوں، مرتبہ اثبات پر نہیں پہنچا ہوں، علماء نے اُن سے ستر پوشی کرنے اور پورا کلمہ پڑھنے کو کہا مگر بے سود، وہ واجب القتل سمجھے گئے، اور اُن کے خلاف قتل کا فتویٰ صادر ہوا، شاہ اسد اللہ ایک صاحبدل بزرگ سرمد کے پرانے رفیق تھے، بعد صدور فتویٰ اُنھوں نے کہا کپڑے پہن لیجئے اور پورا کلمہ پڑھ لیجئے تا کہ جان بخشی ہو جائے، سرمد نے جواب نہ دیا، ایک نظر ڈالی اور یہ شعر پڑھا:

عمر یست کہ آوازۂ منصور کہن شد ـــ من از سرِ تو جلوہ دہم دار و رسن را

غرضیکہ قتل ہوئے، کہا جاتا ہے کہ قتل سے پہلے اُنھوں نے یہ شعر پڑھا تھا:

سر جُدا کرد از تنم شوخے کہ با ما یار بود
قصہ کوتہ کرد ورنہ دردِ سر بسیار بود

مدفن وہیں ہے جہاں مشہد یعنی جامع مسجد دہلی کے شرقی پھاٹک کے سامنے'

سَرمد کا ایک شعر سُن لیجئے:

شاہ درویش و قلندر دیدہٗ
سَرمد سرمست و رسوا را ببیں

اس شعر سے اُن کی سرمستی کا صحیح پتہ چلتا ہے،

بشکند دستے کہ خم در گردنِ یارے نشد
کور بہ چشمے کہ لذّت گیرِ دیدارے نشد

زیب النساء

بہ عالم ہر کہ را بینی بہ دل درد و غمے دارد
ز دستِ غم منال اے دل کہ غم ہم عالمے دارد
ز دانایانِ دنیا ہر کہ را بینم غمے دارد
دلا دیوانہ شو دیوانگی ہم عالمے دارد
مگو رُسوائے عشق از مردمِ عالم غمے دارد
کہ عاشق گشتن و رُسوا شدن ہم عالمے دارد

عمر گر خوش گذرد زندگیِٔ خضر کم است رفیع ور بہ ناخوش گذرد نیم نفس بسیار است

میر معز موسوی خاں نے "بہ ناخوش" کے ٹکڑے پر اعتراض کیا، رفیع نے اُس کے بجائے "بہ تلخی" رکھ دیا مگر کہا کہ شعر کا لطف جاتا رہا۔"

پرنس و پرنسز آف ویلز ۸ر مارچ سنہ ۱۹۰۶ء کو علی گڈھ کالج میں تشریف لائے اور شام کو واپس گئے، اس آمد کے سلسلے میں کالج میں بڑا مجمع تھا' رات کو ڈنر ہوا' نواب محسن الملک اس زمانہ میں سکرٹری تھے' ڈنر میں سر آغاخاں بھی موجود تھے اور نواب محسن الملک کے برابر دائیں بیٹھے ہوئے تھے، نواب محسن الملک نے ڈنر کے بعد تقریر کی جس میں محسنانِ کالج اور اُن کے احسانات کا ذکر تھا' سر آغاخاں کے احسانات کا کیا کہنا' نواب محسن الملک کے احسانات خود کچھ کم نہ تھے' سب کے آخر میں سر آغاخاں کا ذکر کیا اور اس کے بعد اشارۃً اپنا بھی' پھر یہ شعر پڑھا: ؎

نمی گویم دریں گلشن گل و باغ و بہار از من
بہار از یار و باغ از یار و گل از یار و یار از من

یہاں جہاں مصرعہ ثانی میں "از یار" کے الفاظ تھے اُن کو پڑھ کر آغاخاں کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے جاتے تھے' جب "یار از من" پڑھا تو اپنے داہنے ہاتھ سے اپنا سینہ ٹھونکا' "از من" کے الفاظ زبان سے ابھی پورے نکلنے بھی نہ تھے کہ وہ شور بلند ہوا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اسٹریچی ہال کی چھت اُڑ جائیگی' نواب محسن الملک سے بہتر موقع پر شاید ہی کسی نے یہ شعر استعمال کیا ہو' گویا شاعر نے شعر اسی موقع کے لئے کہا تھا' اب آپ شعر کو پھر پڑھیں اور لطف اندوز ہوں (ملاحظہ ہو اعمالنامہ از سر رضا علی)

روزم تو بر فروز و شبم را تو نوردہ ـــــ ایں کار تست کار مہ و آفتاب نیست

جنونت میکشد سوئے بیاباں ـــــ برائے پائے ما زنجیرِ نو کن

خود بینی و خویشتن پرستی ـــــ رسمے ست کہ در دیارِ ما نیست

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
او بہ صحرا رفت و من در کوچہا رسوا شدیم

بہ طاعت کوش گر عشقِ بلا انگیز می خواہی
متاعے جمع کن شاید کہ غارتگر شود پیدا — ناصر علی علی

جنوں می خیزد از طرزِ بیانم — بیدلؔ — زبانم لغزشِ مستانۂ کیست

در فضائے عشقِ جاناں بوالہوس را کار نیست
ہر سرے شائستۂ سنگ و سزائے دار نیست — بھونت رائے بیغم بیراگی

بجرم عشق تو ام می کشند غوغائیست — مظہر جانجاناں — تو نیز بر سرِ بام آکہ خوش تماشائیست

من ایں دستے کہ افشاندم زِ کونین — حزیںؔ — بہ دامانِ تمنائے تو باشد

خدا نا کردہ گر آید اجل پیش — افتخار — بامّیدِ کہ بگذارم جنوں را

گاہ در بتکدہ گاہے بہ حرم سیر کند — یار غارتگر دین است خدا خیر کند

خدا گواہ کہ لب را بہ مے نیالودم — لچھمی این شفیق — برائے مستیٔ من چشم یار شد باعث

ہمچو میرؔ آشفتہ حالے دیر پیدا می شود — میرؔ — مغتنم دانید روزِ چند ایں درویش را

نیست شورِ میرؔ در بازارہا — ولہٗ — غالباً از شہر آں دیوانہ رفت

دلستاں در خشم و غالبؔ بوسہ جوے — غالبؔ — شوق نشناسد ہمیں ہنگام را

عیش و غم در دل نمی ماند خوشا آزادگی
بادہ و خونابہ یکساں است در غربالِ ما — ولہٗ

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد — ولہٗ — ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

وجود او ہمہ حُسن است و ما ہمیم ہمہ عشق — ولہٗ — بہ بختِ دشمن و اقبالِ دوست سوگند است

بجرمِ آشنائی کشتنِ عاشق روا دارد — رسوا — کہ دارد دلربائے آشنا دشمن کہ من دارم

ترکِ جاں گفتن بہ پیشِ عاشقاں — عبرت — سہل باشد ترکِ جاناں مشکل است

پیر شد عبرت و دارد سرِ شوریدہ او — ولہٗ — شورشِ عشق تو گوئی کہ جوانست ہنوز

یا جگر کاوی آں نشترِ مژگاں کم شد — شبلی — یا کہ خود زخم مرا لذتِ آزار نماند

دو دل بودن دریں رہ سخت تر عیب است سالک را
خجل از کفرِ خود ہستم کہ دارد بوئے ایماں ہم — ولہٗ

بہ تیغِ ادائے تو سر می فروشم — قاری غازیپوری — بہ تیرِ نگاہت جگر می فروشم

در جہاں مثلِ چراغِ لالۂ صحرا استم — اقبال — نے نصیبے محفلے نے قسمتِ کاشانۂ

نظر در دیدہ ہمچوں بادہ در پیمانہ می رقصد
جگر در سینہ ہمچوں رند در میخانہ می رقصد — سہیل

آرزوئے چشمۂ کوثر نہیں — ولی — تشنہ لب ہوں شربتِ دیدار کا

اے ولی غیر آستانۂ یار — ولہٗ — جبہہ سائی نہ کر خدا سے ڈر

خدا کا آسرا، عشقِ صنم ہے — ولہٗ — یہ دو باتیں ہیں جب تک دم میں دم ہے

مفلسی سب بہار کھوتی ہے — ولہٗ — عشق کا اعتبار کھوتی ہے

ہوس ہے عشق کی اہلِ ہوس کو قسم تو میاں
سُنے سے نام محبت کا زرد ہوتے ہیں — حاتم

اے خردمندو مبارک ہو تمہیں فرزانگی — ولہٗ — ہم ہوں اور صحرا ہو اور وحشت ہو اور دیوانگی

گہے رونا گہے سر کو پٹکنا — قدرت — خوشا ایام اوقاتِ محبت

عار ہے ننگ کو مجھ نام سے سبحان اللہ — قائم — کام پہنچا ہے کہاں تک مری رسوائی کا

روا ہے کہہ تو بھلا اے سپہر نا انصاف — سوداؔ — ریائے زہد چھپے رازِ عشق رُسوا ہو

شکوۂ آبلہ ابھی سے میرؔ — میرؔ — ہے پیارے ہنوز دلی دور

ایک سب آگ ایک سب پانی — ولہٗ — دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

اسیرِ زلف کرے قیدیٔ کمند کرے — ولہٗ — پسند اُس کی ہے جس طرح وہ پسند کرے

آئیے کس واسطے اے دردؔ میخانے کے بیچ — میر دردؔ — اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

کیا فرق داغ و گُل میں اگر گُل میں بُو نہ ہو
ولہٗ
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

اب زمانے میں کوئی یار کہاں ہوتا ہے — پنچھیؔ — گر ہوا بھی تو وفادار کہاں ہوتا ہے

سودا میں گذرتی ہے کیا خوب طرح تاباںؔ — تاباںؔ — دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

جس نے ہر درد کو درماں بخشا — سوزؔ — مجھ سے کافر کو بھی ایماں بخشا

اہلِ ایماں سوزؔ کو کہتے ہیں کافر ہو گیا — ولہٗ — آہ یارب رازِ دل اُن پر بھی ظاہر ہو گیا

لوگ کہتے ہیں مجھے یہ شخص عاشق ہے کہیں
ولہٗ
عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے

عمر آخر ہے جنوں کر لوں بہاراں پھر کہاں
یقینؔ
ہاتھ مت پکڑو مرا یارو گریباں پھر کہاں

حق مجھے باطل آشنا نہ کرے — ولہٗ — میں بتوں سے پھروں خدا نہ کرے

ہم کو لیل و نہار نے مارا — بیباکؔ — گردشِ روزگار نے مارا

ایک تو آگے ہی تھی رسوائی — تِس پہ جوشِ بہار نے مارا

صبر کس طرح کیجئے بیباکؔ — اِس دلِ بے قرار نے مارا

حُسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا

مجھ کو دیوانہ کیا تجھ کو پری زاد کیا

دہلی کے کجکلاہ لڑکوں نے کام عشاق کا تمام کیا — پیام

ایک عاشق نظر نہیں آتا ٹوپی والوں نے قتلِ عام کیا

بہار آئی دوانے کی خبر لو اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو — حشمت

مائل سے یارو مردِ مسلماں پہ یہ ستم اللہ کا بھی اُس بتِ کافر کو ڈر نہیں — مائل

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی

تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں — انشا

میں وہ نہیں ہوں کہ اُس بت سے دل مرا پھر جائے

پھروں جو اُس سے تو مجھ سے مرا خُدا پھر جائے — مصحفی

آپی کیا ہے اپنے گریباں کو ہم نے چاک آپی سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا — نظیر اکبرآبادی

خیالِ زلفِ بتاں میں نصیر پیٹا کر گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر — نصیر

اے دستِ جنوں چل تو گریباں کی طرف بھی اور جی میں ترے آئے تو داماں کی طرف بھی — رنگین

عام ہیں اُس کے تو الطاف شہیدی سب پر

تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا — شہیدی

رنگ عشرت باغِ عالم میں نظر آتا نہیں

گُل کو گُلچیں کا خطر بلبل کو غم صیاد کا — ناسخ

جنوں پسند ہے مجھ کو فضا ببولوں کی

عجب بہار ہے اِن زرد پھولوں کی — ولہٗ

رواجِ عشق کے آئین وہی ہیں کشورِ دل میں
رہ و رسمِ وفا جاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے
آتش

شوخ (محل نواب غازی الدین حیدر)

لے اُڑی طرزِ فغاں بلبلِ نالاں ہم سے — گُل نے سیکھی روشِ چاکِ گریباں ہم سے

دل لگانے کے تو اُٹھائے مزے — جی بلا سے رہا رہا نہ رہا — مومن

ہم نکالینگے سُن اے موجِ ہوا بل تیرا — اُس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہونگے — ولہٗ

منت حضرتِ عیسیٰ نہ اُٹھائینگے کبھی — زندگی کے لئے شرمندۂ احساں ہونگے

صبر یارب مری وحشت کا پڑیگا کہ نہیں — چارہ فرما بھی کبھی قیدیِ زنداں ہونگے

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی — پھر وہی پانوٗں وہی خارِ مغیلاں ہونگے

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن — آخری دور میں کیا خاک مسلماں ہونگے

قیس کا نام نہ لو ذکرِ جنوں جانے دو — دیکھ لینا ابھی مجھے تم موسمِ گُل آنے دو — برق

اے صبا جذب پہ جس دن دلِ ناشاد آیا — اپنی آغوش میں اُڑکر وہ پری زاد آیا — صبا

صوفیوں میں ہوں نہ رندوں میں نہ میخواروں میں ہوں
اے بتو بندہ خدا کا میں گنہگاروں میں ہوں
ظفر

چھوڑوں گا میں نہ اُس بُتِ کافر کا پوجنا — چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر — غالب

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں
ولہٗ

رنج سے خوگر ہو انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں
ولہٗ

کہہ دینگے ہم تو داورِ محشر سے صاف صاف

ولہٗ

اچھوں کو دل نے پیار کیا ہم نے کیا کیا

ہمارے سے مرنے تلک وہ نہیں [illegible]

ولہٗ

مجھ سے کہاں چھپینگے وہ ایسے کہاں کے ہیں

دل ٹوٹے تو اس تماشے کا یہ روزگار رہے ہے

ولہٗ

جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گذار دے

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس کا بھی امتیاز ——— آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر

وہ ہم سے خفا ہیں، ہم اُن سے خفا ہیں ——— مگر بات کرنے کو جی چاہتا ہے

دل مرا وابستۂ زنجیرِ زُلفِ یار ہے — محسن — ہے تو دیوانہ پر اپنے کام میں ہشیار ہے

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر — حالی — ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

وفا اغیار کی اغیار سے پوچھ — ولہٗ — مری الفت در و دیوار سے پوچھ

ہماری آہِ بے تاثیر کا حال — کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ

یارانِ تیز گام نے منزل کو جا لیا — ولہٗ — ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

کیفیتِ نگاہِ سرور آفریں نہ پوچھ — فانی — شبنم کو جس نے بادۂ عرفاں بنا دیا

نہیں یہ کہ بچتا بچاتا چلا جا — جگر مرادآبادی — محبت کی ہر چوٹ کھاتا چلا جا

گلشن پرست ہوں مجھے گُل ہی نہیں عزیز

ولہٗ

کانٹوں سے بھی نباہ کیے جا رہا ہوں میں

جگر کے اس شعر کا کیا کہنا، ایک روز یہ شعر میں نے مرزا ثاقب مرحوم کو سنایا، انھوں نے داد دی اور کہا سنئیے میں نے بھی یہی مضمون باندھا ہے، یہ کہا اور اپنا یہ شعر سنایا:ـ

نکہتِ گُل رہی پھولوں میں مگر رہ نہ سکی
بوئے تو کانٹوں میں رہا اور پریشاں نہ ہوا

اس شعر کا تغزل قابلِ داد ہے،

فکرِ منزل ہے نہ ہوشِ جادۂ منزل مجھے
جا رہا ہوں جس طرف لے جا رہا ہے دل مجھے — جگر مرادآبادی

اختر وہ ذوقِ عشرتِ رندانہ کیا ہوا — اختر تلہری — شام و سحر وظیفۂ قرآں ہے آج کل

کیسے کیسے بُت رہے پیشِ نظر — مجذوب — اللہ اللہ روز و شب لب پر رہا

عشق وہ کیا کہ جس میں جاں نہ گئی — عباس — درد وہ کیا جو لا دوا نہ ہوا

فسردگیٔ محبت کی اک علامت ہے — جعفر سہارنپوری — کہ حق میں غیر کے ہیں تجھ سے بدگماں رہنا

تنگ آ کر گردشِ ایام سے — فضا جالندھری — دل کو بہلاتا ہوں تیرے نام سے

اس وقت کس کو فکر ہے ساحل کی ہم نشیں
دریا بہاؤ پر ہے بہا جا رہا ہوں میں — فضلی

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا — فیض

جنونِ دل نہ صرف اتنا کہ اک گُل پیرہن تک ہے
قد و گیسو سے اپنا سلسلہ دار و رسن تک ہے — مجروح

اب تو جو شے ہے مری نظروں میں ہے ناپائدار
یاد آیا میں کہ غم کو جاوداں سمجھا تھا میں — حبیب احمد صدیقی

اے دل سرِ نیاز کو کیا قیدِ سنگِ در — دلہ — کعبہ ہی کیا بُرا ہے جو وہ آستاں نہیں

محبت کو دیوانگی جانتے ہیں ولہٗ محبت مگر پھر بھی کی جا رہی ہے

جانتا ہوں مآلِ عشق مگر ناشاد جان کر میں فریب کھاتا ہوں

نہ دنیا نہ عقبیٰ کہاں جائیے جذبی کہیں اہلِ دل کا ٹھکانا نہیں

اے موجِ بلا اُن کو بھی ذرا دو چار تھپیڑے ہلکے سے
کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفاں کا نظارہ کرتے ہیں ولہٗ

ہم کو نسبت ہے اُس گلستاں سے حیرت شملوی جس گلستاں کا خار بھی گُل ہے

آگے جبین شوق تجھے اختیار ہے خمار یہ دیر ہے، یہ کعبہ ہے، یہ کوئے یار ہے

کارہائے عاشق

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم ـــــ شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

من نقدِ عمر صرفِ رہِ یار کردہ ایم ـــــ کارے کہ کردہ ایم ہمی کار کردہ ایم

بنایا ہیں نے دلکش اور بھی نقشِ محبت کو وحشت وفا کا رنگ بھر کر اُس کی تصویرِ خیالی میں

[illegible]

تصویرِ قوی ہیئتم بر ہمہ در و دیوار ست ـــــــ از بسکہ پرورشِ نیافتی ز سودا سرِ بازار ست

نیست معشوقی ہمیں زلفِ چلیپا داشتن   ایضاً   دردِ سر بسیار دارد یار با دلہا داشتن

معشوق بھی انسان ہوتا ہے، کبھی کبھی وہ خود بھی گرفتارِ محبت ہو جاتا ہے، اس عالم میں اس پر جو گزرتی ہے، اس کا نقشہ نظیری اور غالب دونوں نے کھینچا ہے، ملاحظہ ہوں ان کی غزلیں :-

چشمش براہِ میرود مژگان نمناکش نگر   نظیری   در سینہ دارد آتشے پیراہنِ چاکش نگر
والہ کہ زلف انداختہ در گردنِ سیمینش بیں   خونے کہ مژگاں ریختہ بر دامنِ پاکش نگر
شرم از میاں انداختہ مہر از زباں بر داشتہ   گفتارِ بے پیشش ببیں رفتارِ بے باکش نگر
از کوئے معشوق آمدہ شوریدگاں در حلقہ اش   از صیدِ آہوئی رسد شیراں بہ فتراکش نگر

در گریہ از بس نازکی رخ ماندہ بر خاکش نگر   غالب
واں سینہ سودن از تپش بر خاکِ نمناکش نگر

برقے کہ جانہا سوختے دل از جفا سر دشمن بیں
شوخے کہ خونہا ریختے دست از حنا پاکش نگر

آں سینہ کز چشمِ جہاں مانند جاں بودے نہاں
اینک بہ پیراہن عیاں از روزنِ چاکش نگر

آں کو بہ خلوت با خدا ہرگز نہ کردے التجا   نالاں بہ پیشِ ہر کسے از جورِ افلاکش نگر

غیر سے ملنے کو تیرے سُن کے گو ہم چپ رہے
پر سُنا ہوگا کہ تم کو اک جہاں نے کیا کہا ـــ قائم

نظیری اور غالب کی طرح سودا نے بھی ایک غزل کہی ہے جس میں انھوں نے معشوق کے گرفتار محبت ہونے کا نقشہ کھینچا ہے، اس غزل کا مطلع ہے : ؎

جو طبیب اپنا ہے دل اس کا کسی پر زار ہے
مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

ایضاً

جم گیا خون کفِ قاتل پہ تیرا میر زبس
اُن نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوتے دھوتے ـــ میر

نواب آصف الدولہ آصف

عجب عالم نظر آتا ہے معشوقوں کے رونے میں
ذرا دیکھو تو آصف شمع کے آنسو ڈھلکتے ہیں

اسی دن کو تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر ـــ وزیر

کوچے میں جو عشاق بہت آئے ہوئے ہیں ـــ مشتری ـــ وہ خوف سے بدنامی کے گھبرائے ہوئے ہیں

کس سوچ میں ہیں آئینہ کو آپ دیکھ کر ـــ انور ـــ میری طرف تو دیکھیے سرکار کیا ہوا

کسی کے عشق میں آفت ہے ان کا مبتلا ہونا
خدا جانے گذرتی ہوگی کیا کیا ان حسینوں پر

آتے تھے جو سُننے کو فسانہ مرے دل کا ـــ وہ جاتے ہیں ہاتھوں سے کلیجہ کو سنبھالے

دھویا ہزار اس بُتِ سفاک نے مگر ـــ دھبے ہمارے خون کے خنجر میں رہ گئے

میرے غم میں آنسوؤں کا تار رہنے دیجئے　وسیم　آپ جھوٹے موتیوں کا ہار رہنے دیجئے

میرے غم نے ہوش اُن کے بھی کھو دئے
وہ سمجھاتے سمجھاتے خود بھی رو دئے　آرزو لکھنوی

اللہ اللہ رے خمار ستم ــــــ لڑکھڑاتے ہیں پاؤں قاتل کے

ٹوکا جو بزمِ غیر سے آتے ہوئے انھیں　حسرت　کہتے نہ کچھ بنا وہ قسم کھا کے رہ گئے

کروٹیں کیوں بدل رہے ہیں حضور　اثر لکھنوی　ابھی آغاز ہے کہانی کا

تم بھی ہو جاؤ گے آزردہ محبت کر کے　شہید بدایونی　یہ بھی افتاد پڑے گی مجھے معلوم نہ تھا

افشائے رازِ عشق و محبت کے خوف سے
اُن انکھڑیوں کا گریۂ پنہاں نہ پوچھئے　جوش

مصائبِ عاشق

رنج و غم

سودائے سرِ بے سروساماں یکسو — شیخ ابوالحسن — اندیشۂ خاطرِ پریشاں یکسو
بے مہریِ چرخ و جورِ دوراں یکسو — اینہا ہمہ یکسو غمِ جاناں یکسو

زندگی دردِ سر ہوئی حاتم — حاتم — کب ملے گا مجھے پیا میرا

بجز اس کے کہ خوب رویئے اور — قائم — غمِ دل کا کوئی عِلاج نہیں

دیدنی ہے شکستگی دل کی — میر — کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

قسمت کیا ہر ایک کو قسّامِ ازل نے — ناسخ — جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا — غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

رحم آتا ہے مجھے اس نوجوانی پر تری — شہیدی — اے شہیدی رات دن کا رنج و غم اچھا نہیں

کہتے ہیں میرے دوست مرا حال دیکھ کر — صبا — دشمن کو بھی خُدا نہ کرے مبتلائے رنج

دردِ منت کشِ دوا نہ ہوا — غالب — میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا

آئے ہے بیکسیِ عشق پہ رونا غالب — ولہٗ — کس کے گھر جائیگا سیلابِ بلا میرے بعد

یادِ غم دل سے کبھی جاتی نہیں — تعشق — اب تو بھولے سے ہنسی آتی نہیں

مجھے غم سے اِس واسطے پیار ہے — کہ میرے بُرے وقت کا یار ہے

مرنے کا اپنے غم نہیں پر غم یہ ہے کہ غم — بیکس ہُوا، غریب ہوا، بے وطن ہوا

اشک بہے بہا کرے، درد بڑھے بڑھا کرے
لذّتِ سوزِ غم گھٹے، ایسا نہ ہو خدا کرے

بہت رہ چکے حضرتِ غم یہاں — جلیل — کرم کرتے اب اور گھر دیکھتے

دیکھوں ہجومِ غم میں وہ لے کس طرح خبر — اصغر — یہ اُس کا اِمتحاں ہے مرا امتحاں نہیں

اب کسی وقت کاوشِ غم سے — حیرت — کچھ سکوں ہو تو ہو نجات نہیں

خُدا کی دین ہے جس کو نصیب ہو جائے — اثر صہبائی — ہر ایک دل کو غمِ جاوداں نہیں ملتا

دردِ دل و دردِ جگر

کارم ز دورِ چرخ بہ ساماں نمی رسد — حافظ — خوں شد دلم ز درد و بدرماں نمی رسد

مرا در دیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد — —— — وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

در دستِ طبیب است علاجے ہمہ در دے — فغانی — در دے کہ طبیبم دہد آں را چہ علاجے

من ازیں دردِ گرانمایہ چہ لذّت یابم — عرفی — کہ باندازۂ آں صبر و ثباتم دادند

اے کہ فکرِ چارۂ بیماریِ دل میکنی — صائب — نسبتِ خود را بہ چشمِ یار باطل میکنی

ہیں اپنے دردِ دل کہنے کے صدقے — فغان — ترے سُن سُن کے چُپ رہنے کے صدقے

دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا — قائم — آہ چُپ بھی رہا نہیں جاتا

کہیں کہیں دوسرا مصرعہ یوں دیکھا ہے: ؎

بے کہے بھی رہا نہیں جاتا

اس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہو الٰہی شتاب ہو — سودا

ہائے اُس زخمیِ شمشیرِ محبت کا جگر   میر   درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہو

اک ہوک سی دل میں اُٹھتی ہے، اک درد جگر میں ہوتا ہے
ولہٗ
ہم راتوں کو اُٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے

کون سے زخم کا کھلا ٹانکا   ضیا   آج پھر دل میں درد ہوتا ہے

اب تو اس دردِ دل کی تاب نہیں   مصحفی   مصحفی کچھ دوا کیئے ہی بنی

کہیں تو کیا کہیں اور بن کہے کیسے دوا ہوئے
مومن
بڑی مشکل پڑی کیا چارۂ دردِ نہاں کیجے

خدا ہی خیر کرے آج رنگ بے ڈھب ہے   قلق   ٹپک رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا

فغاں ہیں، آہ ہیں، فریاد ہیں، شیون ہیں، نالے ہیں
داغ
سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے ہیں

علاجِ دردِ دل تم سے مسیحا ہو نہیں سکتا   ولہٗ   تم اچھا کر نہیں سکتے بس اچھا ہو نہیں سکتا

ایک دم بھی کسی کروٹ نہیں ملتا آرام   منی بائی حجاب   ہائے بےچین ہیں ہم دردِ جگر سے کیا کیا

اِک عمر چاہیئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق   حالی   رکھی ہے آج لذّتِ دردِ جگر کہاں

ایک دفعہ میں نے مرزا ثاقب مرحوم سے استدعا کی کہ حالی کا کوئی شعر سنائیں، مرزا صاحب مرحوم نے یہی شعر سنایا اور اس کی تعریف کی،

علاجِ شدتِ دردِ جگر کرے کوئی   انجم   جنہیں خبر نہیں اُن کو خبر کرے کوئی

نہایت شدتِ دردِ جگر ہے   ولہٗ   مسیحا کچھ ہماری بھی خبر ہے

ترے درد کا دلِ ناتواں شبِ غم علاج میں کیا کروں
ولہٗ
نہ طبیب ہوں کہ دوا کروں نہ فقیر ہوں کہ دعا کروں

یوں ہی راتوں کو تڑپینگے یوں ہی جاں اپنی کھوئینگے
تری مرضی نہیں اے دردِ دل اچھا نہ سوئینگے — شاد عظیم آبادی

دردِ دل داستان ہے گویا — جلیل — جی بہلنے کو لوگ سُنتے ہیں

متاعِ زیست کیا ہم زیست کا حاصل سمجھتے ہیں
جسے سب درد کہتے ہیں اُسے ہم دِل سمجھتے ہیں — اصغر

کیا بتاؤں دل کہاں ہے اور کس جا درد ہے
میں سراپا دل ہوں، دل میرا سراپا درد ہے — ناطق
اپنا اپنا حال کہہ لینے دو ناطق سب کو تم
جانتا ہے وہ کہ کس کے دل میں کتنا درد ہے

میں اپنے دل سے کہتا ہوں کہ اب تو درد کچھ کم ہے
مرا دل مجھ سے کہتا ہے کہ اکثر یوں بھی ہوتا ہے — آسی آلدنی

وہ بھی چاہا کیئے مگر نہ ہوئی — فانی — آج تسکینِ دردِ دل فانی

نہیں کہ درد نہیں میرے دل میں اے نیّر
مگر یہ ہے کہ اب احساسِ درد کچھ کم ہے — نیّر

ہم تو یہ کہہ نہیں سکتے ہیں مگر ہوتا ہے — بیدل عظیم آبادی — درد سینے میں کہاں اور کدھر ہوتا ہے

بیانِ دردِ دل میں ہے مگر لطفِ بیاں اب تک — حبیب احمد صدیقی — ہوئی مدت کہ دل میں درد باقی ہے نہ بیتابی

زخمِ دل و زخمِ جگر

از وے بپرس کہ انگشتہاش پُر خون است — سعدی — ز من مپرس کہ از دستِ اُو دلم چون است

جراحتِ جگرِ خستگاں چہ می پُرسی — خسرو — زغمزہ پُرس کہ ایں شوخی از کجا آموخت

کے بہ ہر نا محرمے چاکِ جگر خواہم نمود — صائب — منکہ زخمِ خود نہاں از چشمِ سوزن داشتم

جز خارِ غم نرُست زگلزارِ بختِ ما — جمیلہ — آں ہم خلید در جگرِ لخت لخت ما

زخمِ دل مظہر مبادا بہ شود آگاہ باش — مظہر جانجاناں — کایں جراحت یادگارِ ناوکِ مژگان اوست

ایں دلِ چاک چاک را یا زِ کرم دوا بکن
یا قدرے فزوں ازیں تا نکند دوا طلب

پہلو بشگافید و ببینید جگر را — غالب — تا چند بگویم کہ چناں ہست و چناں نیست

زخمِ دل ہونے دے ناسور نہ کر اس کا علاج — داؤد — درد میں جو کہ مزا ہے نہیں درماں کے بیچ

حساب اصلا نہ پوچھے مجھ سے میرے دل کے زخموں کا
حسابِ دوستاں در دل اگر وہ دلربا سمجھے — ذوق

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذّت زخمِ سوزن میں نہیں — غالب

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی — ولہٗ — یا رب اُسے لکھ دیجیو قسمت میں عدو کی

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذتِ فراغ — ولہٗ — تکلیفِ پردہ داریٔ زخمِ جگر گئی

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق — ولہٗ — سامانِ صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

ہر جگہ چبھ چبھ کے نوکیں رہ گئیں سوفار کی — ارشد — گود پھولوں سے بھری ہے زخمِ دامن دار کی

ظاہر میں تو کچھ چوٹ نہیں کھائی تھی ایسی — آسی غازیپوری — کیوں ہاتھ اٹھایا نہیں جاتا ہے جگر سے

لہو تھمتا نہیں زخمِ جگر کا — حبیب — نہ اچھے ہونگے اب اے چارہ گر ہم

ہمیں کہتی ہے دنیا زخمِ دل زخمِ جگر والے — سائل — ذرا تم بھی تو دیکھو تم بھی ہو آخر نظر والے

موجۂ گل کی روانی گرد تھی   اثرؔ   وہ لپکنا زخمِ دامن دار کا

سنگِ طفلاں

کودکاں سنگ بکف بر سرِ راہند غنی   غنیؔ   خواہم ایں قرعہ بنامِ منِ دیوانہ فتد

می رمد از سادہ لوحیہا دل از غوغائے شہر   ناصر علیؔ
سنگِ طفلاں صندلِ دردِ سرِ دیوانہ بود

سنگہا در دستِ طفلاں ماند چوں دُر در صدف   خالصؔ
من نمیدانم کجا رفتند ایں دیوانہا

دیوانہ براہے رود و طفل براہے   ولہٗ   یاراں مگر ایں شہر شما سنگ ندارد

بجائے سنگ طفلاں پارہ ہائے شیشہ باید زد   مظہر جانجاناںؔ
چو مظہر میرزا دیوانۂ نازک طبیعت را

بغیر خشت کتابے بدستِ طفلاں نیست   ولہٗ   خراب ساختہ دیوانۂ تو مکتبہا

سرم از سنگِ طفلاں لالہ زار است   ولہٗ   جنوں گُل کرد ایّامِ بہار است

زود دکانِ خود اے شیشہ گراں تختہ کنید   ولہٗ
فوجِ طفلاں بہ قفائے مظہر ما می آید

یا رب چہ سازد با سنگِ طفلاں   واقفؔ   نازک دلِ من مینا دلِ من

گوناگوں

ماجرائے دل نمی گویم زِ کس   سعدیؔ   آبِ چشمم ترجمانی میکند

زینِ دلِ خود کام کارِ من بہ رُسوائی کشید　　خسرو　　خسروا فرمانِ دل بُردن ہمیں بار آورد

امیر خسرو نے جب خانِ شہید کی ملازمت کی تو حسن بھی اُن کے ساتھ ملازم ہوئے، دونوں کے تعلقات اور محبت کا چرچا زیادہ پھیلا تو لوگوں نے خان شہید سے شکایت کی، امیر خسرو نے اس سلسلے میں ایک غزل کہی، شعرِ مندرجہ بالا اُسی غزل کا مقطع ہے، خان شہید نے بدنامی کے خیال سے حسن کو امیر خسرو سے ملنے سے منع کر دیا، لیکن کچھ اثر نہ ہُوا، خان شہید نے حسن کے ہاتھ پر کوڑے لگوائے، حسن سیدھے امیر خسرو کے پاس گئے، خان شہید کو اُسی وقت پرچہ لگا، نہایت متحیر ہُوا، اور امیر خسرو کو بلوا بھیجا، آئے تو پوچھا کیا حال ہے، امیر خسرو نے آستین سے ہاتھ نکالا اور کہا: ؎

گواہِ عاشقِ صادق در آستیں باشد

خان شہید نے دیکھا تو جہاں حسن کے کوڑے لگے تھے وہیں امیر خسرو کے ہاتھ پر بھی کوڑے لگنے کے نشانات تھے،

شبِ تاریک بیمِ موج و گردابے چنیں ہائل (ہولناک)　　حافظ　　کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا

من از بیگانگاں ہرگز ننالم　　ولہٗ　　کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

بختِ حافظ گر ازیں گونہ مدد خواہد کرد　　ولہٗ　　زلفِ آں شوخ بدستِ دگراں خواہد بود

ایں زماں بے نسبتم سنجر وگرنہ پیش ازیں
دستِ من در زلفِ او گستاخ تر از شانہ بود　　سنجر

جہاں بگشتم و دردا بہ ہیچ شہر و دیار　　عرفی　　نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

مُردم از شرمندگی تا چند با ہر ناکسے　　نظیری　　مردمت از دور بنمایند و گویم یار نیست

فغاں کہ بندِ قبائے تو باز خواہد شد　　ولہٗ　　کہ بادہ بے ادب افتاد و صبا گستاخ

سوزی چه مرگ می طلبی از خدا که نیست — سوزی — آسودگی نصیبِ تو در زیرِ خاک هم

طرّهٔ دلبر نیم تا کے پریشاں زیستن — ملا مرشد — چشمِ عاشق نیستم تا چند حیراں زیستن

آسیر از دوست پرسیدن چه حاجت — اسیر — سوالے را که دشنامش جواب است

روئے آسانی نہ بیند مطلبِ دُشوارِ ما — ظہوری — دردِ ما، درمانِ ما، آرامِ ما، آزارِ ما

زِ غیر می کنم از دستِ بیکسی صیدی — صیدی — تحملے که زِ معشوقِ خویش نتواں کرد

در فراقِ تو چناں لے بتِ محبوب کنم — مخلص کاشی — صبرِ ایوب کنم گریۂ یعقوب کنم

مضمون نے اس شعر کا ترجمہ اردو میں کیا ہے، اُن کا شعر آپ کو آگے ملیگا،

خندہ برجت زنم یا بہ جفا کاریِ دوست — کلیم — گریہ برخویش کنم یا بگرفتاریِ دل

از نالہ و فغانِ من آمد جہان بجاں — ضمیری — آن سنگدل نہ گفت کہ آیا فغانِ کیست

چوں نامۂ نیازِ ضمیری رسید خواند — پرسید بر سبیلِ تغافل ازانِ کیست

عاشق ز خلق عشقِ تو پنہاں چساں کُند — جانان بیگم دختر عبدالرحیم خانخاناں — پیدا است از دو چشمِ ترش خوں گریستن

پس از عمرے اگر حالِ منِ بیمار می پُرسد —— نمی پُرسد زِ من آن نیز از اغیار می پُرسد

ز شرحِ قصۂ ما خواب رفت از چشمِ خاصاں را
شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد

بیگانہ ہم بہ پرسشِ احوالِ ما رسید —— دردا کہ کارِ ما بہ محبت کجا رسید

اُنچہ رحم از دل برد تاثیرِ فریادِ من است
اُنچہ نسیاں آورد خاصیتِ یادِ من است

نہ قاصدے نہ پیامے نہ مُرغِ نامہ برے —— کسے زِ بیکسیِ ما نمی برد خبرے

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ درخت سایہ دارم —— ہمہ حیرتم کہ مارا بچہ کار کشت دہقاں

سراغِ یک نگاہِ آشنا از کس نمی یابم ـــــ جہاں چوں نرگستاں بے تو شہر کور می ماند

بروزِ بیکسی کس نیست غیر از سایہ یارِ من ـــــ مگر آں ہم ندارد طاقت شبہائے تارِ من

افسوس کہ کارِ مشکل افتاد ـــــ قتلم بہ رضائے قاتل افتاد

از بہارِ دیگراں گلہائے باغم تازہ شد   فطرت کاشی   ہر کرا دیدم کہ داغے داشت داغم تازہ شد

سرِ شوریدہ و جانِ خرابے   نسبتی   چہ می پرسی سروسامانِ مارا

می رسی و خشک می گردد زبانِ گفتگو   ولہ   می روی و می تراود از لبم گفتارہا

خندہ خندہ ہیچ گہ حالم نمی پرسی بناز   ولہ   گریہ گریہ آبروئے دیدۂ خونبار رفت

پارۂ دل بر جگر لختے جگر بر روئے دل   ولہ   پارہا را دوختم اما پریشاں دوختم

میانِ نور و ظلمت عالمے دارم نمی دانم   صائب   کہ شامم صبح یا صبحِ امیدم شام می گردد

ببوئے صبحدم گریاں چو شبنم در چمن رفتم   ولہ   نہادم رو بروئے گل و از خویشتن رفتم

جاں بہ لب از ضعف نتواند رسید   غنی   ما بزورِ ناتوانی زندہ ایم

کبابِ آتشِ عشقم ندارم ہیچ دلسوزے   ولہ   کہ گرداند مرا ہر لحظہ پہلوئے بہ پہلوئے

آں شوخ نظر بمن ندارد چہ کنم   سرمد   آہ دلِ من اثر ندارد چہ کنم

با آنکہ ہمیشہ در دلم می ماند   از حالِ دلم خبر ندارد چہ کنم

غمِ عالم فراواں ست و من یک غنچہ دل دارم
چہ ساں در شیشۂ ساعت کنم ریگِ بیاباں را   عالمگیر

نورِ بہار آخر شد و ہر گل بفرقے جا گرفت
غنچۂ باغ دلِ ما زیبِ دستارے نشد   زیب النساء

مارا نبود طاقتِ برخاستن از جا   یقین   داغیم بہر جا کہ نشستیم نشستیم

داغؔ کا مصرعہ "حضرتِ داغؔ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے" اس شعر کے دوسرے مصرعہ کا لفظی ترجمہ معلوم ہوتا ہے، یہ محض امرِ اتفاقی ہے، داغؔ کو اتنی فرصت کہاں تھی کہ یقینؔ کا کلام دیکھتے، یہ یقینؔ اردو شاعری والے یقینؔ نہیں ہیں، ان کو افتخارؔ نے تذکرہ "بینظیر" میں ایک درویش مستغنی مزاج لکھا ہے،

قتلِ عام ختم ہوچکا تھا اور محمدؔ شاہ و نادرؔ شاہ میں صلح ہوچکی تھی، محمدؔ شاہ نے نادرؔ شاہ کے اعزاز میں شاندار ضیافت کی، مجلسِ رقص و سرود بھی برپا ہوئی نورؔ بائی ایک سحر طراز رقاصہ تھی، اُس کا گانا سُن کر نادرؔ شاہ پر حالتِ وجد طاری ہوئی اور پکار اٹھا:- "نور بائی روئے ہندوستان سیاہ کن، بیا کہ ترا ایران ببریم" نور بائی کی روح کانپ اُٹھی کہ نہ جانے ایران جانے پر کیا حشر ہو، اس نے اپنے ہوش و حواس کی شیرازہ بندی کی اور یہ اشعار پُرلطف انداز سے گائے:-

من شمعِ جاں گدازم تو صبحِ دلکشائی
سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی

نزدیکت ایں چنینم دور آں چناں کہ گفتم
نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

نادرؔ شاہ اس لطیف جواب کو سُن کر خوش ہوا، انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا اور اپنا ارادہ ترک کر دیا،

آصف جاہ اوّل، آصفؔ

حالِ خود را از طبیبانِ جہاں آصفؔ مگو
دردِ عشقِ یار دارد ذوقِ درمانے دگر

بر اوجِ بیکسیِ ما پرِ ہما نہ رسد
رسیدہ ایم بجائے کہ کس بما نہ رسد
انجام

مگوئید آہ پیشِ من مگوئید مظہرِ جانجاناں کہ معشوقِ کسے عاشق نواز است

سوزِ دل را از بنِ ہر مو نمایاں کردہ اند
ایں جفا جویاں مرا سر و چراغاں کردہ اند ولہٗ

تہمت زدہ ام کرد بہ عشقِ دگرے کاش
پرسند کہ غیر از تو بعالم دگرے ہست ولیؔ

بہرِ تو شنیدہ ام سخنہا ولہٗ شاید کہ تو ہم شنیدہ باشی

نہ تبسمے نہ لطفے نہ تکلمے نہ حرفے میرؔ آئی بلگرامی بچساں کنم تسلی دلِ بے قرار خود را

خلشِ نشترِ غم در رگِ جاں است کہ بود
چشمۂ خوں زِ دل و دیدہ رواں است کہ بود

جانِ غالبؔ تابِ گفتارے گماں داری ہنوز غالبؔ سخت بے دردی کہ می پرسی ز ما احوالِ ما

ما و خاکِ رہگذر بر فرقِ عریاں ریختن ولہٗ گل کسے جوید کہ او را گوشۂ دستار ہست

گر دہم شرحِ ستمہائے عزیزاں غالبؔ ولہٗ شرطِ امید ہمانا نہ جہاں برخیزد

قسمت نگر کہ با دلِ چاکم برابر ست ولہٗ جیبے کہ مدعی بہ ہوس پارہ میکند

غالبؔ بہ چنیں کشاکش اندر ولہٗ یا حضرتِ بوترابؓ تا کے

فرض کردم کہ بزلفش نہ فروشم دل و دیں شبلیؔ در بغارت بر د آں نرگسِ فتاں چہ کنم

قصۂ دل نگفتنی ست درد جگر نہفتنی ست اقبالؔ خلوتیاں کجا برم لذتِ ہائے ہائے را

ار نمی گوید زبانم حالِ دل آزادؔ رنگِ رویم ترجمانی می کند

چو شمعِ سوزاں چو ذرہ حیراں زمہرِ آں مہ بگشتم آخر
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں خسروؔ

کہے تھے پیا بن صبوری کرو　قطب شاہ　کہا جائے اما کیا جائے ناں

یوں آبرو بنائے دل میں ہزار باتیں　آبرو　جب تیرے آگے آئے گفتار بھول جائے

مضمون کے کے زمانے میں ایک امیر باہر سے محل میں آئے، پلنگ پر لیٹ گئے
اور حقہ طلب کیا، ایک بڑھیا ماما نئی نئی نوکر ہوئی تھی وہ حقہ بھر لائی اور اُسے
سامنے رکھا، امیر کی زبان پر اُس وقت مضمون کا یہ شعر تھا: ؎

ہم نے کیا کیا نہ تیرے عشق میں محبوب کیا
صبرِ ایوب کیا، گریۂ یعقوب کیا

ماما سُن کر بولی "الٰہی تیری امان! اس گھر میں تو آپ ہی پیغمبری وقت
پڑ رہا ہے، بیچارے نوکروں پر کیا گذریگی، چلو بابا یہاں سے" یہ کہہ
کر چل دی، "پیغمبری وقت" والا جملہ کس قدر فصیح ہے!

یا ور اگر تجھے نہیں آتا تو دیکھ لے　فغاں　آنسو ڈھلک گئے کہیں لخت جگر کہیں

ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو　حاتم　اب تلک سر ہے خجالت سے گریباں کے بیچ

رقیباں کی نہ کچھ تقصیر ثابت ہے نہ خوباں کی
مجھے ناحق ستاتا ہے یہ عشق بدگماں اپنا　مظہر جانجاناں

حجاب عشق اگر حائل نہ ہوتا　میر حسن　تو ملنا یار کا مشکل نہ ہوتا

کروں شکوہ تو بے وسواس میں اُس کے نہ آنے کا
نہ ہو دھڑکا مرے دل میں جو اُس کے روٹھ جانیکا　ولہٗ

کب میں گلشن میں باغ باغ رہا　ولہٗ　میں تو جوں لالہ داغ داغ رہا

قمار محبت میں بازی سدا　ولہٗ　وہ جیتا کیا اور میں ہارا کیا

نہ میں شمع ساں سر بسر جل گیا | ولہٗ | سراپا محبت میں گھر جل گیا
اس زمانے میں اے حسن مت پوچھ | ولہٗ | ہے محبت کہاں کہاں اخلاص
کیا ہنسے کیا خاک کوئی رو سکے | ولہٗ | دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

کس سے پوچھوں حال میں باشندگانِ دل کا ہائے
ولہٗ
اس نگر کے رہنے والے کس نگر کو اُٹھ گئے

شائستۂ دنیا نہ سزاوار ہوں دیں کا | قدرت | اے وائے میں قدرت نہ اِدھر ہوں نہ اُدھر ہوں
ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نادم | قائم | کیا کروں پر رہا نہیں جاتا
قسمت کو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی جا کمند | ولہٗ | دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

کہیں کہیں یہ شعر یوں بھی دیکھا ہے :-

قسمت کو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند | | کچھ دُور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
قائم آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تیری | ولہٗ | مر چکے ہیں اِسی آزار میں بیمار بہت
ہوس ہے عشق کی اہلِ ہوا کو ہم تو میاں | ولہٗ | سُننے سے نام محبت کا زرد ہوتے ہیں
مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے | ولہٗ | جو گذرے ہے مجھ پر خدا جانتا ہے
دُنیا میں ہم رہے تو بہت دن پر اس طرح | ولہٗ | دشمن کے گھر میں جیسے کوئی میہماں رہے
جس چشم نے مجھ طرف نظر کی | سوداؔ | اُس چشم کو میں پُر آب دیکھا
تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا | ولہٗ | لذّت کو اسیری کے کر یاد بہت رویا
سوداؔ سے یہ میں پوچھا دل میں بھی کسی کو دُوں | | وہ کر کے بیاں اپنی روداد بہت رویا
کرتے ہیں اسیرِ قفس و دام بھی فریاد | ولہٗ | لے سکتے نہیں سانس گرفتارِ محبت
ہر جرم کو ہے عفو ترے عہد میں ظالم | | گردن زدنی ہے سو گنہگارِ محبت

اے لالہ گو فلک نے دیئے تجھ کو چار داغ — ولہٗ — چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

یوں دیکھتا ہوں اُس ستم ایجاد کی طرف — ولہٗ — جوں صید وقتِ ذبح کے صیاد کی طرف

دل کو تو سو طرح سے دِلاسا دیا کروں — ولہٗ — آنکھیں جو مانتی نہیں سو اس کو کیا کروں

میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقول دردؔ — ولہٗ — جو کچھ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

جی تنک تو دے کے لوں میں کہ ہو کارگر کہیں
ولہٗ
اے آہ کیا کروں نہیں لگتا اثر کہیں

ظاہر میں دیکھنے کے تو اسباب بھی نہیں — ولہٗ — آوے مگر وہ خواب میں سو خواب بھی نہیں

دل کے ٹکڑوں کو بغل کے بیچ لئے پھرتا ہوں
ولہٗ
کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

جس سے پوچھا کہ دل خوش ہے کوئی دنیا میں
ولہٗ
رو دیا اُن نے اور اتنا ہی کہا کہتے ہیں

فکرِ معاش، ذکرِ بتاں، یادِ رفتگاں — ولہٗ — اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے

پڑا ہے پالے ایک ایسے کے دل کہ جو ناداں — ولہٗ — وفا کی راہ نہ رسمِ ستمگری جانے

کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو یار آتا — میرؔ — سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

تاب کس کو جو حالِ میرؔ سنے — ولہٗ — حال ہی اور کچھ ہے مجلس کا

فغاں مجھ مست میں پھر خندۂ قلقل نہ ہوئیگا — ولہٗ — مئے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے روئیگا

+ یاں کے سپید و سیہ میں اپنا دخل جو ہے سو اتنا ہے
ولہٗ
رات کو رو رو صبح کیا اور دن کو جوں توں شام کیا

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا — ولہٗ — دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

سب ہوئے نادم پئے تدبیر ہو جاناں سمیت — ولہٗ — تیر تو نکلا میرے سینے سے لیکن جاں سمیت

جی میں تھا اس سے ملئے تو کیا کیا نہ کہئے میر
پر جب ملے تو رہ گئے ناچار دیکھ کر — ولہٗ

گھر سے اُٹھ کر کوچے میں بیٹھا بیت پڑھے دو باتیں کیں
کس کس طور سے اپنے دل کو اس بن میں بہلاتا ہوں — ولہٗ

بھری آتی ہیں آج یوں آنکھیں — ولہٗ — جیسے چشمے کہیں ابلتے ہوں

بھرے رہتے ہوں ہر دم پھول ہی جس کے گریباں میں
وہ کیا جانے کہ ٹکڑے ہیں جگر کے میرے داماں میں — ولہٗ

نامرادانہ زیست کرتا تھا — ولہٗ — میر کی وضع یاد ہے ہم کو ×

اب حالِ دل ہے اُن کے لحاظ — ولہٗ — کیا پوچھتے ہو الحمدُ للّٰہ

کیا کروں شرح خستہ جانی کی — ولہٗ — میں نے مر مر کے زندگانی کی

مقدور بھر تو ضبط کروں ہوں پہ کیا کروں
دل سے نکل ہی جاتی ہے کچھ بات پیار کی — ولہٗ

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں — ولہٗ — اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی ×

میری تغییر حال کو مت دیکھ — ولہٗ — انقلابات ہیں زمانے کے ×

بہت سعی کیجے تو مر رہئے میر — ولہٗ — بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا — میر دردؔ — پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

نالہ فریاد آہ اور زاری — ولہٗ — آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا

اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی — ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا ✓

مژگانِ تر ہوں یا رگِ تاکِ بُریدہ ہوں — ولہٗ — جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

ہر شام مثلِ شام رہوں ہوں سیاہ پوش — ہر صبح مثلِ صبح گریباں دریدہ ہوں

اے دردؔ جا چکا ہے مرا کام ضبط سے — میں غم زدہ تو قطرۂ اشکِ چکیدہ ہوں

دردؔ اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے — ولہٗ — جو سانس بھی نہ لے سکے وہ آہ کیا کرے

میری تغییرِ حال پر مت جا — ولہٗ — یوں بھی اے مہرباں ہونا ہے

اگر آہ بھریئے اثر شرط ہے — ولہٗ — وگر ضبط کریئے جگر شرط ہے

میں نے پوچھا کل ضیاؔ سے دل کو کیدھر کھو دیا

ضیاؔ

اُن نے کوچے کو ترے بتلا کے ٹپ ٹپ رو دیا

تھی آشنا نہ تیغ سے اُس کی کمر ہنوز — مرزا محمد ولی ولیؔ — ہم تب سے ہاتھ پر لیے پھرتے ہیں سر ہنوز

دل تڑپے ہے اور دیدہ تکے راہ کسو کی — نظامؔ — یا رب نہ کسی دل کو لگے چاہ کسو کی

وہ برہمن بچہ افسوس کرے اے ہم نفساں — ہاشمیؔ — قصۂ درد مرا رام کہانی سمجھا

یار ہنستا ہے چشمِ تر کو دیکھ — ہوسؔ — گریہ ٹک اپنے تو اثر کو دیکھ

وہ تو سنتا نہیں کسی کی بات — تاباںؔ — اُس سے میں حال کیا کہوں تاباںؔ

انجان ہو تو اُس سے کہے کوئی حالِ دل — ولہٗ — جو جانتا ہو سب اُسے آگاہ کیا کروں

گئے نالے ترے برباد مانندِ جرس چپ رہ — ولہٗ — اثر دیکھا تری فریاد میں دل ہم نے بس چپ رہ

پگڑی اپنی سنبھالیے گا میرؔ — بقاؔ — اور بستی نہیں یہ دلّی ہے

نہ شہر بھاوے نہ صحرا لگے بھلا مجھ کو — طپشؔ — الٰہی بیٹھے بٹھلائے یہ کیا ہوا مجھ کو

تن پر میرے زخموں سے جاگہ نہیں خالی ہے — قیسؔ — اور ہائے ستم اُس نے پھر تیغ سنبھالی ہے

قتل کا تو نے جو حسرت کے کیا ہے ساماں — مرزا جعفر علی حسرتؔ — کچھ رہا ہے مگر اُس بے سر و ساماں میں ہنوز

کسے منظور تھا یوں تلخ کیجے زندگانی کو | ولہٗ | ولے کیا کیجیے حسرت بلائے ناگہانی کو
رات کو نیند ہے نہ دن کو چین | سوز | ایسے جینے سے اے خدا گذرا
ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا | ولہٗ | پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی
اشکِ خوں آنکھوں میں جم کر رہ گئے | ولہٗ | دور سے بھی دیکھنے سے ہم گئے
جو کچھ کہیں یہ تجھ کو یقیں ہے سزا تری | یقین | بندہ جو تو بتوں کا ہوا کیا خدا نہ تھا
کعبے بھی ہم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق | ولہٗ | اِس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

نواب آصف الدولہ آصف

بڑا چرچا بڑھیگا اس کا آصف | | ہر اک بے درد کو تو مت سُنا درد
لاکھوں جفا و جور سہے اُس سے لیک آہ | ولہٗ | جاتی نہیں ہے دل سے مرے چاہ کیا کروں

جو دیکھوں غیر سے باہم تو غیرت مار ڈالے ہے
اگر آنکھیں چراتا ہوں تو اُلفت مار ڈالے ہے
کہاں کی یہ بلا پیچھے پڑی یا رب کہاں جاؤں
مجھے تو رات دن یارو محبت مار ڈالے ہے
ولہٗ

گو دل سے زباں تک ہیں ہزاروں ہی گلے پر
کچھ منہ سے نکلتا ہی نہیں وقت ملے پر
جرأت

اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں | ولہٗ | تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں

جس کے غم میں آہ ہم آرام سے واقف نہیں
کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے واقف نہیں
ولہٗ

جب یہ سنتے ہیں وہ ہمسائے میں ہیں آئے ہوئے | ولہٗ | کیا در و بام پہ ہم پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے

گھر میں کیا بیٹھا ہے ظالم آتماشا تو بھی دیکھ　ولہٗ　کھینچ لائی ہے سرِ بازار رسوائی مجھے

غم بہت دنیا میں ہیں پر عشق کا غم اور ہے　ولہٗ　ہے اسی عالم میں لیکن اُس کا عالم اور ہے

نہ چھیڑ اے نکہت بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں　انشا

ہوں گرچہ بیگنہ پہ مجھے تیرے روبرو　مصحفی　سر کو جھکائے مثل گنہگار بیٹھنا

ایک صورت کے لئے اس عشق میں　ولہٗ　سیکڑوں صورت کی ہیں رسوائیاں

فلک گر ہنساتا ہے مجھ پر کسی کو　ولہٗ　میں ہنس کر فلک کی طرف دیکھتا ہوں

بات کرتا نہیں وہ شوخ کبھی بھولے سے　ولہٗ　جان کر ہم کو محبت کے گنہگاروں میں

دلہن بیگم (محل نواب آصف الدولہ)

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری سے کٹی　عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری سے کٹی

قسم ہے ایک عالم کو رُلا دیتا ہے اے رنگیں
وہ اُس کی جھڑکیاں کھا کر ترا مجبور ہو جانا　رنگین

ایسے ظالم کو دل دیا ہم نے　ولہٗ　آہ اللہ کیا کیا ہم نے

سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جُدا رہتا ہے انساں سے　ناسخ

ایام مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے
دن عیش کے گھڑیوں میں گذر جاتے ہیں　شہیدی

لگے منہ بھی چڑھانے دیتے دیتے گالیاں صاحب　آتش　زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

دوستوں سے اس قدر صدمے اُٹھائے جان پر　ولہٗ　دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

فرشِ گل بستر تھا اپنا خاک پر سوتے ہیں اب
خشت زیرِ سر نہیں یا تکیہ تھا زانوے دوست — ولہٗ

چھوٹ جائیں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں — ولہٗ

سانس دیکھی تنِ بسمل میں جو آتے جاتے — ولہٗ — اور چپکا دیا صیاد نے جاتے جاتے
بیکسی پیدا ہوئی میرے لئے — ولہٗ — میں بنا ہوں بیکسی کے واسطے
فائدہ عرضِ مدعا کر کے — ولہٗ — بات بھی کھوئی التجا کر کے
خوشی سے اپنی رسوائی گوارہ ہو نہیں سکتی — ولہٗ — گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے
کس درجہ تنگ ہوں ترے ہاتھوں سے اے جنوں — ولہٗ — لاؤں کہاں سے روز گریباں نئے نئے
نا لائقِ التفات و الطاف میّا برہانپوری میں ہی ہوں تمہیں تو کیا کہوں میں
اُٹھے نہ آنکھ ہلا دے نہ کوئی لب اللہ — ولہٗ — ہے جان دینا تو آسان پہ یہ ادب اللہ
اتنا ہمک ہمک کے جو اُٹھتے ہو خیر ہے — ولہٗ — لائق ہیں ہم تو قتل کے پر کچھ گناہ بھی
کیا کہیں ہجر بُرا اور وصال اچھا ہے — احسان — یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

نواب الٰہی بخش خاں معروف

دردِ سر میں ہے کسے صندل لگانے کا دماغ — اِس کا گھسنا اور لگانا دردِ سر یہ بھی تو ہے
کہیں کہیں پہلا مصرعہ یوں دیکھا ہے :— دردِ سر کے واسطے صندل بتاتے ہیں طبیب
کیوں سُنے عرض مومنِ مضطر — مومن — صنم آخر خدا نہیں ہوتا
یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا — ولہٗ — میں الزام اُس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا
اُس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل — ولہٗ — میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم — ولہٗ — منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی سے ہم
ٹھانی تھی جی میں اب نہ ملینگے کسی سے ہم — پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں — ولہٗ — سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

کرتے وفا امیدِ جفا پر تمام عمر — ولہٗ — پر کیا کریں کہ اُس کو سرِ امتحاں نہیں

یہ حالت ہے تو کیا حاصل بیاں سے — ولہٗ — کہوں کچھ اور کچھ نکلے زباں سے
خدا کی بے نیازی آہ مومن — ہم ایماں لاتے تھے جورِ بتاں سے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ولہٗ
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہونگے

نہ اٹھا گیا دل کے ہاتھوں سے تسکیں — تسکیں کہا اُس نے جو سب سُنا بیٹھے بیٹھے

یوں لائے واں سے ہم دلِ صد پارہ ڈھونڈھ کر
ذوق
دیکھا جہاں کہیں کوئی ٹکڑا اٹھا لیا

پھر مجھے لے چلا وہیں دیکھو — ولہٗ — دلِ خانہ خراب کی باتیں

نکالوں کس طرح سینے سے اپنے تیرِ جاناں کو
ولہٗ
نہ پیکاں دل کو چھوڑے ہے نہ دل چھوڑے ہے پیکاں کو

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے — ولہٗ — مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

ذوق کا یہ شعر کسی نے مرزا غالب کو سنایا، پوچھا کس کا شعر ہے، جواب
ملا ذوق کا فرمایا کیا ذوق بھی ایسا شعر کہہ سکتے ہیں، ذوق غالب نہ
رہے ہوں مگر پھر بھی ذوق تھے،

ستم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے — ولہٗ — جو اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اُس بت سے خدا سمجھے

کون پرساں ہے حال بسمل کا بیمار خلق منہ دیکھتی ہے قاتل کا
سانس آہستہ لیجیو بیمار ٹوٹ جائے نہ آبلہ دل کا

یوں تو مدت سے ہے الطاف و عنایات میں فرق
لیکن ایسا نہ ہو آ جائے ملاقات میں فرق ظفر

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آ سکے میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں ولہٗ

یہاں تو کہتے ہیں لائینگے ہم سب اُس کو کہہ سُن کر
وہاں جا کر میرے ہمدم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں ولہٗ

یہ کیا ستم ہے ہم کہیں رو رو کے اپنا حال
منہ اپنا پھیر پھیر کے وہ بیوفا ہنسے ولہٗ

کون سنتا ہے فغانِ درویش —— قہرِ درویش بجانِ درویش

بیقراری دل کی میں کیوں کر بتاؤں یار کو
سینے پر جب ہاتھ رکھتا ہے ٹھہر جاتا ہے دل مفتی صدرالدین خان آزردہ

میں اور ذوقِ بادہ کشی لے گئیں مجھے ولہٗ یہ کم نگاہیاں تری بزمِ شراب میں
ہو رہے ہیں جور ہفت افلاک کے —— امتحاں ہیں ایک مشتِ خاک کے
اجل بھی بے خبر ہے وہ بھی غافل —— کوئی رکھے کسی کا آسرا کیا
ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں غالب تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

× میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا ولہ

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب ولہٗ خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں ولہٗ شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائینگے کیا ولہٗ زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئینگے کیا

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ ولہٗ ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر

دیکھا ستم کہ درپئے جاں تھا جو فتنہ گر اب چپ ہے مجھ کو جان سے بیزار دیکھ کر

کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں ولہٗ لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب ولہٗ دل کا کیا حال کروں خونِ جگر ہونے تک

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل ولہٗ انساں ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے ولہٗ یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

مجھ پر جفا سے ترکِ وفا کا گماں نہیں ولہٗ اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحاں نہیں

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں ولہٗ عدو کے ہو لئے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

کوئی امید بر نہیں آتی ولہٗ کوئی صورت نظر نہیں آتی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی

موت کا ایک دن معین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے ولہٗ کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

نکتہ چیں ہے غمِ دل اُس کو سنائے نہ بنے ولہٗ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

مجبوری و دعوئ گرفتاریٔ اُلفت ولہٗ دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

زندگی اپنی جب اِس شکل سے گذری غالب ولہٗ ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ ولہٗ شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

آتشِ سوزاں میں یہ گرمی کہاں ولہٗ سوزِ غمہائے نہانی اور ہے

باتیں ہزار پیچھے بناتے ہیں بیٹھ کر عارف مقدور کیا کہ بول سکیں روبروئے دوست

رمز (ولیعہد بہادر شاہ)

ہوئی صورت نہ کچھ اپنی شفا کی دوا کی مدتوں برسوں دُعا کی

دیکھ او قاتل بسر کرتے ہیں کس مشکل سے ہم

چارہ گر سے دردِ نالاں، درد سے دل، دل سے ہم نسیم دہلوی

کیا حال تمہارا ہے ہمیں بھی تو بتاؤ شیفتہ بے وجہ کوئی شیفتہ اُف اُف نہیں کرتا

افسردہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ ولہٗ طاعت میں کچھ مزہ ہے نہ لذّت گناہ میں

جس لب کے غیر بوسہ لیں اُس لب سے شیفتہ ولہٗ کمبخت گالیاں بھی نہیں میرے واسطے

کس کس طرح ستاتے ہیں یہ بُت ہمیں نظام نظام ہم ایسے ہی ہیں جیسے کسی کا خدا نہ ہو

تم بھی وہی کہو تو کہے اک جہاں بجا سالک میں بھی وہی کہوں تو کہے اک جہاں غلط

تھی شکیبائی علاجِ اضطراب ولہٗ چارۂ رنجِ شکیبائی نہیں

عمر کٹنے کو کٹ گئی لیکن عیش ایک دن چین سے بسر نہ ہوئی

یاد ایّام کہ رہتے تھے کھنچے یار سے ہم

اب یہ عالم ہے کہ جھکنے لگے اغیار سے ہم اسیر

غصّہ آتا ہے پیار آتا ہے اشکی غیر کے گھر سے یار آتا ہے

نامہ مجھ سے وہ غیر کو لکھوائیں رنج میرٹھی یہ بھی لکھا مرے مقدر کا

محفل طرازیاں وہ کہاں اب تو کام ہے مجروح گھر میں پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

میری ہر بات مختصر سی بھی مفتون اُن کو اِک داستان ہے گویا

یہ قسمت نے اُس سے بھی محروم رکھا وحید جو میں آپ کو اک نظر دیکھتا تھا

دیکھتا ہوں اشک میں سُرخی وحید ولہٗ عِشق میں کیا خون ہو جاتا ہے دل

سب کو خبر ہوئی مرے حالِ تباہ کی ولہٗ اُٹھ جائیگی جہان سے اب رسم چاہ کی

کہتے تھے دل کسی سے لگاؤ نہ اے امیر امیر دیکھو تو چار روز میں کیا حال ہو گیا

شبنم کے اے امیر ملے ہیں مجھے نصیب ولہٗ گُل ہنس پڑیں چمن میں جو میں آبدیدہ ہوں

کبابِ سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں ولہٗ جو جل اُٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

کھاتے ہو قسم نہیں ہیں عاشق ولہٗ صورت تو امیر اپنی دیکھو

نہ سمجھا عمر گذری اُس بُتِ خودسر کو سمجھاتے
ولہٗ
سمجھ جاتا اگر اتنا کسی پتھر کو سمجھاتے

چلا تو ہوں پئے اظہارِ دردِ دل دیکھوں ولہٗ حضورِ یار مجالِ بیاں رہے نہ رہے

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر ولہٗ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

یاں دل میں خیال اَور ہے واں مدِ نظر اَور
داغ
ہے حال طبیعت کا اِدھر اور اُدھر اَور

اپنی نظر میں ہیچ ہے سارے جہاں کی سیر ولہٗ دل خوش نہ ہو تو کس کا تماشا کہاں کی سیر

کہنے دیتی نہیں کچھ مُنہ سے محبت تیری ولہٗ لب پہ رہ جاتی ہے آ آ کے شکایت تیری

دیکھئے کرتی ہے رسوائے زمانہ کیا کیا مجھ کو یہ چاہ مری تجھ کو یہ صورت تیری

نہ سمجھا عمر گذری اُس بُتِ خودسر کو سمجھاتے
ولہٗ
پگھل کر موم ہو جاتا اگر پتھر کو سمجھاتے

اُن کی فرمائش نئی دن رات ہے ولہٗ اور تھوڑی سی مری اوقات ہے

کیا بُری شے ہے محبت بھی الٰہی توبہ — ظہیر — جرم ناکردہ خطاوار بنے بیٹھے ہیں

گر اُنھیں ہے خوف عرضِ آرزو — تسلیم — دُور سے حالِ پریشاں دیکھ لیں

اک خُوسی ہوگئی ہے تحمل کی ورنہ اب — حالی — پہلا سا حوصلہ نہیں صبر و قرار کا

گرچہ الطاف کے قابل یہ دلِ زار نہ تھا — ولہٗ — لیکن اس جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا

رونا یہ ہے کہ آپ بھی ہنستے ہیں ورنہ یاں — ولہٗ — طعنِ رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا

قلق اور دل کا سوا ہوگیا — ولہٗ — دلاسا تمہارا بلا ہوگیا

ہوتی نہیں قبول دُعا ترکِ عشق کی — ولہٗ — دل چاہتا نہ ہو تو دُعا میں اثر کہاں

دھوم تھی اپنی پارسائی کی — ولہٗ — کی بھی تو کس سے آشنائی کی

جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج — ولہٗ — حالی اپنا کہا سُنا تونے

یارانِ تیز گام نے منزل کو جا لیا — ولہٗ — ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

واں رسائی ہے صبا کی اور نہ قاصد کو ہے بار
اُس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجئے — ولہٗ

نہ گرے اُس نگاہ سے کوئی — آسی غازیپوری — اور افتاد کیا مصیبت کیا

یقیں اُن کے وعدے پہ لانا پڑیگا — یہ دھوکا تو دانستہ کھانا پڑے گا

دہائی ہے دلِ دردآشنا دہائی ہے — کہ آہِ سرد پہ تہمت ہے دل دکھانے کی

بھول جانا اُنھیں محال سا ہے — ہر طرح سے بُھلا کے دیکھ لیا

کہاں جاؤں مفر اُس سے کہاں ہے — زمیں اُس کی اُسی کا آسماں ہے

نگہِ یاس سے ہر ایک کا مُنہ تکتے ہیں — حال دیکھا نہیں جاتا ترے بیماروں کا

بڑھتی جاتی ہے تمکنت اُن کی — کیفؔ — گھٹتا جاتا ہے اب وقار اپنا

کرکے اظہار بیکلی دل کی ——— بات کھوئی رہی سہی دل کی

مثالِ شمع کیا رونا تھا دشوار تہوّر اگر ہوتی مصیبت رات بھر کی

اللہ کس قدر رہِ مقصود دُور ہے ... پیکِ خیال راہ میں تھک تھک کے رہ گیا

کیا قید سے تم نے آزاد جن کو آغا وہ حسرت سے طوق و رسن دیکھتے ہیں

ہُوا ناوک کو نکلے اک زمانہ اختر بینائی کھٹک اب تک نہیں نکلی جگر سے

جان پر آگئی ہے اُلفت میں کوکب اب یہ دل کا معاملہ نہ رہا

مجھ کو تو صبر تھا ستم گاہ گاہ پر ذہین یہ بھی اگر بُرا ہے تو اچھا نہ کیجئے

دل کو راحت سی ہوتی ہے محسوس ——— سامنا ہے کسی مصیبت کا

دل دھڑکتا ہے اشک بہتے ہیں ——— ہائے ہم کس بلا میں رہتے ہیں

پہلے ہی اپنی کون سی تھی قدر و منزلت

پر شب کی منتوں نے تو کھو دی رہی سہی

روتے ہیں ہمیں دیکھ کے دشمن بھی ہمارے

آتی ہے مگر ایسی تباہی نہیں آتی

شکر پرواں زبان کٹتی ہے ——— شکوہ کرنے کی کیا مجال ہمیں

دل پر چوٹ پڑی ہے تب تو آہ لبوں تک آئی ہے

یوں ہی چھن سے بول اُٹھنا تو شیشہ کا دستور نہیں

تم شکل سے ہو ہماری بیزار محمود رامپوری اللہ اب ایسے ہو گئے ہم

جہاں رکھی گلے پر تیغ دم لینے نہیں دیتا صفدر رامپوری تڑپنے کا مزہ کھوتی ہے جلدی میرے قاتل کی

لڑتی تھی آنکھ اب نہیں ملتی نگاہ بھی کیفی حیدرآبادی وہ بھی نظر میں ہے مرے یہ بھی نظر میں ہے

کعبے بھی ہم گئے نہ گیا ان بتوں کا عشق
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں — حسرت عظیم آبادی

ہوتے ہوتے کم بس اتنی رسمِ اُلفت رہ گئی
اُن سے ہم سے دُور کی صاحب سلامت رہ گئی — مشفق عماد پوری

وہ مریضِ غم ہوں میں جس کو دوا آئی نہ راس
سر پہ جب صندل لگایا اَور دردِ سر ہوا

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام — اکبر الہ آبادی — وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا
دیکھنے سے شوق پیدا شوق سے پیدا طلب — ولہٗ — آفتِ دل آنکھ تھی دل آفتِ جاں ہو گیا
اک جھلک اُن کی دیکھ لی تھی کبھی — ولہٗ — وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا
زندگی سے اب طبیعت سیر ہے — ولہٗ — موت کیوں آتی نہیں کیا دیر ہے

کہاں لے جاؤں دل دونوں جہاں میں سخت مشکل ہے
اِدھر پریوں کا مجمع ہے اُدھر حوروں کی محفل ہے — ولہٗ

اَوروں کو اپنے ہاتھ سے لے کر کھلا دیا — ولہٗ — ہم سے کبیدہ ہو کے کہا پان لیجئے
نہیں معلوم ہنسنے والوں کو — بذتر — رونے والوں پہ کیا گذرتی ہے
ایک دن یہ ہیں کہ پابندِ سلاسل پاؤں ہیں — النسخ — ایک شب وہ تھی کہ تھی زُلفِ معنبر ہاتھ میں
مدّتیں گذری ہیں شغلِ میکشی چھوٹے ہوئے — سید مخدوم عالم اثر — وہ پڑے ہیں طاق پر جام و سبو ٹوٹے ہوئے

وہی ہم تھے نہ چھوڑا تار تک اپنے گریباں کا
وہی ہم ہیں کہ اب ٹکڑے لئے دامن کے بیٹھے ہیں — ریاض

ریاض احساس ہی مجھ کو نہیں ہے — ولہٗ — یہ فصلِ گُل ہے یا فصلِ خزاں ہے

کیا ڈھونڈتی ہے باغ میں میرے تو اے خزاں عبرت گورکھپوری تو جانتی ہے سب کے چمن میں بہار ہے
گرنے لگی ہے قیمتِ دل آنسوؤں کے ساتھ ثاقب لکھنوی کس نے اُلٹ دیا ورقِ اعتبار کو

اب افسردہ دلی کا رنگ پیش نظر ثاقب
اِن آنکھوں نے بہت سرگرمیاں دیکھی ہیں محفل کی ولہٗ

دل سے نزدیک ہیں آنکھوں سے بہت دور نہیں صفی مگر اس پر بھی ملاقات اُنھیں منظور نہیں
یوں تو تنہائی میں باتیں ہیں ہزار احسان شاہجہانپوری اُن کے مُنہ پر کچھ کہا جاتا نہیں
بہلا رہے ہیں اپنی طبیعت خزاں نصیب ولہٗ دامن پہ کھینچ کھینچ کے نقشہ بہار کا

رہے گا کس کا حصہ بیشتر میرے مٹانے میں
یہ باہم فیصلہ پہلے زمین و آسماں کر لیں برق دہلوی

مری مجبوریاں کیا پوچھتے ہو حفیظ جونپوری کہ جینے کے لئے مجبور ہوں
میں شمعِ بزم ہوں نہ چراغِ مزار ہوں جلیل راتیں مگر گذرتی ہیں سوز و گداز میں
میرے نصیب کی برگشتگی سہی لیکن بسمل ٹونکوی پھرا ہے مجھ سے زمانہ تری نگاہ کے بعد
کھا کے چرکے ہنسو یہ بات ہے اور آرزو لکھنوی آرزو دل ہی جانتا ہو گا
بیٹھے تکتے تو ہیں کنکھیوں سے ولہٗ یہ نہیں پوچھتے کھڑے کیوں ہو

آرزو اُس کا جینا کیا ہے ہاں دن پورے کرنا ہے
بیٹھا ہو جو آس لگا کر ان ہونی کے ہونے کی ولہٗ

دیدنی تھی ہم سے واماندوں کی شان بیکسی ولہٗ دور تک مُڑ مُڑ کے اہلِ کارواں دیکھا کئے

حُسن جب مقتل کی جانب تیغِ بُرّاں لے چلا
عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا حسن

کہ بیمار بھی ہیں مسافر بھی ہیں ــ نظر شاہ ــ اُٹھاتے ہو تم راستے سے ہمیں
دل یہ کہتا ہے کہ دیکھا کیجئے ــ افسر ــ مصلحت کا ہے تقاضا احتیاط
ایسے بگڑے کہ پھر جفا بھی نہ کی ــ حسرت ــ دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہوا
کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عمر ــ ہم سے اظہارِ مدّعا نہ ہوا
چھیڑ ناحق نہ اے نسیمِ بہار ــ ولہٗ ــ سیرِ گُل کا یہاں دماغ نہیں
یوں تو بربادیٔ دل ایک حقیقت ہے مگر ــ ولہٗ ــ تم جو افسانہ سمجھتے ہو تو افسانہ سہی

بجا ہیں کوششیں ترکِ محبّت کی مگر حسرت
جو پھر بھی دلنوازی پر وہ چشمِ سحرکار آئی ــ ولہٗ

خندۂ اہلِ جہاں کی مجھے پروا نہ تھی ــ ولہٗ ــ تم بھی ہنستے ہو مرے حال پہ رونا ہے یہی
یا ہماری ہی یہ قسمت ہے کہ محروم ہیں ہم ــ یا مگر اُن کی محبت کا نتیجہ ہے یہی
حُسن سے اپنے وہ غافل تھا میں اپنے عشق سے ــ ولہٗ ــ اب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مزے
دل میں کیا کیا تھے عرضِ حال کے شوق ــ ولہٗ ــ اُس نے پوچھا تو کچھ بتا نہ سکے

ستم ہو جائے تمہیدِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے
محبت میں بتا اے ضبطِ غم ایسا بھی ہوتا ہے ــ ولہٗ

اس ستمگر کو ستمگر نہیں کہتے بنتا ــ ولہٗ ــ سعیِ تاویلِ خیالات چلی جاتی ہے
بھول جانا اُنھیں محال سا ہے ــ ہر طرح سے بھُلا کے دیکھ لیا

وہ میری عرضِ تمنا پہ تیرا ہنس دینا ــ ناطق ــ وہ تیرے ہنسنے پہ میری ندامتیں مت پوچھ
مجالِ ترکِ محبت نہ ایک بار ہوئی ــ وحشت ــ خیالِ ترکِ محبت تو بار بار آیا
مرے آنسو تیری بیداد کا پردہ نہ کھولینگے ــ ولہٗ ــ عبث یہ بدگمانی ہے میں کب رویا کہاں رویا

رونا ہے التفات کا الطاف اک طرف ولہٗ اب تو وہ میرے درپئے آزار بھی نہیں

کسی کی دوستی بھی دشمنی سے کم نہیں وحشت
ولہٗ
کسی پر کوئی دو دن کے لئے یوں مہرباں کیوں ہو

اقبالؔ کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں اقبال معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

فقیر ہونے نے سب اعتبار کھویا ہے
قسم جو کھاؤں تو کہتے ہیں کیا گدا کی قسم

میں اب تو اے جنوں تیرے ہاتھوں سے تنگ ہوں
نیاز
لاؤں کہاں سے روز گریباں نئے نئے

دے رہے ہیں ضبط پر مژدہ مبارکباد کا اثر لکھنوی امتحاں منظور ہے شاید دلِ ناشاد کا

فریاد کا شنوا کوئی نہیں بیکس کا سہارا کوئی نہیں
ولہٗ
کچھ دیکھ لیا اس دنیا میں کچھ حشر میں دیکھا جائے گا

رات کچھ ایسی ہوک دل میں اٹھی ولہٗ اک گرہ رہ گئی جہاں دل تھا

ادھر سے آج وہ گزرے تو منہ پھیر کر ہوئے گزرے
ولہٗ
اب اُن سے بھی ہماری بیکسی دیکھی نہیں جاتی

دور سے گاہ گاہ ایک نگاہ ولہٗ اس کو بھی مدّتِ مدید ہوئی

پھر اثرؔ ہیں اور توجیہِ ستم ولہٗ پھر بڑھا ربط اُس بُتِ عیّار سے

اثرؔ کو وہ خنجر سے دھمکا رہے ہیں ولہٗ وہی اپنے سائے سے ڈر جانے والے

جب کہا اُس نے مدعا کہئے ولہٗ سوچتے رہ گئے کہ کیا کہئے

ہزاروں بار کوشش کر چکا ہوں آسی الدنی نہیں چھپتیں محبت کی نگاہیں

اب تک تو محبت میں وہ ساعت نہیں آئی
جس روز وہ رونے پہ مرے ہنس نہ دیا ہو — ولہٗ

وہ رعبِ حسن تھا کہ بن آئی نہ ہم سے بات
یوں دردِ دل کہا کہ نہ کہنا کہیں جسے — تلوک چند محروم

وہ شدت ہے تلاطم کی کہ اب جو کچھ ہے دریا ہے
مری کشتی بھی اک موجِ رواں معلوم ہوتی ہے — سیماب

ناکامِ ازل کی کامرانی معلوم — فانی — قسمت میں نہ ہو تو شادمانی معلوم
جینے سے مراد ہے تمنا شاید — ورنہ فانی کی زندگانی معلوم

بہلا نہ دل نہ تیرگیٔ شامِ غم گئی — ولہٗ — یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں

کچھ کٹی ہمت سوال میں عمر — ولہٗ — کچھ امیدِ جواب میں گزری

فانی کفِ قاتل میں شمشیر نظر آئی — ولہٗ — لے خوابِ محبت کی تعبیر نظر آئی

کیا عمر میں اک آہ بھی بخشی نہیں جاتی — ولہٗ — اک سانس بھی کیا آپ کے ناکام نہ لیتے

آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ اُمڈا آتا ہے
دل پہ گھٹا سی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برستی ہے — ولہٗ

آمادۂ فریاد رسی ہے وہ ستمگر — ولہٗ — فریاد کہ اب طاقتِ فریاد نہیں ہے

یا ترے محتاج ہیں اے خونِ دل — ولہٗ — یا انھیں آنکھوں سے دریا بہ گئے

لب پر جو شکوے آپ کے آ آ کے رہ گئے — ناظر — دل ہی میں ولولے دلِ شیدا کے رہ گئے

ٹوٹی ہوئی ناؤ دیکھتا ہوں — بیخود موہانی — دریا کا بہاؤ دیکھتا ہوں

اب تو یہ بھی نہیں رہا احساس — جگر مرادآبادی — درد ہوتا ہے یا نہیں ہوتا

کبھی دریائے بیتابی کا سینے میں سمٹ آنا
کبھی ہر اشک کے قطرے کا موج بیکراں ہونا ولہٗ

عجب انقلابِ زمانہ ہے مرا مختصر سا فسانہ ہے
یہی سر جو بار ہے دوش پر یہی سر تھا زانوئے یار پر ولہٗ

فسردہ خاطریٔ عشق اے معاذ اللہ ولہٗ خیالِ یار سے بھی کچھ شگفتگی نہ ہوئی

کس طرف جاؤں کدھر دیکھوں کسے آواز دوں
اے ہجومِ نامرادی جی بہت گھبرائے ہے ولہٗ

دل کو برباد کرکے بیٹھا ہوں ولہٗ کچھ خوشی بھی ہے کچھ ملال بھی ہے

ترا کرم کہ اجازت ہے گفتگو کے لئے راز چاندپوری مگر زبان کہاں شرحِ آرزو کے لئے

کہنے کو اُن سے کہہ تو گیا حالِ دل مگر اخترؔ تلہری کتنی ہوئی ہے مجھ کو ندامت نہ پوچھئے

سہیلؔ نکتہ داں کو ادعائے ہوشمندی تھا سہیلؔ ہوا اس دور میں آوارۂ دشتِ جنوں وہ بھی

اُف کیا مزہ ملا ستمِ روزگار میں ولہٗ کیا تم چھپے تھے پردۂ لیل و نہار میں

جو نظر آتے ہیں نہیں اپنے امجدؔ جو ہے اپنا نظر نہیں آتا

یہ میرا حال جس پہ ہنسی آ گئی تمہیں رضاؔ لکھنوی اکثر اسی نے ہنستے ہوؤں کو رُلا دیا

اس مصیبت کی بھی آخر انتہا ہے اے حیاتؔ
درد ہو اور ہنس کے دادِ سرخوشی لینا پڑے حیاتؔ لکھنوی

کوئی ہم سے نہ ہم کسی سے خوش اُمیدؔ امیٹھوی کون ہو ایسی زندگی سے خوش

ہر چند دردِ عشق کا درماں نہیں مگر شکیلؔ بدایونی بنتی نہیں ہے فکرِ مداوا کئے بغیر

یوں ہی فراقؔ نے عمر بسر کی فراقؔ گورکھپوری کچھ غمِ جاناں کچھ غمِ دوراں

اک مصیبت ہے وضعداری بھی حفیظ ہوشیارپوری بے وفا سے نباہ کرتے ہیں

تم سے مل کر خاطرِ ناشاد کیا مسرور ہو عندلیب شادانی اس قدر نزدیک ہونے پر بھی کتنے دور ہو

تری طرف سے دیا مدتوں فریبِ وفا ولہٗ دلِ حزیں مگر اب بدگمان ہے مجھ سے

زخم دل کے چھپا رہا ہوں میں ولہٗ کوئی میری ہنسی کو کیا جانے

آہ کی قدر اشک کی قیمت کوئی غم ناشناس کیا جانے

دل بھی صابر ہے زباں پر شکر کے کلمات بھی

شفیق جونپوری

میرے مالک میں علاجِ چشمِ گریاں کیا کروں

ستم دیکھتے ہیں کرم دیکھتے ہیں نشتر خانقاہی جو قسمت دکھاتی ہے ہم دیکھتے ہیں

اُس طرف اُن کی جفا ہے اور وہ ولہٗ اِس طرف میری وفا ہے اور میں

ہم سمجھتے تھے انہیں صاحبِ ایماں الیاس مؤلف تھا نہ معلوم کہ وہ دشمنِ ایماں ہونگے

یوں تو ہے یاد اُن کو اک اک بات ولہٗ مگر عہدِ وفا کو بھول گئے

مجھ پر گذر رہی ہے محبت میں کیا نہ پوچھ جعفر سہارنپوری بس مختصر یہ ہے کہ وفا کر رہا ہوں میں

اثر افسردگی میں یوں مرے لب پر تبسم ہے اثر صہبائی کہ جیسے پھول ہوں بکھرے ہوئے گورِ غریباں پر

جو بات دل سے تا بہ لب آئی نہ تھی کبھی

مزاج

مجبوریوں سے دل کی وہ افسانہ ہوگئی

کسی پابندِ غم کی زندگی کیا مسعود کبھی نالے کبھی فریاد کرنا

ہم کو ہماری موت بھی اب پوچھتی نہیں ولہٗ یوں زندگی کسی کی الٰہی بسر نہ ہو

وہ سلسلۂ حرف و حکایات نہیں اب حبیب احمد صدیقی ملتے ہیں مگر لطفِ ملاقات نہیں اب

ملنے کو تو ملتی ہیں نگاہیں سے نگاہیں وہ لطفِ سوالات و جوابات نہیں اب

ستم ہے اب بھی امیدِ وفا پہ جیتا ہے
وہ کم نصیب کہ شائستۂ جفا بھی نہیں   ولہٗ

اللہ اللہ کس قدر نازک ہے وہ دورِ حیات
جس میں پھولوں پر بھی کانٹوں کا گماں کرنا پڑے   شمیم جے پوری

ہم محبت بھی کریں ترکِ محبت بھی کریں   اثر بدایونی   کسی مذہب کسی ملت میں یہ دستور نہیں

مصائبِ عاشق کے سلسلے میں دو چار ہندی کے شعر بھی سن لیجئے :-

پریتم بسے پہاڑ پر ہم جمنا کے تیر ——— اب کی ملنا کٹھن بھیو کہ پاؤں پڑی زنجیر
جے سلگے تے بجھ گئے بجھے تے سلگے ناہیں ——— رحیمن داہی پریم کے بجھ بجھ کے سلگائیں
لکڑی جل کوئلہ بھیو و کوئلہ جل بھیو راکھ ——— میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئی نہ راکھ

ساجن ہم جو یہ جانتے پریت کئے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈھورا پیٹتی کہ پریت نہ کیجو کوئے

مشغلۂ عاشق

گریہ و زاری

گہ گریہ و گہ خندہ و گہ آہِ جگر سوز — عشرتی — اے عشرتی از وضعِ تو جاناں گلہ دارد

درمخزنِ جگر گہرِ چند جمع بود — دلال گشت دیدہ بہ داماں فروختم

شد ز اشکم رفتہ رفتہ دیدۂ گریاں سفید — می کند ابرِ سیہ را عاقبت باراں سفید

خاطر بہ خندۂ گُل و مل وا نمی شود — نظیری — غیر از گریستن غمِ دل را علاج نیست

وقتِ گریہ یاد روئش می کنم — نسبتی — خام کارم نقش می بندم بر آب

لب را گہے بخندہ نیالودہ ایم ما — تیر — تابودہ ایم گریہ کناں بودہ ایم ما

بیا و جوششِ تمنّائے دیدنم بنگر — غالب — چو اشک از سرِ مژگاں چکیدنم بنگر

تغافل ہائے یارم زندہ دارد ورنہ در بزمش
بجرمِ گریۂ بے اختیارم می تواں کشتن
— ولہٗ

ہنستے کیا ہو مرے رونے پہ اے دلدار بہوت
تم سلامت رہو بندے کے خریدار بہوت
— عزلت

تیرا حسن یہ رونا یوں ہی اگر رہے گا
ظالم تو پھر کسی کا کاہے کو گھر رہے گا
— میر حسن

جس جا پہ تم سے باتیں کی تھیں کھڑے ہو اک دن

جینے دیکھنا وہ جا کے بے اختیار رونا — ولہٗ

کبھی رونا کبھی سسکنا قدرت گذشتہ ایام اوقات محبت

اے ابر اپنے گریہ میں جس وقت جوش تھا

جو قطرہ اشک کا تھا سو طوفان فروش تھا — قائم

بھلا اے ابرِ مژگاں اب تو بس کر — ولہٗ — ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر

لختِ جگر آنکھوں سے ہر آن نکلتے ہیں — سودا — یہ دل سے محبت کے ارمان نکلتے ہیں

جو اس شور سے میر روتا رہے گا — میر — تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

مجھے کام ہر دم ہے رونے سے ناصح — میرے منہ کو کب تک تو دھوتا رہے گا

بس اے میر مژگاں سے پونچھ آنسوؤں کو — تو کب تک یہ موتی پروتا رہے گا

ہماری تو گذری اسی طرح میر — ولہٗ — یہی نالہ کرنا یہی زاریاں

ہنستا ہی میں رہوں جو مرا کچھ ہو اختیار

پر کیا کروں میں دیدۂ بے اختیار کو — ولہٗ

جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے — ولہٗ — اِس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے

اک ہوک سی دل میں اُٹھتی ہے اک درد جگر میں ہوتا ہے — جرأت

ہم راتوں کو اُٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے — ولہٗ

سرہانے میر کے آہستہ بولو — ولہٗ — ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

تھمتے تھمتے تھمینگے آنسو — رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

بعد مرنے کے مرے ہوگی مرے رونے کی قدر — میر درد — تب کہا کیجے گا لوگوں سے وہ برساتیں کہاں

اس طرح سے گھٹ جو آنسو نہیں تھمتے
معلوم ہوا درد کہیں آنکھ لوٹی ہے — ولہٗ

عجب احوال ہے تاباں کا تیرے — تاباں — کہ رونا رات دن اور کچھ نہ کہنا

روتے ہی اس کو گذرے ہے ہجر میں تیرے رات دن
حال میں کیا بیاں کروں حسرت بے قرار کا — مرزا جعفر علی حسرت

چین نا دن ہے ان آنکھوں کو نہ شب آرام ہے
شام سے تا صبح رونا صبح سے تا شام ہے — سوز

پلّو کو اپنے یقیں کی چشم گریاں پر نہ رکھ
مت کرائے گل آب جو میں دامن رنگیں خراب — یقین

بہت روئے تو اپنی جان کھوئی — آشفتہ — کسی کا ہم نے بتلاؤ لیا کیا

روئے ہے بات بات پر جرأت — جرأت — یہ گرفتار ہے کہیں نہ کہیں

ضبطِ گریہ تو ہے پر دل پہ جو اک چوٹ سی ہے
قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہیں دو چار ہنوز — راسخ

معالج ہو سکے اب کیا کوئی غمخوار رونے کا — مصحفی — کہ ان آنکھوں کو مدت سے ہے اک آزار رونے کا

آج اس بزم میں طوفان اُٹھا کے اُٹھے — مومن — یاں تلک روئے کہ اس کو بھی رُلا کے اُٹھے

گوہرِ اشک سے لبریز ہے سارا دامن — وزیر — آج کل دامنِ دولت ہے ہمارا دامن

یوں اگر روتا رہا غالب تو اے اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں — غالب

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل — ولہٗ — جب آنکھوں ہی سے نہ ٹپکے تو پھر لہو کیا ہے

آپ ہی آپ ایسے روئے نظام — نظام — دل میں کچھ دھیان آ گیا ہوگا

ایسا رونا نصیب ہو کس کو — ولہ — اشک پونچھیں وہ اپنے دامن سے

دیکھتا ہوں اشک میں سرخی وحید — وحید — عشق میں کیا خون ہو جاتا ہے دل

میری لگی بجھانے کو آتا ہے بار بار — امیر — ممنون ہوں میں گریۂ بے اختیار کا

تکیے پہ امیر سر کو رکھے — ولہ — پہروں گذرے کہ رو رہے ہیں

لگی دل کی بجھانے کو جہاں میں کون ہے ایسا
مگر اک گریۂ حسرت جو بے تابانہ آتا ہے — ولہ

کوئی امیر ترا دردِ دل سنے کیوں کر — ولہ — تو ایک بات کہے اور دو گھڑی روئے

دامن سے وہ پونچھتا ہے آنسو — محسن کاکوروی — رونے کا کچھ اور ہی مزا ہے

برنگِ آبلہ ہم پھوٹ پھوٹ کر روئے — جلال — کسی کا چھیڑ کے کچھ پوچھنا بھی نشتر تھا

رونا نہ ہوگا حالی شاید یہ کم تمہارا — حالی — جب دیکھو آنسوؤں سے دامن ہے نم تمہارا

ہے کوئی بات آج ہونے کو — ولہ — جی بہت چاہتا ہے رونے کو

گریۂ غم ہے کہ ساون کی جھڑی تا دمِ صبح
کوئی موسم ہو یہاں رہتی ہے برسات کی رات — آسی غازیپوری

بہت نہ رونے سے یہ نہ سمجھو کہ کم ہے جوشِ سرشکِ دل میں
یہ آنسوؤں کی کمی نہیں ہے رعایتِ ظرفِ آستین ہے — اکبر

ابرِ کہسار کے آگے نہ ہنسی ہو تیری — ریاض — تارِ اشکوں کا کہیں دیدۂ تر ٹوٹ نہ جائے

ابھی تو اشک نے بدلا ہے کچھ یوں ہی سا رنگ
بہیں گے آنکھ سے لختِ جگر لہو کیا ہے — رسوا

ہنسی ہوگی جو کوئی دیکھ لے گا جلیل جلیل آنسو تو پونچھو چشم تر سے
آگ دل میں لگی نہ ہو جب تک آرزو لکھنوی آنکھ اشکوں سے تر نہیں ہوتی

تیری بے صبری ہے تیری خام کاری کی دلیل
گریۂ عشاق میں ہوتی ہیں تاثیریں کہیں حسرت

اے گریۂ ناکامی تو جانِ محبت ہے دل تو جانِ محبت ہے ایمانِ محبت ہے
آنسو کی کیا بساط مگر جوشِ عشق نے سہیل قطرے کو موج موج کو طوفاں بنا دیا

آہ و نالہ و فریاد و فغاں

گہے از درد بے درماں بنالم عراقی گہے از زخم بے مرہم بگریم
ہر شب منم فتادہ بگردِ سرائے تو خسرو ہر روز آہ و نالہ کنم از برائے تو

شب از غوغائے من واقف نشد گفت از کجا باز
صدائے نالۂ صہبائیِ ناشاد می آید صہبائی

اے نہ پنداری شفق ایں گنبدِ خضرا گرفت رسوا شعلۂ آہ و فغانم عالمِ بالا گرفت
اے آہ مکش زحمتِ بیہودہ کہ تاثیر ہژمان راہے بحریمِ دلِ جانانہ ندارد

نہ پوچھو آسماں پر تم ستارے سراج ہماری آہ کی چنگاریاں ہیں
بے شغل نہ زندگی بسر کر قائم گر اشک نہیں تو آہ سر کر

کہتا نہیں میں عرش پہ اے نالہ جا پہونچ
کانوں تلک تو اس کے تو اے نارسا پہونچ بیان

ہوئی آہ اب اس قدر نارسا دل کہ سینے سے آتی نہیں لب تلک

جی تنگ تو دے کے میں لوں کہ ہوگا کارگر کہیں

اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں — سودا

اثر نے آہ میں ہر چند نے تاثیر نالے میں

پر اتنا ہے کہ ان دونوں سے اپنا جی بہلتا ہے — دلہٗ

تاب سننے کی نہیں بہرِ خدا خاموش ہو — ناسخ — ٹکڑے ہوتا ہے جگر ناسخ تری فریاد سے

نالہ جز حسنِ طلب اے ستم ایجاد نہیں — غالب — ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

یا اپنے جوششِ عشوۂ پیہم کو روکیے — شیفتہ — یا کہیے میں بھی نالۂ شورش فزا کروں

تم دکھاتے تو ہو امیر کا دل — امیر — اور جو وہ کوئی آہ کر بیٹھے

کلیجہ تھام لوگے جب سنوگے ... [illegible] شیون کسی کا

کلیجہ پکڑ کر وہیں بیٹھ جاتے ... سنا ہی نہیں تم نے شیون کسی کا

[illegible]

بیٹھے وہ رہتے اٹھا کے گھر سے وہ باہر نکلتے ہیں — حسن

کب تھے وہ میرے حال سے اس درجہ بے خبر

کیوں کر کہوں میں نالۂ دل میں اثر نہیں — حسرت

بال بکھرے ہیں کچھ پریشاں ہیں — افتخار — اثرِ آہِ نارسا تو نہ ہو

میر عثمان علی خاں نظامِ دکن

اثر پیدا ہوا کس کی فغاں میں — تلاطم ہے زمین و آسماں میں

نالہ کیا ہاں اک دھواں سا شامِ ہجر — فانی — بسترِ بیمار سے اٹھا کیا

نکل ہی جائیں گے نالے دہن سے خوں ہو کر — دلہٗ — زباں نہیں تو کھلے گی رگِ زبانِ صیاد

اے جوشؔ فراقِ جاناں میں فریاد و فغاں سے کام نہ لے
گھٹ جائیگا تیرے دل کا اثر اجزائے تپش تقسیم نہ کر — جوشؔ

یہ میری آہِ سوزاں کا اثر ہے حفیظؔ ہوشیارپوری نظامِ دو جہاں زیر و زبر ہے

اللہ اللہ کہ کسے بس اک آہ کرنا رہ گیا حفیظؔ جالندھری وہ نمازیں وہ دعائیں وہ مناجاتیں گئیں

کب فغاں با اثر نہیں ہوتی — مانیؔ — اور کچھ ہے اگر نہیں ہوتی

ہجومِ درد میں لب پر تبسم احسانؔ اعظم گڈھی یہ دیوانوں کا اندازِ فغاں ہے

یہ مانا اے اثرؔ ضبطِ فغاں اک چیز ہے لیکن
جئینگے کس طرح ہم خو گرِ ضبطِ فغاں ہو کر — اثرؔ بدایونی

یادِ یار

نسیمے کز بُنِ آں کاکل آید — باباطاہرؔ — مرا خوشتر ز بوئے سنبل آید
چو شب گیرم خیالش را در آغوش — سحر از بسترم بوئے گُل آید
ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم — الا حدیثِ دوست کہ تکرار می کنم
آنقدر رہا کہ یادِ ما نکنی — آنقدر یاد کردہ ایم ترا
میکشم سخت یادِ او امروز — نسبتیؔ — غالباً یاد کردہ است مرا
یادم نمی کنی و ز یادم نمی روی — عترتؔ — در از باد فراموشِ کار ما
کو شبِ مہتاب و آں آویزشِ ناز و نیاز — گرامیؔ — ساعدش در گردنم و ستم بساقِ (پنڈلی) افتادہ بود
الٰہی کو شبِ مہتاب و ذوقِ مے پرستیہا — ولہٗ — بدستے دستۂ نرگس بدستے ماہ رو دستے
یاد کرنا ہر گھڑی تجھ یار کا — ولیؔ — ہے وظیفہ مجھ دلِ بیمار کا

بھولے سے تو نے پیار کی اک دن کہی جو بات — میر حسن — روتا ہوں دل ہی دل میں اُسے یاد کر ہنوز

ہمنشیں ذکرِ یار کر کچھ آج — قائم — اس حکایت سے جی بہلتا ہے

یاد اُس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ — میر — نادان پھر وہ جی سے بھُلایا نہ جائے گا

مہ نے آ سامنے شب یاد دلایا تھا اُسے — ولہٗ — پھر وہ تا صبح میرے جی سے بھُلایا نہ گیا

وہ نہیں بھولتا جہاں جاؤں — ولہٗ — ہائے مَیں کیا کروں کہاں جاؤں

رنج و غم ہجر کے گذر بھی گئے — ولہٗ — اب تو تم دھیان سے اُتر بھی گئے

بھول کر بھی ہمیں نہ یاد کیا — ضیا — ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے

بھولتا ہی نہیں وہ دل سے اُسے — مرزا جعفر علی حسرت — ہم نے سَو سَو طرح بھلا دیکھا

یاد آتا ہے تو کیا پھرتا ہوں گھبرایا ہوا
چمپئی رنگ اُس کا اور جوبن وہ گدرایا ہوا — جرأت

جو گھڑی یاد میں تری کٹ جائے — آتش — وہی آٹھوں پہر کی پونجی ہے

تا خوابِ مرگ ذکر تھا اُن کا زبان پر
نیند آ گئی ہمیں تو اسی داستان پر — راسخ

بھول جانا اُسے محال سا ہے — ہر طرح سے بھلا کے دیکھ لیا

دل میں اک درد اُٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے مجھے کیا جانئے کیا یاد آیا — صبا

مآلِ سخن ذکر ہے یار کا — رند — کہوں سَو طرح مُدعا ایک ہے

کس سوچ میں ہو نسیم بولو — پنڈت دیا شنکر نسیم — آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

برق وہ بھر کر انھیں دینا میرا جامِ شراب — برق — اور اُن کا ناز سے کہنا نہیں اتنی نہیں

تم نے کہا نہ یاد کبھی بھول کر ہمیں　ظفر　ہم نے تمہاری یاد میں سب کو بھلا دیا

گو میں رہا رہینِ ستمہائے روزگار　غالب　لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

یاد نے جس کی بُھلایا سب کچھ　شیفتہ　اُس کی مَیں یاد بھلاؤں کیونکر

توبہ واں جانے سے کرتے ہو نظام　نظام　کیا کروگے وہ اگر یاد آیا

میرے قابو میں نہ پہروں دلِ ناشاد آیا
جب مرا بھولنے والا وہ مجھے یاد آیا　داغ

کون چٹکی سی کلیجے میں لئے جاتا ہے ـــــ ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے

بیخودی میں بھی نہیں بھولے اُسے　بیخود دہلوی　واہ کیا کہنا ہماری یاد کا

جب تمہارا خیال آتا ہے　اکبر الہ آبادی　ساری دنیا کو بھول جاتے ہیں

کاش اک دن وہ بھول کر آتا　حفیظ جونپوری　یاد جس کی کبھی نہیں جاتی

مجھے جس دم خیالِ نرگسِ مستانہ آتا ہے　جلیل　بڑی مشکل سے قابو میں دلِ دیوانہ آتا ہے

وہ اگر یاد کریں ہم کو تو بھولیں کس کو　حسن　ہم اگر اُن کو بھلا دیں تو کسے یاد کریں

شام ہو یا کہ سحر یاد اُنھیں کی رکھنی　حسرت　دن ہو یا رات ہمیں ذکر اُنھیں کا کرنا

مدتیں ترکِ محبت کو ہوئیں پھر اے عجب　ولہٗ　یادِ یار آتی ہے کیوں بے اختیار اب کی برس

جنونِ عشق تو مدت ہوئی جاتا رہا پھر بھی
زباں پر نام آتا ہے کسی کا بار بار اب تک　ولہٗ

اس تغافل پر بھی کرتے ہیں تجھی کو یاد ہم
کتنے ہیں مجبور دیکھ او بانیٔ بیداد ہم　ولہٗ

نہیں آتی تو یاد اُن مہینوں تک نہیں آتی　ولہٗ　مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

وہ آغازِ محبت میں کرم اُن کا جفا اُن کی
ولہ
رہیگا یاد حسرت ہم کو برسوں وہ زمانا بھی

دلِ مایوس نے مدت سے بُھلا رکھا ہے ولہ آہ وہ یاد کہ جس یاد کو ہو کر مجبور

جو تری یاد میں گذر جائے ولہ شب وہی شب ہے دن وہی دن ہے

یاد میں تیری جہاں کو بھولتا جاتا ہوں میں
آغا حشر
بھولنے والے کبھی تجھ کو بھی یاد آتا ہوں میں

میں تجھے دل سے بُھلا دوں کس طرح اثر لکھنوی بھولنے والے سے کوئی پوچھتا

اب تو بچھڑے ایک مدت ہوگئی ولہ یاد کرلے بھولنے والے مرے

تیری خوشبو سے مہکتی ہے مری شام ابھی ولہ تیری تنویر سے آراستہ ہے مری سحر

یہ بھیگی رات اور یہ برسات کی ہوائیں
ولہ
جتنا بھلا رہا ہوں وہ یاد آ رہا ہے

تری یاد آرامِ جانِ حزیں ہے تلوک چند محروم ترا نام تسکین دہِ قلبِ مضطر

یوں بھول جاؤگے ہمیں وہم و گماں نہ تھا آزاد انصاری یوں یاد آؤگے ہمیں اصلا خبر نہ تھی

کیا کروگے اگر وہ یاد آیا فانی اُس کو بھولے ہوئے تو ہو فانی

اللہ رے تری یاد کہ کچھ یاد نہیں ہے ولہ اب لب پہ وہ ہنگامۂ فریاد نہیں ہے

یادش بخیر یار کو لائیں کہاں سے ہم ——— گلشن بھی ہے بہار بھی ہے ابرِ تر بھی ہے

اب خدا جانے تری یاد ہے یا دل میرا جگر مرادآبادی کچھ کھٹکتا تو ہے پہلو میں مرے رہ رہ کر

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
ولہ
ترے ذکر سے، تری فکر سے، تری یاد سے ترے نام سے

تجھے بھول جانا تو ہے غیر ممکن — ولہٗ — مگر بھول جانے کو جی چاہتا ہے

یوں جس طرح سے چاہیئے تڑپایئے مجھے — رضا لکھنوی — کچھ ایسا کیجیئے کہ نہ یاد آیئے مجھے

اُسی کو جس نے نہ کی بھول کر بھی بات کبھی

بغیر یاد کیئے کٹ سکی نہ رات کبھی — ملّا

غرض کہ کاٹ دیئے زندگی کے دن اے دوست

وہ تیری یاد میں ہو یا تجھے بھلانے میں — فراق گورکھپوری

مدّتیں گذریں تری یاد بھی آئی نہ ہمیں — ولہٗ — اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

پابندیٔ زمان و مکاں اُٹھ گئی حفیظ — حفیظ ہوشیارپوری — جو چھپ گئی نظر سے وہ صورت نظر میں ہے

عمر گذری یاد کرتے آپ کو — مؤلف — آپ بھی ہم کو کبھی کرتے ہیں یاد

بانسری بج رہی تھی دور کہیں ——— رات کس درجہ یاد آئے تم

دل غم دوراں سے تھا یکسر اُداس — نفیس قادری — اور پھر تم بھی مجھے یاد آگئے

ہائے مجھ سے وہ یار کی باتیں — علی — لطف کی باتیں پیار کی باتیں

تمہاری محبت تمہاری عداوت — حبیب احمد صدیقی — کسے یاد رکھیں کسے بھول جائیں

یوں جزوِ زندگی ہے کسی بے وفا کی یاد

جیسے کوئی شراب ملا دے شراب میں — وامق جونپوری

یادِ ماضی

چو ہم عمرے بہ ہم عمرے ز مکتب شاد می آید

مرا بے اختیار ایام طفلی یاد می آید

پیشِ ما اے باغباں گلدستۂ گلہا مبند ـــــــ صحبتِ یارانِ رنگیں یاد می آید مرا

چو می بینم کسے از کوے تو دل شاد می آید

فریبے کز تو اول خوردہ بودم یاد می آید

خوشا و خرما آن روزگارے — نوبت — کہ دل خوش بود از دیدار یاران

پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے — آتش — وہ عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں — شوق — اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

بہاریں ہم کو بھولیں یاد ہے اتنا کہ گلشن میں
گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا — مرزا جعفر علی حسرت

صدمے سو دل پہ ہوئے ہم نے نہ جانا کیا تھا
ہائے رے ذوق وہ الفت کا زمانا کیا تھا — مصحفی

یاد آیام بے قراری دل — ولہ — وہ بھی یا رب عجب زمانہ تھا

اے مصحفی میں روؤں کیا اگلی صحبتوں کو — ولہ — بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

کبھو کرتے تھے مہربانی بھی — میر اثر — آہ وہ بھی کوئی زمانہ تھا

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہوگئیں — غالب

یاد ایام کہ رہتے تھے کھنچے یار سے ہم — اسیر — اب یہ عالم ہے کہ جھکنے لگے اغیار سے ہم

محفل طرازیاں وہ کہاں اب تو کام ہے — مجروح — گھر میں پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

صورتیں آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ نقشے یاد ہیں
کیسی کیسی صحبتیں خوابِ پریشاں ہوگئیں — ثاقب

اب یادِ رفتگاں کی بھی ہمت نہیں رہی ـــــــ یاروں نے کتنی دور بسائی ہیں بستیاں

جب تک کہ چشمِ شوق میں وحدت کا نور تھا   امیر   جس بام پر نگاہ پڑی کوہ طور تھا

ہائے وہ دن کہ گذر جاتی تھی شب باتوں میں

اب باتوں میں مزہ ہے نہ ملاقاتوں میں   ولہٗ

ہر چیز پر بہار تھی ہر شے پہ حسن تھا   دنیا جوان تھی مرے عہدِ شباب میں

سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد   حالی   ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا

اچھی صورت پہ غضب ٹوٹ کے آنا دل کا

یاد آتا ہے ہمیں ہائے زمانا دل کا

خواب تھا یا خیال تھا کیا تھا ـــــــ ہجر تھا یا وصال تھا کیا تھا

غنچۂ گُل کا تبسّم تھا ہر اک دم برق ریز   شبلی

عندلیبوں کی زباں پر نالۂ مستانہ تھا

نشّہ آور تھی نگاہِ مست ساقی اس قدر

خود بخود لبریزِ مے ہر ساغر و پیمانہ تھا

اب وہ صحبت نہ وہ جلسے نہ وہ لطفِ سخن

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا"

جب اُس کوچے کی حاصل تھی گدائی   آسی غازی پوری   خداوندِ زمین و آسماں تھے

بہت رہا ہے کبھی لطفِ یار ہم پر بھی   اکبر الٰہ آبادی   گذر چکی ہے یہ فصلِ بہار ہم پر بھی

ایک دن یہ ہے کہ پابندِ سلاسل پانوں ہیں

ایک شب وہ تھی کہ تھی زُلفِ معنبر ہاتھ میں   النسخ

اک خواب سا ہم نے دیکھا تھا وہ خواب تمہیں کیوں یاد آئے

باتوں کا وہ بڑھنا راتوں میں، راتوں کا وہ گھٹنا باتوں میں

کتابِ عمر ہے پیشِ نظر چشمِ تصور میں شاد اُلٹتے ہیں ورق بھولے سبق کو یاد کرتے ہیں

جمگھٹ وہ گُلرخوں کے الٰہی کہاں گئے ریاض کیا ہو گیا گلاب کا تختہ کھلا ہوا

بہار آئی تھی گلشن میں وہ دن بھی یاد ہیں ہم کو

کسی کے ہاتھ میں ساغر تھا کوئی گُل بداماں تھا ولہٗ

یاد ایّامِ جام باقی ہے ولہٗ مے کہاں ہے کا وہ سُرور کہاں

وہ دن کہاں ریاض وہ راتیں کہاں ریاض ولہٗ بیٹھے ہوئے کسی کی بلائیں لیا کریں

بہلا رہے ہیں اپنی طبیعت خزاں نصیب دل دامن پہ کھینچ کھینچ کے نقشہ بہار کا

درد سے واقف نہ تھے غم سے شناسائی نہ تھی

ہائے کیا دن تھے طبیعت جب کہیں آئی نہ تھی بلبل

ساقیا صحبتِ دیرینہ جو یاد آتی ہے ولہٗ چشمِ تر صورتِ پیمانہ چھلک جاتی ہے

نہ چھیڑو تذکرہ تم ہائے ایّامِ محبت کا حسرت مری صبحِ محبت کا مری شامِ محبت کا

اُن کی تھی میرے حالِ دل پہ نظر ولہٗ آہ اُس عہدِ التفات کی یاد

حُسن سے اپنے وہ غافل تھا میں اپنے عشق سے

اب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مزے ولہٗ

اب کاہے کو آئینگے وہ حسرت ولہٗ آغازِ جنوں کے پھر زمانے

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے ولہٗ ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانا یاد ہے

باوجودِ ادّعائے اتقا حسرت مجھے آج تک عہدِ ہوس کا وہ زمانا یاد ہے

مزہ آتا اگر گذری ہوئی باتوں کا افسانہ　وحشت　کہیں سے ہم بیاں کرتے کہیں سے تم بیاں کرتے

جوش و خروش ساتھ جوانی کے چل دئیے　جوہر فرخ آبادی　وہ موسم بہار وہ دیوانہ پن کہاں

کبھی گذرتی تھیں راتیں پری جمالوں میں　خاور　تڑپتے کٹتی ہے یارب انھیں خیالوں میں

دستِ گستاخ سے دامن وہ بچانا تیرا　آثر لکھنوی　شوق بیتاب کو آنکھیں وہ دکھانا تیرا

یاد ہے یاد ہے منہ پھیر کے جانا تیرا　عذر خواہی کے لئے آپ سے آنا تیرا

وہ رات گئے شراب ڈھلنا ہے ہے!　جوش　وہ پچھلے پہر صبا کا چلنا ہے ہے!

معشوقۂ نوخیز کا وہ رہ رہ کر　آنکھوں کو ہتھیلیوں سے ملنا ہے ہے!

رات کے پردوں میں چھپ چھپ کر جو ہوتی تھیں کبھی
چٹکیاں لیتی ہیں دل میں اُن ملاقاتوں کی یاد
اختر شیرانی

گیان پرکاش اختر دہلوی

وہ زمانہ بھی کیا زمانہ تھا　شاخِ گل پر جب آشیانہ تھا
یہ زمانہ بھی اک زمانہ ہے　وہ زمانہ بھی اک زمانہ تھا

گذاری تھیں خوشی کی چند گھڑیاں　عندلیب شادانی　اُنھیں کی یاد میری زندگی ہے

کہاں گئے ترے وعدوں پہ اعتبار کے دن　نشتر خانقاہی　وہ انتظار کی راتیں وہ انتظار کے دن

نہ اضطراب کے دن تھے نہ تھے قرار کے دن　عجیب دن تھے محبت میں انتظار کے دن

اُن سے جب راہ و رسم تھی الیاس　مؤلف　وہ زمانہ بھی کیا زمانہ تھا

ابتدائے عشق کی وہ چاندنی راتیں کہاں
آہ اُن راتوں کی وہ لمبی ملاقاتیں کہاں
مظفر حسین شمیم

تصوّر

سرگرمیٔ خیالِ تو از نالہ باز داشت — غالب — دل پارہ آتشے ست کہ دودش نماندہ است

یار کا دھیان ہم نہ چھوڑینگے — میرحسن — اپنی یہ آن ہم نہ چھوڑینگے

گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے — میر — اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند

بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے مدام — مصحفی — کس قدر یار کو غم ہے مری تنہائی کا

آغوشِ تصور میں جب ہم نے اُسے مسکا — نظیر اکبرآبادی — لب ہائے نزاکت سے اک شور تھا بس بس کا

تصور سے کسی کے میں نے کی ہے گفتگو برسوں
آتش
رہی ہے ایک تصویرِ خیالی روبرو برسوں

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا — مومن — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن — غالب — بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

جانے دے اے تصورِ جاناں نہ کر تلاش — سالک — ایسا نہ ہو کہ وہ کسی دشمن کے گھر ملے

شبِ مہتاب میں تا صبح زینت — زینت — خیالِ ماہرو ہے اور ہم ہیں

بہت اچھی گذرتی ہے ترے محوِ تصور کی — ظہیر — کبھی مغموم ہو جانا کبھی مسرور ہو جانا

تصور میں وصالِ یار کے سامان ہوتے ہیں — دلؔ — ہمیں بھی یاد ہیں حسرت کی بزم آرائیاں کیا کیا

ہم بند کئے آنکھ تصور میں پڑے ہوں — ریاض — ایسے میں کوئی چھم سے جو آجائے تو کیا ہو

رات کا خاموش منظر اور تصور یار کا — حضور — ہے یہی اک وقتِ راحت عشق کے بیمار کا

بیٹھے ہیں ہم تصورِ گیسوئے یار میں — سلیم — اس زندگی کو خوابِ پریشاں کئے ہوئے

ہائے پوچھو نہ تصور کے مزے — جلیل — گود میں ان کو لئے بیٹھے ہیں

وسعت حدِ نظر سے دور لیکن دل کے پاس — جلیل — بند کیں آنکھیں تو پایا تجھ کو اے پردہ نشیں

اب ہونے لگیں اُن سے خلوت کی ملاقاتیں — جوہر — تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں

اب یہی اک مشغلہ دن رات ہے — ولہٗ — دل سے ہوتی رہتی ہیں سرگوشیاں

کوئی تیرے سوا نہیں ہوتا — جگر مراد آبادی — وہ بھی ہونا ہے ایک وقت کہ جب

اب وہ رعنائی خیال کہاں ——— تھی وہ اک شخص کے تصور سے

میں جانے کس کو ڈھونڈھ رہا ہوں خیال میں — وصل بلگرامی — تم کیوں مرے خیال میں آتے ہو بار بار

ہٹتے جاتے ہیں پردے محمل کے — بیدل عظیم آبادی — ہوتے جاتے ہیں بند دیدہ قیس

ایک نقشہ سامنے آتا رہا جاتا رہا — اختر شیرانی — رات بھر اُن کا تصور دل کو تڑپاتا رہا

اے تصور کون ہے آغوش میں — حیدری — کس سے باتیں ہو رہی ہیں جوش میں

تصور میں نگاہوں کو نگاہوں سے ملاتا ہوں

فطرت

بہت اب بڑھ چلی ہیں آپ سے گستاخیاں میری

گونا گوں

بلاکشانِ محبت بکوئے یار روند ——— علی الصباح چو مردم بکار و بار روند

اِلّا حدیثِ دوست کہ تکرار میکنم ——— ما اُنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم

روز جا کر اُس کے کوچے سے پلٹ آتے ہیں ہم

دیدۂ حسرت سے پھروں جانبِ در دیکھ کر

گریاں گریاں اُدھر گئے ہم — ہادی — خنداں خنداں جدھر گیا تو

اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے — مجنون — دن میں سو سو بار اس کے سامنے جانا مجھے

پہلے سیتے ہیں ہم گریباں کو مسعود پھر اُسے تار تار کرتے ہیں

کبھی درد کی تمنا کبھی کوششِ مداوا جذبی کبھی بجلیوں کی خواہش کبھی فکرِ آشیانہ

شیوۂ عاشق

وفا و تسلیم و رضا

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم   حافظ   از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

ایک انگریز مستشرق نے ایک ہندوستانی ادیب سے کہا کہ حافظ کی تعلیم نہیں ہوئی تھی، ہندوستانی ادیب نے کہا 'کیسے'، انگریز مستشرق نے شعر مندرجۂ بالا ثبوت میں پڑھ دیا' اس لطیفے کے درج کرنے کا مقصد یہ عرض کرنا ہے کہ مادری زبان کے علاوہ کسی اور زبان پر عبور آسان نہیں'

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم   ولہٗ   کہ در طریقۂ ما کافریست رنجیدن

منت کشِ تاثیرِ وفائیم کہ آخر   غالب   ایں شیوہ عیاں ساخت عیارِ دگراں را

زبانِ ما غریباں از نگاہ ہست   اقبال   حدیثِ دردمنداں اشک و آہ ہست

کشادم چشم و بر بستم لبِ خویش   سخن اندر طریقِ ما گناہ ہست

زندگی نے وفا نہ کی ورنہ   میر حسن   میں تماشا وفا کا دکھلاتا

عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے

سودا ــــــ

تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم   میر   سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

وفا میری اگر جور و جفا تجھ کو نہ سکھلاتی
تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہائے کٹ جاتی — محمد باقر حزین

کیا چیز ہے کہ دوست سے انکار کیجیے — لالہ نول رائے وفا — گر مانگتا ہے جی کی تئیں دیجیے وفا

لے جائیں کہاں اب تجھے اے جنسِ وفا ہم — آتش — بازارِ جہاں میں کوئی خواہاں نہیں تیرا

آج اُس کے جھوٹے وعدے پہ میں پھر سنبھل گیا — میر ممنون — اے وائے سادگیِ وفا بعد صد فریب

یاد آئیگی وفا میری تمہیں میرے بعد — ولہٗ — جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی معلوم

جفا کرتے ہیں کب تک باوفاؤں پر وہ دیکھیں تو
ہمیں جو آزماتے ہیں اب اُن کا امتحاں ہوگا — جلال

دیکھو وہ شوخ بے وفا نہ سُنے — ولہٗ — دعوے کرتے تو ہو وفا کے جلال

نہیں ہے تم سے گلہ کچھ یہ ہے خطا میری
سکھا رہی ہیں جفائیں تمہیں وفا میری — فانی

مگر وفا میں وہی آن بان باقی ہے — ولہٗ — جفا کا اب نہیں پہلا سا بانکپن باقی

رازِ عاشق

دل می رود ز دستم صاحبدلاں خدارا — حافظ — دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

ہمہ کارم زِ خود کامی بہ بدنامی کشید آخر — ولہٗ — نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

ترا صبا و مرا آبِ دیدہ شد غماز — ولہٗ — وگرنہ عاشق و معشوق رازدارانند

عرضِ حاجت در حریمِ حرمتت محتاج نیست — ولہٗ — راز کس مخفی نہ ماند بر فروغِ رائے تو

در سینۂ خود راز غمِ عشقِ برہمن — رائے چندربھان برہمن — چوں غنچہ بصد پردہ نہفتیم و نگفتیم

رازِ دلِ عشاق عیاں است و عیاں نیست — صانع بلگرامی — چوں بوئے کہ در غنچہ نہاں است و نہاں نیست

روا ہے کہ تو بھلا اے سپہرِ نا انصاف — سودا — رہا ہے زہد چھپے رازِ عشق رسوا ہو

کہاں تک رازِ دل افشا نہ کرتا — معروف — مثل سچ ہے کہ مرتا کیا نہ کرتا

کیا مزا جب اور واقف ہوگئے — مجروح — لذّتِ دردِ نہانی اور ہے

دردا کہ لب پہ رازِ دل آیا نہ تھا ہنوز — حالی — چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دور تھا

تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط — ولہٗ — اُلفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا

سینے میں دل ہے، دل میں داغ، داغ میں سوز و سازِ عشق
پردہ بہ پردہ ہے نہاں پردہ نشیں کا رازِ عشق

اس پہ روتا ہوں کہ دل میں جو نہاں تھے اسرار
وہ بھی آنکھوں سے ٹپکنے لگے آنسو ہو کر — جلیل

زمانے بھر میں رسوا ہوں مگر اے وائے نادانی
سمجھتا ہوں کہ رازِ عشق میرے رازداں تک ہے — اقبال

ہائے راز زندگی اک دم میں افشا ہو گیا
میرا مرنا اُن کا آنا اک تماشا ہو گیا — محوی

وہ چھپایا رازِ دل ہم نے کہ افشا کر دیا — فانی
جب ترا ذکر آگیا ہم دفعتاً چپ ہو گئے

یہ اور بات ہے دل پر نہ اختیار رہے — علی اختر
مَیں رازِ عشق کو رسوا کروں معاذاللہ

جو بات دل سے تا بہ لب آئی نہ تھی ہنوز
مجبوریوں سے دل کی وہ افسانہ ہو گئی — مزاج

داستانِ عاشق

خرقہ پوشان ہمگی مست گذشتند و گذشت — حافظ — قصہ ماست کہ بر ہر سرِ بازار بماند

شمۂ از داستانِ عشقِ شور انگیز ماست ——— این حکایتہا کہ از فرہاد و شیریں کردہ اند

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ — میرحسن — بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر — سودا — اپنی تو نیند اُڑ گئی تیرے فسانے سے

روداد محبت کی مت پوچھ یقیں مجھ سے — یقین — کچھ خوب نہیں سننا افسوں ہے یہ افسانہ

بیاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے — آتش — یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

کب وہ سنتا ہے کہانی میری ——— اور پھر وہ بھی زبانی میری

لاکھ دلچسپ ہے مرا قصہ — امیر — مگر اُس نے کبھی سنا نہ سنے

راز اپنا کبھی کہا نہ کہے — داغ — حال میرا کبھی سنا نہ سُنے

اُسے افسانۂ غم ڈرتے ڈرتے — درد — سُنایا کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے

مری داستانِ فراق نے شبِ وصل طرفہ مزہ دیا
کبھی ہم نے رو کے ہنسا دیا کبھی اُس نے ہنس کے رُلا دیا — جلال

کوئی دلسوز ہو تو کیجے بیاں — حالی — سرسری دل کی واردات نہیں

نہ سُنتے تم جو دشمن کی زبانی — آسی غازیپوری — بڑی دلچسپ تھی میری کہانی

نگاہیں میری اُن کی لگ گئی تھیں رات محفل میں — اکبر الٰہ آبادی — یہ دنیا ہے بس اتنی بات پھیلی داستاں ہو کر

سناؤں حال کیا اے نظم کیا صدمے گذرتے ہیں
کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستاں میری — نظم

نہ جانے کتنی معنی خیز ہیں خاموشیاں میری
سنی دنیا نے سو سو رنگ سے اک داستاں میری

انھیں افسانۂ دل اپنا ہم نے ——— سنایا کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے

کچھ قمریوں کو یاد ہے کچھ بلبلوں کو حفظ ——— عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں

یہ لذّت اور قصوں میں کہاں ہے ——— ہماری داستاں اِک داستاں ہے

ہنستے ہنستے رو دیا کرتے سب بے اختیار
اک نئی ترکیب کا درد اپنے افسانے میں تھا — شاد عظیم آبادی

روش بدلی زمانے کی مذاقِ اہلِ دل بدلا — ہنر — مرے غم کی کہانی داستاں معلوم ہوتی ہے

نہ مطلب سننے والوں سے نہ پروا رنگِ محفل کی
جہاں بیٹھے وہیں ہم نے کہانی چھیڑ دی دل کی — ثاقب

اس شعر کے متعلق مرزا ثاقب مرحوم نے ایک اندوہناک واقعہ بیان کیا۔ کہنے لگے "لکھنؤ میں ایک پاگل عورت تھی، اس کا جنون غالباً محبت کا نتیجہ تھا، بازار میں جہاں کھڑی ہو جاتی دردناک اشعار پڑھنے لگتی، چاہے کوئی سننے والا ہو یا نہ ہو۔ محرک شعر یہی واقعہ ہوا"

زمانہ بڑے غور سے سن رہا تھا — ولہٗ — ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

سنتے ہیں آپ سارے زمانے کا دردِ دل ——— کہئے تو میں بھی قصۂ سوزِ جگر کہوں

لطف ہے کون سی کہانی میں — رسوا — آپ بیتی کہوں کہ جگ بیتی

اُڑائی طوطیوں نے قمریوں نے عندلیبوں نے — اقبال — چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

افسانہ کہہ رہی ہیں پریشاں نگاہیاں اثر لکھنوی کیا راز ہے جو دل میں چھپائے ہوئے ہو تم

یہ بیکسی کا ہے عالم کہ سرگذشت اپنی دل کوئی سُنے نہ سُنے ہم سُنائے جاتے ہیں

جہاں اپنا قصہ سُنانا پڑیگا آسی الدنی وہیں ہم کو رونا رولانا پڑیگا

کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے سیماب جو سُنتا ہے اُسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے

ہم عشق کے ماروں کا اتنا ہی فسانہ ہے
جگر مرادآبادی
رونے کو نہیں کوئی ہنسنے کو زمانہ ہے

مست ہم ہشیار ہم فرزانہ ہم دیوانہ ہم نصیر الدین علوی نصیر اِک تمہارے ہو کے ہیں عُنوانِ صد افسانہ ہم

آغاز محبت کے قصے کچھ بھول گئے کچھ یاد بھی ہیں
شیدا سبحانی
جو بھول گئے سو بھول گئے جو یاد ہے اک افسانہ ہے

تھوڑی سی رہ گئی ہے مری داستان غم نظر مٹنے نہ پائے تیری جبیں کی شکن ابھی

جذباتِ عاشق

شوق

طائرِ شوقش بدامِ اشتیاق افتادہ بود — حافظ — حافظ آں دفتیکہ ایں نظمِ پریشاں می نوشت

جز ایں قدر کہ دلم سخت آرزومند است — عبد الرحیم خانخاناں — شمارِ شوق ندانستہ ام کہ تا چند است

چہ پرسی شوق بے سامان ما را — نسبتی — نہ دست و پا نہ بال و پر نہ پرواز

زبیتابی شوق احوالِ او از این و آن پرسم — ولہ — زِحالِ او اگرچہ آگہم بیش از ہمہ لیکن

اک آدھ لفظ پیار کا مُنہ سے نکل گیا — بیتسر — ہر چند ہم نے شوق کو پنہاں کیا ولے

اس قدر بھی آرزو اچھی نہیں — صبا — مار ڈالا اشتیاقِ یار نے

سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا — غالب — جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیئے

اور وعدہ ہے روزِ محشر کا — شیفتہ — شوق کو آج بیقراری ہے

عجب اپنا حال ہوتا جو وصالِ یار ہوتا
کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا — داغ

اک فرصتِ نگاہ میں سو بار دیکھنا — تسلیم — اللہ رے اضطرابِ تمنائے دیدِ یار

وہ انجمن میں آئیں تو پھر انجمن کہاں — حالی — دل چاہتا ہے بزمِ طرب میں انھیں مگر

اک رقص میں ہر ذرہ صحرا نظر آیا — اصغر — اللہ رے دیوانگیِ شوق کا عالم

لذّتِ سجدہ ہائے شوق نہ پوچھ　ولہٗ　ہائے وہ اتصالِ ناز و نیاز

حال کھل جائیگا بیتابیٔ دل کا حسرتؔ　حسرتؔ　بار بار آپ انھیں شوق سے دیکھا نہ کریں

کہاں شکوے تھے جورِ ناروا کے　ولہٗ　کہاں اب شوق ہیں اُن کی جفا کے

ہائے وہ عالمِ پُرشوق کہ جس وقت جگرؔ
اس کی تصویر بھی سینے سے لگائے نہ بنے
　　　　　　　　　　　　　　　　جگرؔ

مژدہ اے شوقِ شہادت آج پر تقدیر ہے
آج دستِ ناز میں نازک سی اِک شمشیر ہے
　　　　　　　　　　　　　　　　ولہٗ

جب نگاہِ شوق اُٹھ جاتی ہے پیکاں کی طرف
کھنچ کے آجاتا ہے پیکاں خود رگِ جاں کی طرف
　　　　　　　　　　　　　　　　مانیؔ جائسی

اُمید و یاس

بستہ ام در خمِ گیسوئے تو امید دراز　حافظؔ　آں مبادا کہ شود دستِ طلب کوتاہم

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے ــــــ بامیدے رسد امیدوارے -

میان نور و ظلمت عالمے دارم نمی دانم
کہ شامم صبح یا صبحِ امیدم شام می گردد
　　　　　　　　　　　　　　　　صائبؔ

نومیدی عاشقاں قدیم است ــــــ مخصوص بروزگارِ من نیست

من از بیم و رجا حالِ عجب اے باغباں دارم
نشیمن در قفس دارم قفس در آشیاں دارم

یاس ہی یاس گرد ہے دل کے　میرحسنؔ　اب کوئی اَور آس پاس نہیں

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا — میر درد — بس ہجومِ یاس جی گھبرا گیا

سنبھلنے دے مجھے اے نااُمیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے ہم سے — غالب

بس ہجومِ نااُمیدی خاک میں مل جائیگی — ولہ — یہ جو اک لذت ہماری سعیِ لاحاصل میں ہے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید — ولہ — نااُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے

عالمِ یاس میں گھبرائے نہ انساں بہت — داغ — دل سلامت ہے تو حسرت بہت ارمان بہت

پھر جیتے ہیں کس اُمید پر ہم — تسلیم — مرنے کا جو آسرا نہیں ہے

ہے کچھ اک باقی خلش اُمید کی — حالی — یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہیئے

شکلِ اُمید تو کیا ہم کو نظر آتی ہے — ...... — صورتِ یاس بھی بن بن کے بگڑ جاتی ہے

پوشیدہ سکونِ یاس میں ہے — حسرت — اک محشرِ اضطرابِ خاموش

معاذ اللہ اتنی نااُمیدی — وحشت — کہے گی وہ نگاہِ آشنا کیا

سو سو اُمیدیں بندھتی ہیں اِک اِک نگاہ پر — اقبال — ہم کو نہ ایسے پیار سے دیکھا کرے کوئی

جتنی اُمیدیں تھیں بالآخر غلط ثابت ہوئیں — آزاد انصاری — ہم نے کچھ سمجھا وہ کچھ نکلے بڑا دھوکا ہوا

دوسرا مصرع کہیں کہیں یوں دیکھا ہے :....

ہم نے کیا سمجھا وہ کیا نکلے بڑا دھوکا ہوا

کچھ اُمیدِ کرم میں گذری عمر — فانی — کچھ اُمیدِ کرم میں گذرے گی

ترکِ اُمید بس کی بات نہیں — ولہ — ورنہ اُمید کب بر آئی ہے

اُمید کا یہ رنگ ہے ہجومِ رنج و یاس میں
کہ جس طرح کوئی حسین ہو ماتمی لباس میں — بیخود موہانی

دل کو کیا کیا سکون ہوتا ہے جگر مرادآبادی جب کوئی آسرا نہیں ہوتا

پھر لے چلا ہے جذبۂ اُمید اُس طرف فضا سو بار نامراد پھرا ہوں جدھر سے میں

نیرنگئ امیدِ کرم اُن سے پوچھئے فراق گورکھپوری جن کو جفائے یار کا بھی آسرا نہیں

جھلک یوں یاس میں اُمید کی معلوم ہوتی ہے

کہ جیسے دور سے اک روشنی معلوم ہوتی ہے نزہم ردولوی

آرزو و تمنّا

اگر دردم یکے بودے چہ بودے بابا طاہر عریاں اگر غم اندکے بودے چہ بودے

بہ بالینم حبیبم یا طبیبم ازیں دو گر یکے بودے چہ بودے

روزیکہ ذرّہ ذرّہ شود استخوان من خسرو باشد ہنوز در دلِ ریشم ہوائے تو

کشتی شکستگانیم اے بادِ شرطہ برخیز حافظ باشد کہ باز بینم آں یارِ آشنا را

کے وہد دست ایں غرض یارب کہ ہمدستاں شوند

خاطرِ مجموعِ ما زلفِ پریشانِ شما ولہٗ

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند ولہٗ آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

ہمتم بدرقۂ راہ کن اے طائرِ قدس ولہٗ کہ دراز است رہِ مقصد و من نوسفرم

دو یارِ زیرک و از بادۂ کہن دومنے ولہٗ فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے

عرفی اگر بہ گریہ میسّر شدے وصال عرفی صد سال میتواں بہ تمنّا گریستن

جہانے مختصر خواہم کہ در وے نظیری ہمیں جائے من و جائے تو باشد

خرمنِ دل را ہماں شمع وفا باید نہ برق ـــــ خاطرِ پروانہ از ہر آتشے خرسند نیست

سخت می ترسم کہ من بسیار می خواہم ترا نسبتی آرزو خوب است امّا اینقدرہا خوب نیست

جز ایں کہ محو کُنم از دل آرزو ہا را صائب نماندہ است مرا در دل آرزوئے دگر

تنم بسوخت، دلم سوخت، استخوانم سوخت داراشکوہ تمام سوختم و ذوقِ سوختن باقیست

محفلے خواہم کہ آنجا وصلِ جاناں رُو دہد مظہر جانجاناں گوشۂ ابرو جوابِ گوشۂ ابرو دہد

الٰہی نالۂ گرمے دلِ دیوانۂ ما را میر غلام علی آزادؔ کرامت کن نہالِ آتشینی دانۂ ما را

آرزو دارم کہ خاکِ آں قدم ——— توتیائے چشم سازم دم بدم

دلِ من تارے از آں طرّۂ طرّاری خواہد سالار تبریزانیؔ ز چینِ عنبرینش نافۂ تا تاری خواہد

الا ای خسروِ خوباں مدامم بوسۂ شیریں دلِ شوریدہ از آں لعلِ شکرباری خواہد

آیا بود کہ فصلِ الٰہی بدل کند ولہٗ شامِ فراقِ من بصباحِ وصالِ تو

آرزوئے روے ماہے میکشم پژمان حسرتِ چشمِ سیاہے میکشم

نازنینے سادہ می خواہد دلم ولہٗ طرفِ گلشن بادہ می خواہد دلم

اے دل شکنو اپنی تمنا کی خبر لو عزلت توڑو ہو جو شیشہ کو تو صہبا کی خبر لو

کہتے تھے کہ یوں کہتے یوں کہتے جو یار آتا

میرؔ

یہ کہنے کی باتیں تھیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

آرزوئیں ہزار رکھتے ہیں ولہٗ تس پہ ہم دل کو مار رکھتے ہیں

وصل اُس کا خدا نصیب کرے ولہٗ جی مرا چاہتا ہے کیا کیا کچھ

کافر ہو جس کے دل میں کچھ اور آرزو ہو بیانؔ اک مختصر سی جا ہو اور میں ہوں اور تو ہو

دیدار کی نہ تیرے گئی آرزو ہنوز جوشش ہم مرگئے پر آنکھوں میں پھرتا ہے تو ہنوز

خدا کرے کہ مرا مجھ سے مہرباں نہ پھرے مقصدر پھرے جہاں تو پھرے پر وہ جانِ جاں نہ پھرے

خدا سر دے تو سودا دے تری زلفِ پریشاں کا
جو آنکھیں ہوں تو نظّارہ ہو ایسے سنبلستاں کا — آتش

یہ آرزو تھی تجھے گُل کے روبرو کرتے — ولہٗ — ہم اور بلبلِ بیتاب گفتگو کرتے

غیر سے سرگوشیاں کر لیجئے پھر قسم بھی کچھ
آرزو ہائے دلِ دردآشنا کہنے کو ہیں — مومن

کسی نے اُس کو سمجھایا تو ہوتا — ظفر — کوئی یاں تک اُسے لایا تو ہوتا
جو کچھ ہوتا سو ہوتا تو نے تقدیر — وہاں تک مجھ کو پہونچایا تو ہوتا

سُنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست — غالب — لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

رات کے وقت مے پیئے ساتھ رقیب کو لئے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں — ولہٗ

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو — ولہٗ — کاشکے تم مرے لئے ہوتے
میری قسمت میں غم گر اتنا تھا — دل بھی یارب کئی دئے ہوتے

کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے — ولہٗ

باقی ابھی ہے ترکِ تمنّا کی آرزو — اسیر — کیوں کر کہوں کہ کوئی تمنا نہیں مجھے

اک رات دل جلوں کو بھی عیشِ وصال دے
پھر چاہے آسمان جہنم میں ڈال دے — جلالی

وصل کا اُس کے دلِ زار تمنّائی ہے
نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے — حالی

وہ کاش اتنا قیامت میں تو پوچھیں آسی غازیپوری کہاں ہے آسی بیدل ہمارا

دس بارہ سال کا ذکر ہے مرزا ثاقب مرحوم گورکھپور میں اپنے صاحبزادے کے یہاں مقیم تھے' میں حاضر ہوا' چلتے وقت از راہِ عنایت وہ کچھ دور پہونچانے آئے، آسی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چھڑ گیا' مرزا صاحب کہنے لگے "میں نے دیوان دیکھا ہے، نشتر نہیں ملے" آسی رحمۃ اللہ علیہ صاحب دل تھے' باور نہ ہو تو اُن کا دیوان دیکھئے' اور دیوان دیکھنے کی فرصت نہ ہو تو کم از کم اُن کی

رات ہے رات تو بس مردِ خوش اوقات کی رات

والی غزل دیکھئے' میں نے اُن کا کوئی اچھا شعر مرزا صاحب کو سنانا چاہا مگر حافظہ نے مدد نہ کی' مندرجہ بالا شعر یاد آیا' میں نے اُسے سنا دیا' مرزا صاحب نے کہا کہ میرا شعر بھی سنو اور یہ شعر سنایا:

کیا جاؤں وہاں میں کہ گیا بھی جو کسی دن
اتنا تو نہ پوچھا کہ کہاں تھے کدھر آئے

دوسرے مصرعے میں ایک درد و کیفیت ہے'

رشکِ خورشید جہاں تاب دیا دل مجھکو
کوئی دلبر بھی اسی دل کے برابر دینا

ولہٗ

حوصلہ تیغِ جفا کا رہ نہ جائے ولہٗ آئیے خونِ تمنا کیجئے

تمناؤں میں اُلجھایا گیا ہوں شاد کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

ہزاروں آرزوئیں تھیں مگر اب یوسف گجراتی دلِ بے مدعا ہے اور میں ہوں

تمنا تھی نگاہِ شوق اپنی دلگیر کبھی ملتی نگاہِ شرمگیں سے

آرزو ہے دید جاناں بزم میں لائی مجھے
بزم سے میں آرزو ہے دید جاناں لے چلا
حسن

حسن بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
کیا کیا ہم نے کہ اظہار تمنا کر دیا
حسرت

گراں گذریگا حرف آرزو اُس طبع نازک پر
نگاہ شوق اس مضمون رنگیں کو ادا کر دے
ولہٗ

محفل ہو شغل مے ہو شب ماہتاب ہو اقبال اور میں گروں تو مجھ کو سنبھالا کرے کوئی

دل میں اس طرح سے ارمان ہیں آزادی کے
جیسے گنگا میں جھلکتی ہے چمک تاروں کی
چکبست

کچھ تمنائیں تو شکووں میں نمایاں ہو گئیں ——— جو نہ لب تک آسکیں وہ دردِ پنہاں ہو گئیں
گستاخ تو ضرور ہیں لیکن تمہیں بتاؤ ——— کس طرح تم سے عرض تمنا کرے کوئی
وہاں بستے جہاں خاکسترِ دل کی زمیں ہوتی ——— وہاں رہتے جہاں دُودِ فغاں کا آسماں ہوتا

اور عشرت کی تمنا کیا کریں اکبر حیدری سامنے تو ہو تجھے دیکھا کریں

زباں پہ حرفِ تمنا ابھی نہ آیا تھا اثر لکھنوی کہ وہ نگاہ پھری کیوں پھری نہیں معلوم
شوق سے دنیا میں عشرت کی تمنا کیجئے ولہٗ پہلے اک امروز بے فردا تو پیدا کیجئے

یہی جی چاہتا ہے اُن کو پیہم چھیڑتے رہئے
بہت دلکش ادائے حسن برہم ہوتی جاتی ہے
جگر مراد آبادی

رعنائی خیال کو رسوا نہ کیجئے ولہٗ ممکن بھی ہو تو عرض تمنا نہ کیجئے
یہ بھی ہو سکتا ہے کیوں اے چمن آرائے بہار نیر میں اِدھر قید سے چھوٹوں اُدھر آجائے بہار

ہر تمنّا دل سے رخصت ہو گئی　مجذوب　اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

اس شعر کے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا "خواجہ صاحب (مجذوب صاحب) اگر میں بادشاہ ہوتا تو آپ کے اس شعر پر ایک لاکھ روپیہ دیتا"

ہائے وہ ساعت کہ وقفِ شوق تھا ہر ہر نفس
آہ یہ عالم کہ اب تیری تمنّا بھی نہیں　مجروح

کاش یہ کہہ کے جام دے ساقی　صبا اکبرآبادی　"میری خاطر تجھے خدا کی قسم"

حسرت

ز حسرت سوختم وز شرم دو دست بر نیا وردم
الٰہی آتش اندر خانۂ ناموس و ننگ افتد

بشکند دستے کہ خم در گردنِ یارے نشد　زیب النساء　کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد
نو بہار آخر شد و ہر گل بفرقے جا گرفت　غنچۂ باغ دلِ ما زیبِ دستارے نشد

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا گُل اپنا باغباں اپنا　مظہر جانِ جاناں

کوئی کہتا نہ باز آتے وہ میرے قتل سے ہرگز
جو دنیا اُن کو سمجھاتی وہ دُنیا بھر کو سمجھاتے　امیر

خارِ حسرت قبر تک دل میں کھٹکتا جائے گا　داغ　مرغِ بسمل کی طرح لاشہ تڑپتا جائیگا

خارِ حسرت بیان سے نکلا　ولہ　دل کا کانٹا زبان سے نکلا

سَو برس میں نہ نکلے دل کی خلش　بیاں　اور نکلے تو آن میں نکلے

اور کیا چاہتی ہے آرزوے دل اُن سے آسی غازیپوری کچھ نہیں حُسن کی سرکار میں حسرت کے سوا

قسمت میں نا اُمیدی و حسرت ہے کیا کروں وحشت اس بیوفا سے مجھ کو محبت ہے کیا کروں

شاید کہ آج حسرتِ جوہر نکل گئی جوہر اک نعش تھی پڑی ہوئی گور و کفن سے دوٗ

رشک

ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا مومن جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

قیامت ہے کہ ہوئے مُدعی کا ہم سفر غالب غالب وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے — ولہٗ

تکیہ کلام ہی سہی رشک سے مر رہا ہوں میں
کیوں کہو بات بات پر دیکھو بھلا سا نام ہے — اثر لکھنوی

افسردہ دلی

بیدلیہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسیہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں — غالب

افسردہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ شیفتہ طاعت میں کچھ مزہ ہے نہ لذّت گناہ میں

کچھ آج نہیں رنگ یہ افسردہ دلی کا امیر مدّت سے یہی حال ہے یارو مرے جی کا

اب افسردہ دلی کا رنگ ہے پیشِ نظر ثاقب
اِن آنکھوں نے بہت سرگرمیاں دیکھی ہیں محفل کی — ثاقب لکھنوی

افسردگی بھی حسن ہے تابندگی بھی حسن اجتبیٰ رضوی ہم کو خزاں نے تم کو سنوارا بہار نے

بدگمانی

تم پارسا سہی مگر اتنا تو سوچ لو داغ کچھ دیکھ ہی لیا ہے جو دل بدگماں ہے اب

مجھے ڈالا ہے سو وہم و گماں میں حالی بہت کیوں آج مجھ پر مہرباں ہو

نہ کر شکوہ ہماری بے سبب کی بدگمانی کا

نواب امداد امام اثر

محبت میں ترے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے

جب سے تو مہرباں ہے پیارے جگر مرادآبادی اور دل بدگمان ہے پیارے

ضبط

زبیم آنکہ ذوقش کم نگردد اقبال نگویم حالِ دل با رازداراں

ٹکڑے کب غم نے یہ جگر نہ کیا قائم نہ کیا ہم نے نالہ سر نہ کیا

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا میر دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

سیکھ لے ہم سے کوئی ضبط جنوں کے انداز

شہیدی

برسوں پابند رہے پر نہ ہلائی زنجیر

روکنا فرقت میں اشکوں کا نہیں اچھا امیر

امیر

چار دن کے ضبط میں دیکھو تو کیا عالم ہوا

کوئی میرے برابر کیا کرے گا ضبط الفت میں

ولہٗ

نہیں آتا زباں تک دل سے حرفِ آرزو برسوں

ضبط دیکھو ادھر نگاہ نہ کی ‌ ‌ داغ ‌ ‌ مر گئے مرتے مرتے آہ نہ کی

اِک خو سی ہو گئی ہے تحمل کی ورنہ اب ‌ ‌ حالی ‌ ‌ پہلا سا حوصلہ نہیں صبر و قرار کا

تم خوب جانتے ہو مری تابِ ضبط کو ــــــــ کوئی تو بات ہے کہ گلہ کر رہا ہوں میں

دیا ہو تو دیا ہو کچھ پیامِ شوق آنکھوں نے
مرے لب تک تو حرفِ مدعا اب تک نہیں آیا ‌ ‌ سید یامن

بہت آج وہ مہرباں ہو رہا ہے ‌ ‌ حسرت ‌ ‌ مرے ضبط کا اِمتحاں ہو رہا ہے

سرورِ بادۂ اُلفت فقط ضبطِ فغاں تک ہے
جو سچ پوچھو تو جینے کا مزہ دردِ نہاں تک ہے ‌ ‌ صفدر مرزاپوری

ہو گئے سلسلۂ ضبط کے ٹکڑے ٹکڑے ‌ ‌ آسی الدنی ‌ ‌ ایک جھٹکا جو دیا عشق کی رُسوائی نے

آنسوؤں کی کمی نہیں لیکن ‌ ‌ جگر مرادآبادی ‌ ‌ کچھ سبب تھا کہ آنکھ تر نہ ہوئی

یہ بزمِ غیر ہے لو کامِ ضبط سے الیاس
گرے جو آنکھ سے آنسو بڑی ہنسی ہوگی ‌ ‌ مؤلف

نہ آیا مرتے مرتے شکوۂ جورِ بتاں لب تک
قیامت تک کرینگے تذکرہ اہلِ ستم میرا ‌ ‌ مسعود

اسی طرح ہنس ہنس کے آنسو پیئے جا ‌ ‌ خمار ‌ ‌ ٹپکنے نہ پائے شرابِ محبت

ندامت

ایک دن ہاتھ لگا یا نہ ترے دامن کو ‌ ‌ قائم ‌ ‌ آج تک سر ہے خجالت سے گریباں کے بیچ

یوں گنوا تا ہے کوئی دل کو میر ‌ ‌ میر ‌ ‌ یہی آتا ہے بار بار افسوس

خدا کے سامنے ہم جائیں کیونکر اخترؔ بتوں پر عمر بھر شیدا رہے ہم

اضطراب

بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں تمیزؔ حالت اک اضطراب کی سی ہے

اثرِ اضطرابِ قیس نہ پوچھ ریاضؔ پردہ اُٹھ اُٹھ گیا ہے محمل کا

اُٹھنے لگیں زمانے کی نظریں مری طرف سرشنکر لال میں نے یہ کس کا نام لیا اضطراب میں

شاید وہ یاد کرتے ہیں مجھ کو کہ اور بھی
تکلیفِ اضطراب کی شدت ہے آج کل — حسرتؔ

اِرادہ

دست از طلب ندارم تا کارِ من بر آید
یا تن رسد بہ جاناں یا جاں زتن بر آید — حافظؔ

دل کو کھویا ہے کل جہاں جا کر تمیزؔ جی میں آتا ہے آج بھی ہو آؤں

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملینگے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہوگئے ناچار جی سے ہم — مومنؔ

کوئی دن گر زندگانی اور ہے غالبؔ اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

جی میں آتا ہے یہ اشہرؔ دیدۂ خونبار سے
آج اپنی آستیں کو گُل بہ داماں کیجئے — اشہرؔ

گداگری

بندۂ حلقہ بگوشم سرِ خدمت دارم (چشم بر دہا ... ولہ) من از بلند سروی من از آزادی
ہجر آزردہ مرا فکر وصالے کردم (سالار شیرازی) شادماں خاطرِ خود را بخیالے کردم

خدا جانے کہ کیا خواہش ہے جی کو (میرؔ) نظر اپنی نہیں ہے محو کیں پر

اِن دنوں کچھ عجب ہے حال مرا (میر دردؔ) دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہے

اگر بجز ہمیں یاد کر نہیں سکتا (یقینؔ) کبھی بُرا ہی ہمیں کہہ ترا بھلا ہوگا

مہربانیہائے دشمن کی شکایت کیجئے (غالبؔ) یا بیاں کیجے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

آتے ہے بیکسیِ عشق پہ رونا غالب (ولہٗ) کس کے گھر جائیگا سیلابِ بلا میرے بعد

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ (ولہٗ) گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے (ولہٗ)

پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے (ولہٗ) سینہ جویائے زخمِ کاری ہے

پھر اُسی بیوفا پہ مرتے ہیں پھر وہی زندگی ہماری ہے

اللہ رے فرطِ شوقِ اسیری کہ شوق میں (انورؔ) پہروں اُٹھا اُٹھا کے سلاسل کو دیکھنا
اور بگڑے ہیں مزاج آپکے دیوانوں کے (پیارے صاحب رشیدؔ) آج در بند کئے جاتے ہیں زندانوں کے

قابلِ عفو میں آلودۂ عصیاں ہولوں (امیرؔ) اے اجل صبر کر اتنا کہ پشیماں ہولوں

وہ خوشی بھی دید کے قابل ہے جب ہوتا ہے شاد
مضطرب کو مضطرب مضطر کو مضطر دیکھ کر (داغؔ)

خوبرویوں سے یاریاں نہ گئیں   حسرت   دل کی بے اختیاریاں نہ گئیں

مرے غم کی اُنھیں کس نے خبر کی   ناطق گلاؤٹھی   گئی کیوں گھر کے باہر بات گھر کی

شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی   چکبست   کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

شکوہ لذت کے لئے ہے ورنہ وہ کافر ہے وہ

اثر لکھنوی

دل دُکھانے سے اثر جو اور پیارا ہوگیا

اب وہ عالم ہے ترے دردِ محبت کے نثار   ولہٗ   التفاتِ نگہِ ناز بھی منظور نہیں

دل کو برباد کر کے بیٹھا ہوں   جگر مرادآبادی   کچھ خوشی بھی ہے کچھ ملال بھی ہے

جو ہم روتے تو آنسو پونچھنے والے بھی مل جاتے

تنجی

شریکِ رنج و غم دامن سے پہلے آستین ہوتی

جی کڑا کر کے حالِ دل اُن سے   جوش   اب تو کہتے ہیں ہر چہ بادا باد

گذار دوں ترے غم میں جو عمرِ خضر ملے

نثار

ترے نثار یہ دو دن کی زندگی کیا ہے

آدابِ عشق

صلح کردیم من و غیر دریں بود صلاح مُلک قُمی زانکہ جنگ من و او باعث رُسوائی تُست
اندکے باتو بگفتم و بدل ترسیدم ـــــ کہ توآزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

دُور خاموش بیٹھ رہتا ہوں آبرو اس طرح دل کا حال کہتا ہوں

قائم اور تجھ سے طلب بوسے کی کیونکر مانوں
ہے تو نادان مگر اتنا بد آموز نہیں قائم

پاسِ ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل سودا ورنہ یاں کو نسا اندازِ فغاں ہے کہ نہیں

دور بیٹھا غبارِ میر اُس سے میر عشق بن یہ ادب نہیں آتا

پاس ناموسِ عشق تھا ورنہ ولہٗ کتنے آنسو پلک تک آئے تھے

جنوں میں بھی وہی پاسِ وفا ہے میر درد تجھے کیا اے دل دیوانہ کہیئے

ہوں گرچہ بیگنہ پہ مجھے تیرے روبرو مصحفی سرکو جھکائے مثل گنہگار بیٹھنا

دل جس کو چاہتا ہے اُسے بھی خبر نہ ہو نظیر اکبرآبادی اپنی تو فہم میں ہے یہی رائے سب سے خوب

اُس کی جبینِ پاک پہ اِس دم تک اے نسیم
کافر ہوں گر پڑی ہو نگہ بے وضو مری ولہٗ

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے غالب

گرچہ ہے ادبِ عرضِ تمنا تسلیم تسلیم کہہ چکے یار سے تم حالِ پریشاں اپنا

آیا کبھی نہ حرفِ تمنا زبان پہ شبلی یاں تک تو ہم کو پاسِ ادب کا لحاظ ہے

اُٹھ گئے اُس مقام سے اشک بھر آئے جس جگہ
آج تک بچائے ہیں عشق کی آبرو کو ہم
شاد عظیم آبادی

کہہ کے یہ اور کچھ کہا نہ گیا آرزو لکھنوی کہ ہمیں آپ سے شکایت ہے

دیکھنا بھی تو انہیں دور سے دیکھا کرنا حسرت شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا

[illegible] کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عمر ولہٗ ہم سے اظہارِ مدعا نہ ہوا

یہ بھی آدابِ محبت نے گوارا نہ کیا ولہٗ اُن کی تصویر بھی آنکھوں سے لگائی نہ گئی

خموشش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں
اقبال

دیکھیں ہیں تم کو کنکھیوں سے تو مجبوری ہے مضطر [illegible] ہاں نظر بھر کے جو دیکھیں تو گنہگار آنکھیں

نیاز مندِ محبت گنہگار ہوئے اثر لکھنوی فلک کی سمت دمِ اضطراب دیکھ لیا

پوچھنے والے تو نے پوچھا [illegible] کرم اعتبار کیا
لب پر آئے حدیثِ تمنا عشق کے یہ آداب نہیں
ولہٗ

[illegible] سے زیادہ عشق [illegible] ولہٗ ورنہ آلودہ جبینِ بندگی ہو جائیگی

دور سے گاہ گاہ ایک نگاہ ولہٗ اِس کو بھی مدتِ مدید ہوئی

ہے یہ وہ ضبطِ شوقِ نظارہ دمِ اخیر ولہٗ دل چاہتا کدھر تھا کدھر دیکھتے رہے

تڑپے بھی مضطرب بھی ہوئے وقتِ قتل ہم
سب کچھ سہی تمہارا تو دامن بچا لیا
آسی آلدنی

دھڑکنے لگا دل نظر جھک گئی جگر مرادآبادی کبھی اُن سے جب سامنا ہو گیا

یوں بسر کی زندگی ہم نے اسیری میں جگر
ہر طریقہ داخلِ آدابِ زنداں ہوگیا

ولہٗ

ہاں سزا دے اے خدائے عشق اے توفیقِ غم
پھر زبانِ بے ادب پر ذکرِ یار آ ہی گیا

ولہٗ

جو ذرّہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے　　ولہٗ　　اپنی حدود سے نہ بڑھے کوئی عشق میں

تمہیں ظالم کہے سارا زمانہ ــــــ مگر ہم کیا کہیں اپنی زباں سے

تم نے نگاہِ لطف سے رکھ لی ادب کی شرم
ورنہ لبوں تک آ ہی چکا تھا گلہ ابھی

مذہبِ عاشق

کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست — خسرو — ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زُنّار نیست
خلق میگوید کہ خسرو بُت پرستی میکند — آرے آرے میکنم با خلق ما را کار نیست

مسلماں کافرم کافر مسلماں — جلال اسیر — نہ دینم رونقے دارد نہ دُنیا

مرا دلیست بہ کفر آشنا کہ چندیں بار — رائے چندر بھان برہمن — بہ کعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

داراشکوہ کی سفارش سے شاہجہان کی بارگاہ میں رائے چندربھان کو شرف باریابی حاصل ہوا کلام سنانے کی اجازت عطا ہوئی، رائے چندربھان نے شعر مندرجہ بالا سنایا، شاہجہان شعر سُن کر قدرے مکدّر ہوا کیونکہ اس میں کعبہ پر چوٹ نہ سہی اُس کی زیارت کو بے اثر ہونا کہا گیا ہے، نواب سعد اللہ خاں نے شہنشاہ کے چہرے کا رنگ دیکھا اور صورتِ حال سمجھ گئے، اُنھوں نے عرض کیا، اگر برہمن اپنے دل کو برہمن لائے تو کیا تعجب ہے کسی نے یوں بھی تو کہا ہے: سہ

خرِ عیسےٰ اگر بہ مکّہ رود
چوں بیاید ہنوز خر باشد

غرض کہ نواب سعد اللہ خاں نے بدمزگی یوں رفع کی،

بت پرستانیم با اسلام مارا کار نیست
غیر تارِ زلف مارا رشتۂ زنّار نیست — زیب النساء

عشق عالم سوز را با کفر و ایماں کار نیست
گردنِ من در کمند سبحہ و زنار نیست — ناصر علی

کارے عجب افتاد بدیں شیفتہ مارا — غالب — مومن نہ بود غالب و کافر نتواں گفت

خدا را اے بتاں گردِ دلش گردیدنی دارد — ولہٗ — دریغا آبروے دیر گر غالب مسلماں شد

خوش بود فارغ ز بندِ کفر و ایماں زیستن — ولہٗ — حیف کافر مردن و آوخ مسلماں زیستن

میر کے دین و مذہب کو تم پوچھتے کیا ہو اِن نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھے کب کا ترک اسلام کیا — میر

اپنے مذہب میں ہے اِک شرط طریقِ اخلاص — بیتاب — کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن — مومن — آخری دور میں کیا خاک مسلماں ہونگے

مذہبِ عشق ہے پرستشِ حسن — حسرت — ہم نہیں جانتے عذاب و ثواب

ہے یہی کفر محبت کے پرستاروں میں — اثر لکھنوی — عشق اگر حسن کی عصمت کا نگہباں نہ ہوا

کافروں میں ہے جگر تو نہ مسلمانوں میں — جگر مرادآبادی — کوئی کافر تجھے سمجھے ہے مسلماں کوئی

مضامین جن کا تعلّق مذہب سے ہے

تسبیح و زنّار

اے برہمن چہ زنی طعنہ کہ در مسجد ما رائے چندر نجابر تن سبحۂ نیست کہ آں غیرتِ زنّار تو نیست
مرا بہ رشتۂ زنّار الفتِ خاص است   ولہٗ   بہ یادگار من از برہمن ہمیں دارم
تواں از دانہائے سبحہ دانست   محمد قلی سلیمؔ   کہ دلہا را بدلہا ہست راہے

وہی اک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنّار کہتے ہیں   ٹیک چند بہار

بتوں کی بات پر کیوں چھوڑتا ہے اب تو کعبے کو
نہ ہو سوداؔ تو کافر رشتۂ زنّار نازک ہے   سوداؔ

دیکھنا قیدِ تعلق میں نہ آنا آزاد   آزادؔ   دام آتے ہیں نظر سبحہ و زنّار مجھے

سجّادہ

بکوے مے فروشانش بجامے برنمی گیرند   حافظؔ   زہے سجادہ و تقویٰ کہ یک ساغر نمی ارزد

امام

کرتا ہے امام آج بہت سہو کے سجدے   داغؔ   پوشیدہ جماعت میں وہ کافر تو نہیں ہے

زاہد

گر اے زاہد دعائے خیر می گوئی مرا ایں گو
که ایں آوارۂ کوے بتاں آوارہ تر بادا — خسرو

زاہدا ہولِ قیامت مفگن در دلِ ما — نورجہاں — ہولِ ہجراں گذرانیدیم قیامت معلوم

زمکرِ سبحہ شماراں خدا نگہ دارد — صائب — که صد سر است بیک حلقۂ کمند اینجا

چو آن کافر که اسلام آورد از بے نوائیہا
رہِ دیں میرود زاہد که دنیا نیست در دستش — حزیں

مپوش چشمِ خود از روے نوخطاں زاہد — صانع بلگرامی — کسے که منکرِ مصحف بود مسلمان نیست

ز من حذر نہ کنی گر لباسِ دیں دارم ——— نہفتہ کافرم و بت در آستیں دارم

حاتم نگر که زاہدِ پرہیز گار را — حاتم — دل جائے دیگر است و نظر جائے دیگر است

زاہد نہ داشت تابِ جمالِ پری رخاں — قتیل — کنجے گرفت و یادِ خدا را بہانہ ساخت

اندر بغل سبو و بدعت است جام — قاری غازیپوری — زاہد بہ دورِ تو چہ خوش اوقات آمدہ

سراج الدین خاں آرزو

میخانہ بیچ جا کر شیشے تمام توڑے — زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے

دکھاؤں گا تجھے زاہد اُس آفتِ جاں کو — سودا — خلل دماغ میں ہے تیرے پارسائی کا

زاہد نہیں ہے اپنی تجھے پاسِ آبرو — ولہٗ — رندوں سے تو کرے ہے جو وقتِ خمار بحث

گر ہو شراب و خلوت و محبوب خوبرو
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے — ولہٗ

زاہد اس راہ نہ آ مست ہیں مے خوار کئی بیدار ابھی یاں چھین لیئے جبہ و دستار کئی

خلوت ہو اور شراب ہو معشوق سامنے یقین زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

گر یار مے پلائے تو کیوں کر نہ پیجیئے انشا زاہد نہیں ہیں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں

زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں ذوق کیا ڈیڑھ چلو پانی میں ایمان بہ گیا

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی شیفتہ مت پوچھئے کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

مسجد سے نکل کر میں رہ میکدہ بھولا اسیر تقدیر نے میری مجھے رکھا نہ کہیں کا

باطن کو دیکھئے تو سراپا فریب و مکر امیر ظاہر کو دیکھئے تو وہ کچھ جانتے نہیں

ہمیں تو حضرتِ زاہد کی ضد نے پلوائی داغ یہاں ارادۂ شربِ مدام کس کا تھا

مے پی تو سہی توبہ بھی ہو جائیگی زاہد ولہ کمبخت قیامت ابھی آئی نہیں جاتی

بڑی ہی دھوم سے دعوت ہو پھر تو زاہد کی
یہ مے جو چار گھڑی کو حلال ہو جائے رسا

بیٹھتا ہے ہمیشہ رندوں میں بیخود دہلوی کہیں زاہد ولی نہ ہو جائے

جن کے معبود حور و غلماں ہیں حالی ان کو زاہد خدا سے کیا مطلب

ترک دنیا کے علائق تو کئے سب زاہد ولہ گر مناسب ہو تو اک ترکِ ریا اور سہی

پی پی کے اس نے سجدے کئے ہیں تمام رات ریاض اللہ رے شغل زاہدِ شب زندہ دار کا

ہجوِ مے کر رہا تھا منبر پہ ولہ ہم جو پہنچے تو پی گیا زاہد

حنا لگا کے پہونچتے ہیں گلرخوں میں ریاض
کچھ ان کی ریش مبارک کا اعتبار نہیں ولہ

کس قدر ہے بنا ہوا زاہد ولہ جیسے اس نے وہ چیز پی ہی نہیں

دمِ وعظ کیسے مزے میں ہیں زاہد ولہٗ بھرے جام کوثر کے چھلکا رہے ہیں

یہ کیا دخترِ رز تک رسائی ہوئی ولہٗ جواب ریشِ زاہد حنائی ہوئی

پتھر نظر تھی زاہدِ خانہ خراب کی تسلیم ٹوٹی ہے کیا تڑاق سے بوتل شراب کی

عدوئے میکدہ مسجد سے تا میخانہ آپہونچا سائل چھپانا جام و مینا میکشو دیوانہ آپہونچا

دیکھ لے نقشہ اگر اُس عالمِ تصویر کا شفق تُو تو کیا زاہد دل آئے اُس پہ تیرے پیر کا

قسم کھا کے کہتا ہوں قرآن کی ولہٗ بڑی چیز زاہد ہے ایمان بھی

دیکھا اُس بُت کو جو زاہد نے تو یہ حال ہوا

پھینکا عمامہ کہیں، تسبیحِ صد دانہ کہیں حسن

رعنائیِ خیال کو ٹھہرا دیا گناہ اصغر زاہد بھی کس قدر ہے مذاقِ سخن سے دور

زاہد نے آکے پہلے تو دیکھا اِدھر اُدھر ——— پھر سر جھکا کے داخلِ میخانہ ہوگیا

پی بھی جا زاہد خدا کا نام لے کر پی بھی جا

بادۂ کوثر کی بھی اِک موج پیمانے میں ہے جگر مرادآبادی

یہ بہار آئی ہوئی ایسی گھٹا چھائی ہوئی ولہٗ ہجوِ مے کرتا ہے زاہد کیا کوئی دیوانہ ہے

زاہدا خوفِ رقابت ہے نہ اندوہِ فراق عباس جلوۂ حورِ فردوس خیال اچھا ہے

نہ کھلوائیں زباں اچھا یہی ہے حضرتِ زاہد حبیب احمد صدیقی کہ اس ترکِ طلب کو حسرتِ عصیاں بھی کہتے ہیں

اوّلیت مری زاہد کو گراں ہے ورنہ مے ولہٗ آج مجھ کو ہے تو کل اُس کو روا ہو جائیگی

نہ دو حور و مئے کوثر کے طعنے ولہٗ کہ زاہد بھی تو آخر آدمی ہے

محبت کو سمجھنا ہے تو زاہد خود محبت کر

کہ ساحل سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا خمار

آج تو زاہد نے بھی نامِ خدا پی لی شراب
میکشو مژدہ کہ اک کافر مسلماں ہو گیا — ولہٗ

پی بھی لے اے پیرِ صد سالہ ذرا سی پی بھی لے
مے نہیں زاہد جوانی ہے مرے پیمانے میں ہے — ولہٗ

واعظ

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند — حافظ — چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

کیا کروں گا ہاتھ سے مُوروں کے واعظ لے کے جام
ہوں میں ساغر کش کسی کی نرگسِ مخمور کا — سوداؔ

واعظِ ناکس کی باتوں پر کوئی جاتا ہے میرؔ
آؤ میخانے چلو تم کس کی باتوں پر گئے — میرؔ

خفیف مجھ سے اُلجھ کر عبث ہوا واعظ — یقینؔ — کہ میں تو مست تھا اُس کو بھی کیا شعور نہ تھا

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو — غالبؔ — کیا بات ہے تمہارے شرابِ طہور کی

واجد علی شاہ اختر

مجھی کو واعظا پند و نصیحت — کبھی اُس کو بھی سمجھایا تو ہوتا

کیونکر کریں مصافحہ واعظ سے بادہ کش — ذکیؔ — ہاتھوں سے اپنے پھینکدیں جامِ شراب کیا

ہجوِ مے کر رہا تھا منبر پر — امیرؔ — ہم جو پہونچے تو پی گیا واعظ

واعظ اب چھیڑ کے رندوں کو سنا کرتے ہیں
کچھ مزہ ملنے لگا ہے اُنھیں صلواتوں میں — ولہٗ

اور سنئے ابھی رندوں سے جنابِ واعظ | داغ | چل دیئے آپ تو دو چار ہی صلواتوں میں

حور پر یہ طبیعت اے واعظ | ولہٗ | تجھ سے کہہ تو دیا نہیں آتی

دم بھر کو تری وعظ میں ہم بیٹھ کے واعظ | جلال | برسوں نہ رہے بزم خرابات کے قابل

قیامت سے ڈرا کر دل دکھا میرا نہ اے واعظ
کہ اس دل میں اُمیدِ رحمتِ غفّار باقی ہے — رسا

دی ہے واعظ نے کن آداب کی تکلیف نہ پوچھ
ایسے اُلجھاؤ تری کاکلِ پیچاں میں نہیں — حالی

رندوں میں تو ہے لُطفِ مے و ساقی و مطرب
واعظ یہ بتا تو تری صحبت میں بھی کچھ ہے — اکبر الٰہ آبادی

واعظ شراب خانے میں کھولیگا کیا زباں | ریاض | ہم خوب جانتے ہیں وہ ٹرّا ہے تھاں کا

جام چھلکانے لگے بھر کر مئے کوثر سے آپ | ولہٗ | حضرتِ واعظ بہت اونچے گئے منبر سے آپ

حضرتِ واعظ نے جو چاہا کہا | ولہٗ | پر نہ کچھ بولے خدا کے ڈر سے ہم

چھپا کر بہت پی ہے مسجد میں واعظ | ولہٗ | یہ ظرفِ وضو سب کھنگالے ہوئے ہیں

اتنی تو ہو بیان میں واعظ شگفتگی | ولہٗ | ہم رند سُن کے قلقلِ مینا کہیں جسے

دل نہ مانا حضرتِ واعظ کو آتا دیکھ کر | ولہٗ | کچھ یوں ہی تھوڑی سی پی لی دیگی کیواسطے

بیٹھے ہوئے ہیں ہاتھ دھرے ہاتھ پر ریاض | ولہٗ | واعظ کے سر پہ آج سبو ہم اُچھال کے

وہ آ رہا ہے عصا ٹیکتا ہوا واعظ | ولہٗ | بھاگے اتنی کہ ساقی کہیں نہ تھاہ ملے

اس اتفاق کو فضلِ خدا سمجھ واعظ | جلیل | کہ ہجو مے ترے لب پر تھی مجھ کو ہوش نہ تھا

ذکرِ مے وعظ میں جب آتا ہے | ولہٗ | جھومتا ہے سرِ منبر واعظ

ٹکڑے ساغر کے ہمیں لختِ جگر ہیں واعظ
کہیں پاتے ہیں تو پلکوں سے اٹھا لیتے ہیں — ولہٗ

گماں بیجا نہ تھا بوتل اڑا لینے کا واعظ پر
تلاشی لی جو حضرت کی تو زیرِ آستیں نکلی — ولہٗ

مجھے اٹھانے کو آیا ہے واعظِ ناداں — جگر مرادآبادی
جو ہو سکے تو مرا ساغرِ شراب اٹھا

اٹھا کر اپنا بستر راہ لے جنت کی اے واعظ
ڈھلا جاتا ہے حوروں کا شباب آہستہ آہستہ — اسد گورکھپوری

دستِ ساقی میں جام ارے توبہ — نشتر خانقاہی
اور واعظ حرام ارے توبہ
ہوش میں آکے بات کر واعظ
میکشی اور حرام ارے توبہ

بہائے خرقہ واعظ جناں میں کچھ بھی سہی — جعفر سہارنپوری
یہاں تو درخورِ یک ساغرِ شراب نہیں

لفظوں کی نمائش ہے ہر قول ترا واعظ — ولہٗ
بے کیف تری صہبا رنگیں ترے پیمانے

واعظ عذاب قہر جہنم بجا مگر — خمار
اک چیز اور رحمتِ پروردگار ہے

کون سی جنت کا واعظ کر رہا ہے ذکر تو
ایسی اک جنت تو ہم رندوں کے میخانے میں ہے — ولہٗ

میکشوں کے دوزخ و جنت ہیں اے واعظ یہیں
ایک میخانے کے باہر ایک میخانے میں ہے

شیخ

نور بائی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے ایک مطربہ خوشنوا تھی، اسے محمد شاہ کے دربار

یں تقرب حاصل تھا، مولانا حالی کہتے ہیں :-

"ایک روز نور بائی نواب روشن الدولہ کے یہاں بیٹھی ہوئی تھی، ہنسی چہل کی باتیں ہو رہی تھیں، اتنے میں میران سید بھیک کی سواری آ پہونچی جن سے نواب صاحب کو کمال عقیدت تھی، نور بائی دوسرے کمرے میں بھیج دی گئی، میراں صاحب تشریف لائے، اور اتفاق سے دیر تک بیٹھے رہے، نور بائی پہلے تو خاموش بیٹھی رہی لیکن طبیعت میں چلبلاپن تھا اس لئے تنہائی زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکی اور بے جھجک باہر آ کر میران صاحب کے حضور میں آداب بجا لائی اور عرض کیا "اگر لونڈی کو حکم ہو کچھ گائے" میراں صاحب عاشقِ سماع تھے، خاموش رہے، نور بائی نے خاموشی کو نیم رضا تصور کر کے خیام کی حسب ذیل رباعی پُر سوز لے میں گانا شروع کیا :-

شیخے بہ زن فاحشہ گفتا مستی ... کز خیر گسستی و زِ شر پیوستی

زن گفت چنانکہ می نمائم ہستم ... تو نیز چنانکہ می نمائی ہستی

میراں صاحب کی جو حالت ہوئی نا قابلِ بیان ہے، نور بائی خاموش کر دی گئی مگر شیخ کی شورش کسی طرح کم نہ ہوتی تھی، مرغ بسمل کی طرح زمین پر لوٹتے تھے، دیر تک یہی عالم رہا، بڑی مشکل سے ہوش میں آئے"

ایران میں ایک شخص کے گھر سے آلاتِ شراب سازی و شراب نوشی برآمد ہوئے فاضل نجفی وہاں کے مجتہد و شیخ تھے، انھوں نے اُس شخص کو سزا دی، مرزا یغما نے اس پر ایک رباعی کہی، جو ذرا سخت تھی، اُس کا چرچا ہوا، "شیخ

نے بھی سُنا، یغما کو بلایا اور کہا "اہانتِ شریعت کردی بد کردی" یغما نے کہا "پشیمانم بران" شیخ چپ ہوگئے، پھر اُن سے دعائے توبہ پڑھوائی اور اُن کو رخصت کر دیا، اُنھوں نے گھر آتے ہی ایک غزل کہی جس کی طرح تھی :۔ ساغر نمی کردم چہ می کردم، گوہر نمی کردم چہ می کردم، اخیر میں کہا ؎

زِ شیخ شہر جاں بردم بتزویرِ مسلمانی　　مدارا گر بایں کافر نمی کردم چہ می کردم

یہ غزل یاروں کو دے گئے اور آپ دوسرے شہر چلے گئے، اُسی دن گلی گلی اور کوچہ کوچہ یہ شعر زبانوں پر تھا،

عارف از راہِ یقیں رفت و بمقصود رسید　　عبرت　　شیخ در مرحلۂ ظن و گمانست ہنوز

شیخ جی آیا نہ مسجد میں وہ کافر ورنہ ہم　　قائم　　پوچھتے تم سے کہ اب وہ پارسائی کیا ہوئی

شیخ جی گر آمر ہو میں بھی کروں کچھ التماس
آپ کی خاطر میں جو آیا سو فرماتے رہے　　ولہٗ

شیخ اتنا تو جتاؤ نہ تم اپنا تقوے　　سودا　　عوض مے ہے گرو جبّہ و دستار ہنوز

کس کی ملّت میں گنوں آپ کو بتلا اے شیخ
تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں مجھ کو　　ولہٗ

ہم شیخ کی سُنتے تھے مریدوں سے بڑائی
دیکھا جو اُنھیں جا کے تو عمامہ سوا ہیچ

سرنشینِ رہِ میخانہ ہوں میں کیا جانوں
تری مسجد کی تئیں شیخ کہ آیا نہ گیا　　میر

دلِ پُر خوں ہے یہاں تجھ کو گماں ہے شیشہ
شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ — ولہٗ

لڑتے ہیں جا کے باہر یہ شیخ اور برہمن — ناسخ — پیتے ہیں میکدے میں ساغر بدل بدل کر

کفر بھی اک شانِ رعنائی اُسی دلبر کی ہے — راسخ — شیخ کیوں تو برہمن سے برسرِ پیکار تھا

شیخ اِس بت شکنی پر نہ ہو اتنا مغرور — ولہٗ — تو نے توڑا نہیں اپنا بتِ پندار ہنوز

یاسمن (کنیزِ انشاء اللہ خاں)

دخترِ رز سے رات صحبت تھی — شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

منکرِ مے تھا شیخ کل آج یہ حال ہے کہ ہے
جام بدست، خم بسر، شیشہ بہ بر، سبو بدوش — احسان

حاجی محمد صادق خان اختر

اور امتحان بغیر تو یہ آپ کا غلام — قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا

[illegible] کیوں [illegible] ساقی — اثر — شیخ صاحب کی [illegible] ہی سہی

شیخ اللہ رے تیری عیاری — داغ — کس توبہ سے پڑھ رہا ہے نماز

ہم اگر کہیں کوئی بات تو کافر کہلائیں — ولہٗ — شیخ کہہ دے تو وہی بات کرامت ٹھہرے

ہم جو چپ ہوں تو سڑی کہلائیں — ولہٗ — شیخ چپ ہو تو عبادت ٹھہرے

جو اُن کے سامنے دورِ شراب ہوتا ہے — ولہٗ — تو شیخ جی کا کلیجہ کباب ہوتا ہے

کون سا دام نہاں شیخ کے جامے میں نہیں — جلال — پیچ ایسا بھی کوئی ہے کہ عمامے میں نہیں

حضرتِ شیخ نہ پینا مگر آؤ تو سہی — اوج — میکدے میں قدمِ پاک سے برکت ہوگی

لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار ہے وہ — حالی — اُس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا

اک بزرگ دین کو جھٹلائیں کیا　ولہٗ　مان لیجے شیخ جو دعویٰ کرے

اے شیخ بن پڑیگی نہ کچھ ہاں کہے بغیر　ولہٗ　گو مے ہے تند و تلخ پہ ساقی ہے دلربا

شیخ شب زندہ دار کا عالم　حیرانؔ　دیدنی ہو گیا محبت میں

طمع و خوف کی ریاضت کیا　آسیؔ غازیپوری　اور ہمت بلند کر اے شیخ

آدمی ہونا بہت دشوار ہے ——— شیخ صاحب تم فرشتہ ہو تو ہو

شیخ کو وجد میں لائی ہیں پیانوں کی گتیں

اکبر الٰہ آبادی

پیچ دستارِ فضیلت کے کھلے جاتے ہیں

جدھر اُٹھاتا ہوں آنکھیں اُدھر معاذ اللہ　ولہٗ　جنابِ شیخ پھر آخر بسر کروں کیوں کر

بڑھائی شیخ نے داڑھی اگرچہ سن کی سی

ولہٗ

مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

احتیاطاً کچھ منگالی جائے گی　ولہٗ　شیخ کی دعوت میں مے کا کام کیا

ہے میکدے میں کام بڑے ہوشیار کا　ریاضؔ　کیا نام لوں میں شیخ تہجد گذار کا

یہ ظرف شیخ کا ہے یہ مجھ خاکسار کا　　خُم سے نہ ہو وہ سیر میں چلو میں سیر ہوں

مزہ بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں　ولہٗ　جنابِ شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا

"ہے بہت ہی بدمزہ اچھی نہیں"　ولہٗ　شیخ یہ کہتا گیا پیتا گیا

لمبی داڑھی ہے ہاتھ بھر کی　ولہٗ　شرماؤ ریاضؔ میکشی سے

گرہ میں دام نہ ہونگے اُدھار پی ہوگی　ولہٗ　اُتر گئی سرِ بازار شیخ کی پگڑی

اپنے سر میرے گنہ کا بار رہنے دیجئے

ولہٗ

شیخ جی اچھی ہے یہ دستار رہنے دیجئے

لے رہے ہیں شیخ جی انگڑائیاں ولہٗ ساقیا لا جامِ مے ان کے لئے

شیخ جی اور ملا لیجیے تھوڑا پانی حفیظ جونپوری ہلکی ہو جائے کڑی ہے مرے پیمانے کی

صنم کدے میں تجلی کی تاب ہے مشکل اصغر حرم میں شیخ کو محوِ نماز رہنے دے

میخانے سے پلٹتے ہوئے شیخ جی ملے باسط بسوانی پوچھا کہاں گئے تھے تو بولے کہیں نہیں

پی کے دیکھو تو حال کھل جائے ولہٗ شیخ پوچھو نہ کچھ مزہ کیا ہے

حجابِ ناز بیجا یاسؔ جس دن بیچ میں آیا
اُسی دن سے لڑائی ٹھن گئی شیخ و برہمن میں یاسؔ

مستی بھری ہے سر میں شرابِ طہور کی بیدل عظیم آبادی دستارِ شیخ پنبۂ مینا کی شکل ہے

شیخ جی ملاّ پہ لعنت بھیجیے کافر ہے وہ ملاّ آئیے ہم آپ کچھ اسلام کی باتیں کریں

قائل نہیں ہیں حشر کا اے شیخِ محترم مؤلف وہ جانتے ہیں سب تو حساب و کتاب کیا

کبھی اے شیخ رندوں کی کرامت تو نے دیکھی ہے
اُٹھے دستِ دعا اور جھوم کر ابرِ بہار آئے اثر صہبائی

کرنے دو شیخ کو تعمیرِ خیالی جنت حبیب احمد صدیقی ذوقِ عصیاں ہی سہی لذتِ عصیاں نہ سہی

پارسا و اللہ والے

با خرابات نشیناں زِ کراماتِ ملاف حافظ ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد

مشکلے دارم زِ دانشمند مجلس باز پرس ولہٗ توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

نمازِ پارسا بے مطلبے نیست
سلامِ او سلامِ روستائی ست غنی

خوش نظیری نکتہ آوردی گرامی شد زکار

گرامی

پارسا آدابِ مے خوردن نمی داند کہ چیست

آپ کو دیکھتا ہوں اے مائل — مائل — اور امامت کو دیکھتا ہوں میں

دل میں آشفتہ ہے بتوں کا خیال — آشفتہ — لب پہ باتیں ہیں پارسائی کی

اجی شیخ جی زر سے ہے میکشی — رشید — جو مفلس ہوا پارسا ہو گیا

بتوں کی برائی رشید اس قدر — ولہ — بڑے آپ اللہ والے ہوئے

طالبِ جام ساقیا ہیں ہم — ازل — پھر چھپا کر کہ پارسا ہیں ہم

میرے لئے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام — اکبر الہ آبادی — اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں

اچھوتے جام ہیں منت کے کچھ الگ رکھے — ریاض — کسے پلائیں کوئی پارسا نہیں ملتا

بنائی کیا بری گت میکدے میں بادہ نوشوں نے

ولہ

ریاض آئے تھے کل جامہ پہن کر پارسائی کا

سستے چھوٹے جو سرِ راہ عمامہ اترا — ولہ — سر سے ان بادہ فروشوں کا تقدس اترا

پارسا بن کے ریاض آئے ہیں میخانے میں — ولہ — آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دامن کیسا

بڑے صاف طینت بڑے صاف باطن — ولہ — ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

پارسائی کا یقیں غیر کو دلواتے ہیں — ولہ — کہیں بھولے سے نہ آجائے تبسم مجھ کو

یہ سن کے نصف شب کو درِ میکدہ کھلا — ولہ — مانگی ہے اک بزرگ تہجد گزار نے

اٹھواؤ میز سے مے و ساغر ریاض جلد — ولہ — آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے

پارسا وضع پارسا صورت

برہم

کوئی برہم سے بدگماں کیوں ہو

کہہ کیا ہیں رگوں جلیل کے دل میں بھبے ہوئے

صورت جو دیکھیے تو بڑے پارسا کی ہے — جلیل

شب بھر رہے شریک جو دورِ شراب میں — عباس — وہ سب صفِ نماز میں وقتِ سحر ملے

صوفی

بروں نمی رود از خانقہ یکے ہشیار — سعدی — کہ پیشِ شحنہ بگوید کہ صوفیاں مستند

فصلِ بہار آئی پیو صوفیو شراب — آتش — بس ہو چکی نماز مصلّے اٹھائیے

گماں کس پر کریں صوفی اِدھر ہے اُس طرف واعظ

خدا رکھے محلّے میں سبھی اللہ والے ہیں

دیر و حرم

آنکہ می کرد مرا منع پرستیدنِ بُت ——— در حرم رفت و طوافے در و دیوار چہ کرد

در دیر و حرم بہرِ مناجات نہ رفتیم ——— جُز کوئے تو اے قبلۂ حاجات نہ رفتیم

اگر منزلگہ یارے نباشد — داعی — بہ دیر و کعبہ ام کارے نباشد

ساکنِ کعبہ کُجا دولتِ دیدار کُجا — عرفی — ایں قدر ہست کہ در سایۂ دیوارے ہست

روایت ہے کہ کہیں ایک مندر مسمار کیا گیا اور اس کی جگہ پر مسجد تعمیر ہوئی، اس پر کسی زاہد نے فخر کیا، رائے چندر بھان برہمن نے جواب میں یہ شعر کہا : ؎

ببیں کرامتِ بتخانۂ مرا اے شیخ — کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

لاجواب شعر ہے، شاید سہیل صاحب جیسے شاعر اس کا جواب لکھ سکیں مگر پورا یقین نہیں

که بر شیخ و برہمن دارد احسانے که من دارم
ناصر علی
چراغِ کعبه و دیر است ایمانے که من دارم

منور است ازاں نورِ چشم دیر و حرم — افصح — که این چراغ میانِ دو محفل افتادست

چشمِ وحدت بکشا مسجد و میخانه یکیست — حسینی — کفر و اسلام یکے کعبه و بتخانه یکیست

کعبه را ویراں مکن اے عشق کانجا یک نفس
گه گہے پسماندگانِ عشق منزل می کنند

بے گناہم پیرِ دیر از من مرنج — غالب — من به مستی بسته ام احرام را

مقصودِ ما زِ دیر و حرم جز حبیب نیست — ولہٗ — ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

آید ز آئینِ حرم یادِ ز رسمِ دیگرے — سبطین — عرضے نیازے بر بتے رقصے بروے کافرے

مسجد نشیناں رخصتے خواہد به دیرم لعبتے — در دست رنگیں شیشه و در شیشه موجے کوثرے

بتوں کی دید کو جاتا ہوں دیر میں قائم
قائم
مجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے

کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جاے غم ہے شیخ
سودا
کچھ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب — ولہٗ — تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

برہمن بت کے صدقے شیخ بیت اللہ کے صدقے
ولہٗ
کر آؤ جا کے سودا کو دلِ آگاہ کے صدقے

شریفِ مکہ رہا ہے تمام عمر اے شیخ — میر — یہ میر اب جو گدا ہے شراب خانے کا

اب تو جاتے ہیں بتکدے سے میر — ولہٗ — پھر ملیں گے اگر خدا لایا

توڑ بت زاہد نے کیوں مسجد یہ بتخانہ کیا ——— تب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ کیا

نظر میں جب ہو دلکش ذرہ ذرہ میر درد کسے کعبہ کسے بتخانہ کہئے

کعبے میں ہم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں یقین

شیخ کچھ فرق ہے تیرے ہی نظر آنے میں
ورنہ ہے ایک وہی کعبہ و بتخانے میں لالہ نول رائے وفا

واعظ کبھی میخانے میں ہوگا نہ گذر کیا میر اثر جو چاہے سو کہہ لے ہمیں اللہ کے گھر میں

چاہتا ہوں میں تو مسجد میں رہوں مومن ولے مومن کیا کروں بتخانے کی جانب کھنچا جاتا ہے دل

دیکھو تو گمرہی بت و بتخانہ چھوڑ کر ولہٗ مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

خدا کے واسطے زاہد اٹھا پردہ نہ کعبے کا
کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صنم نکلے ظفر

جو کعبہ کا مالک وہی دیر کا ——— نہ یہ غیر کا گھر نہ وہ غیر کا

دیر کی تحقیر کر اتنی نہ اے شیخ حرم
آج کعبہ بن گیا کل تک وہی بتخانہ تھا امیر

یہ نہیں معلوم وہ کعبہ تھا یا بتخانہ تھا
دور سے دیکھا تو اس میں جلوۂ جانانہ تھا حسرت سعد آبادی

صنم خانے کی اگلی صحبتیں مجھ کو جو یاد آئیں
بہت رویا میں رات آوازِ ناقوسِ برہمن پر

مستی میں چھوڑ دیر کو کعبہ چلا تھا میں ——— لغزش بڑی ہوئی تھی ولیکن سنبھل گیا

ترکِ اُلفت پہ بتوں کی مجھے مقدور نہ تھا *مخلص مرشد آبادی* ورنہ کعبہ مرے بتخانے سے کچھ دور نہ تھا

مل گیا راہ میں میخانہ بھلے کو زاہد *بیتاب رام پوری* کعبہ کو جا ہی چکے تھے ترے بہکانے سے

میر محبوب علی خاں آصف نظام دکن

کریں بتکدہ سے عبث قصدِ کعبہ — یہاں بھی خدا ہے وہاں بھی خدا ہے

کعبہ سنتے ہیں کہ ہے گھر بڑے داتا کا ریاضؔ

زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا — *ریاضؔ*

ریاضؔ اک عمر گذری دیر میں آئے مگر اب تک

حرم میں گونجتی پھرتی ہے راتوں کو اذاں میری — *ولہ*

یہ تعظیم اللہ اللہ اُس صنم کی *جلیل* جُھکی پڑتی ہیں محرابیں حرم کی

کعبے میں مسلماں کو کہہ دیتے ہیں کافر *بسمل ٹونکوی* بتخانے میں کافر کو بھی کافر نہیں کہتے

عمر کاٹی میکدے میں بیٹھ کر *اختر* اُٹھ کے اب پیری میں کعبہ جائیں کیا

دیر و حرم بھی منزلِ جاناں میں آئے تھے *اصغر* پر شکر ہے کہ بڑھ گئے دامن بچا کے ہم

تسلیم مجھ کو خانۂ کعبہ کی منزلت *ولہ* سب کچھ سہی مگر وہ ترا آستاں نہیں

جلوۂ ذوقِ پرستش گر نہ فرمائے نیاز

ورنہ کچھ کعبے میں رکھا ہے نہ بتخانے میں ہے — *ولہ*

بتو میں اور جاؤں سوئے کعبہ *بینظیر شاہ وارثی* خدا میرے تمہارے درمیاں ہے

کبھی کعبہ کو گیا اور کبھی بتخانے کو *حسرت مانکپوری* جستجو تھی تری کیا کیا ترے دیوانے کو

کوئی حرم سے دیر سے منسوب ہے کوئی

اک رہ گیا ہوں میں کہ تمہارا کہیں جسے — *ساحر*

کنشت و کعبہ دونوں ایک ہی منزل کے رستے ہیں
کوئی آیا کہیں ہو کر کوئی آیا کہیں ہو کر
جگر گورکھپوری

سجدۂ دیر و حرم سے ہم کو آخر کیا ملا — محروم — اشتیاقِ سجدۂ بے آستاں پیدا کریں

جو اہلِ حرم درپئے دشمنی ہیں — آزاد انصاری — تو پروا نہیں آستاں اور بھی ہیں

ہم نے چھانی ہیں بہت دیر و حرم کی گلیاں
کہیں پایا نہ ٹھکانا ترے دیوانے کا
فانی

حرم کو چھوڑ کر مدت ہوئی میں دیر میں آیا
کسی کافر کی نظروں میں مگر اب تک مسلماں ہوں
حفیظ جالندھری

زمانے میں چرچے ہیں دیر و حرم کے — ولہٗ — بڑی رونقوں پر ہیں دونوں دکانیں

ڈھونڈتی ہے جس کو دنیا کعبۂ و بتخانہ میں
وہ نہ کعبے میں ہے نشترؔ اور نہ بتخانے میں ہے
نشتر خانقاہی

رسمِ ظاہر رہ گئی ہے حرمتِ دیر و حرم
آبروئے سبحہ و زنار کچھ یوں ہی سے ہے
جعفر سہارنپوری

بتخانے میں بھری ہوئی خلقت خدا کی ہے
بت بھی خدائی کرتے ہیں قدرت خدا کی ہے
ولہٗ

کفر و ایمان

عارف ہم از اسلام خراب است وہم از کفر
پروانہ چراغِ حرم و دیر ندانند
عرفی

در حیرتم کہ دشمنیٔ کفر و دیں چراست ——— از یک چراغ کعبہ و بتخانہ روشن است

درمیان کافراں ہم بودہ ام نظیری یک کمر شائستۂ زنار نیست

کفر و دیں متحد بوحدتِ اوست سرخوش سخنے ہر دو لب یکے باشد

دو دل بودن دریں رہ سخت تر عیبیست سالک را

خجل ہستم زِ کفرِ خود کہ دارد بوئے ایماں ہم شبلی

بتوں کی بات پر کیوں چھوڑتا ہے اب تو کعبہ کو

نہ ہو سودا تو کافر رشتۂ زنار نازک ہے سودا

اہلِ ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا سوز آہ یارب رازِ دل اُن پر بھی ظاہر ہو گیا

قابلیت ہی نہ تھی کفر کے رشتے کی ہمیں

سعی کی لیک نہ شائستۂ زُنار ہوئے راسخ

اتنے بتخانوں میں سجدے ایک کعبے کے عوض

کُفر تو اسلام سے بڑھ کر ترا گرویدہ ہے آسی غازیپوری

وہی اک رشتہ ہے زنار اور تسبیح میں مضطر

یہ کیا مہمل سے جھگڑے پڑ گئے ہیں کفر و ایماں میں رام رتن مضطر

ہو رہا ہوں ہدفِ ناوکِ ظلمِ اصنام آسی الدنی صرف اتنی سی خطا پر کہ مسلماں ہوں میں

کافروں میں نہ جگر تو ہے مسلمانوں میں

کوئی کافر تجھے کہتا ہے مسلماں کوئی جگر مراد آبادی

میرے ایمانِ کفر آمیز کی تقلید لازم ہے

مجھے ناقوس میں بانگِ اذاں معلوم ہوتی ہے جعفر سہارنپوری

وحدت و کثرت

غرقِ بحرِ وحدت جلوۂ کثرت نمی داند　شوکت بخاری　بزیرِ آب نتواں دید موج روئے دریارا

گہ سرو و گہے سنبل و گہ یاسمنے　سرمد　گہ کوہ و بیابان و گلہے چمنے

گہ نورِ چراغے و گہے بوے گلے　　گہ در چمنے و گاہ در انجمنے

حسنِ او را در لباسِ زشت و زیبا بنگرم　حسینی　یک حقیقت در میانِ لعل و خارا بنگرم

کثرتِ موہوم کے باشد حجابِ وحدتم　　من کہ در ہر ذرہ آن خورشید سیما بنگرم

کریں ہم کس کا پوجا اور چڑھائیں کس کو چندن ہم
صنم ہم، دیر ہم، بتخانہ ہم، بت ہم، برہمن ہم　فیض

۲۴

گوناگوں

قاضئ شہر عاشقاں باید　سعدی　کہ بیک شاہد اختصار کند

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرِ ما　حافظ　چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما

کارے عجب اُفتاد بدیں شیفتہ مارا　غالب　مومن نبود غالب و کافر نتواں گفت

جذبِ ذوقش بیں کہ در ہنگامِ برگشتن ز دیر
در قفائے خویشتن بت را برفتار آورد　ولہٗ

مئے کہنہ ملے گی مسجدوں میں　جوہر　یہ خمخانے ہیں تیرہ سو برس کے

نظر کرتا ہوں جب عقبیٰ کے حیراں کن فسانوں پر
شبِ ہستی میں اک خوابِ پریشاں دیکھ لیتا ہوں　احسان دانش

ناصح

ہر کسے ناصح برائے دیگراں مولانا روم ناصح خود یافتم کم در جہاں
برہش نہ ناصح آمد زپئے نصیحتِ من میلی ہروی کہ بایں بہانہ او ہم سرِ راہ یار گیرد
ناصحا بیہودہ می گوئی کہ دل بردار ازو — من بفرمانِ دلم یا دل بفرمانِ من است
نمی دانم زِ منعِ گریہ مطلب چیست ناصح را
دل از من، دیدہ از من، آستین از من کنار از من
مگوائے پند گو مارا ملامت نسبتی ملامت کن دلِ نادان مارا
مقصودِ ما شنیدنِ نامِ تو بودہ است — گاہے زناصح ار سخنے گوش کردہ ام
عشقِ او نگذاشت اے ناصح بمن ہیچ اختیار
اختیارم گریہ بے اختیارے ماندہ است سودا
ناصح کہ چاکِ دامنِ من بخیہ می زند مومن یارب نہ بیند آں صنم جامہ زیب را
سودا تیرا جو حال ہے اتنا تو نہیں وہ سودا کیا جانئے تو نے اُسے کس آن میں دیکھا
رہتا ہے ان دنوں مجھے ہر یار کا خیال ولہٗ بھاتا ہے ناصحا سخن مختصر مجھے
منع گریہ نہ کر تو اَے ناصح میر اس میں بے اختیار ہیں ہم بھی
رسوائیوں کی اپنے مجھے کچھ ہوس نہیں
ناصح میں کیا کروں کہ مرا دل پہ بس نہیں ضیا

گریباں چاک کرنے سے کسی کے تجھ کو کیا ناصح
ہمارا ہاتھ جانے اور ہمارا پیرہن جانے
یقین

ناصح ترے کہے سے نہ اُس سے ملا کروں
لیکن جو دل ستائے تو پھر اُس کو کیا کروں
نواب آصف الدولہ آصف

جان کیوں کھاتے ہو گھر بھی جاؤگے ولہٗ ناصحو کب تک مجھے سمجھاؤگے

ناصحو آپ میں جرأت نہ رہا جرأت اب سمجھ کر اُسے سمجھائیگا

ناصح ہے اور ہم ہیں یہ ہیں طرفہ صحبتیں
ہم کچھ نہیں سمجھتے وہ سمجھائے جائے ہے
ولہٗ

دیکھتے ہی اُسے حاضر ہوئے مرجانے کو
وہی غمخوار جو یاں آئے تھے سمجھانے کو
افسوس

نصیحت رات دن ناصح کیا کرتے ہو تم ناحق
اُسے بھی ایک دن تم جا کے سمجھاتے تو کیا ہوتا
رنگین

کہنا ترا ہمارے سر آنکھوں پہ ناصحا ولہٗ پر کیا کریں جو دل ہی نہ ہو اختیار میں

یا تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا تاب یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

کچھ تو سمجھ لیا ہے جو اُس کو دیا ہے دل معروف کیوں ناصحا عبث ہمیں سمجھائے جائے ہے

نہ مانونگا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات پر ناصح تمہارا نام لیتا تھا
مومن

ہوش گئے یاں دل سے پہلے ہوئے سمجھ تو سمجھیں بات
یہ تو سمجھئے حضرتِ ناصح آپ کسے سمجھاتے ہیں
ولہٗ

ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہونگے ۱۰

چھوٹ کر کہاں اسیرِ محبت کی زندگی | ولہٗ | ناصح یہ بندِ غم نہیں قیدِ حیات ہے
ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے | | میں اُسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے
اُڑ گئے ہوش مرے ناصح کے | ظفر | سامنے جب وہ پریزاد آیا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا — غالب

حضرت ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائینگے کیا — ولہٗ

کبھی چشمِ خمار آلودہ کی مستی نہیں دیکھی | مجروح | بجا ہے حضرتِ ناصح کو دعوے ہوشیاری کا
منع کرتا ہے مجھے یار کے گھر جانے کو | ناظر | ناصحا آگ لگے اس ترے سمجھانے کو
خواہشِ وصل تو کیوں کر کہوں لیکن ناصح | اسیر | دیکھ لینے کا تو حضرت کو بھی ارماں ہوگا
دیکھ پایا ہے اُنھیں حضرتِ ناصح نے کہیں | ولہٗ | اب میں سمجھا جو غرض ہے میرے سمجھانے سے
پوچھے تو کوئی حضرتِ ناصح سے اتنی بات | داغ | ایسے ہی تھے جناب بھی عہدِ شباب میں
ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی | ولہٗ | عجیب چیز ہے یہ عرضِ مدعا کے لئے
مصلحت ترکِ عشق ہے ناصح | بیان | لیک ہم سے یہ ہو نہیں سکتا
حضرتِ ناصح کی باتیں میں سمجھتا ہی نہیں | رسا | ناسمجھ ہیں دل لگی سمجھے ہیں سمجھانا مرا
وہ آرہا ہے عصا ٹیکتا ادھر ناصح | ریاض | بہا دے اتنی کہ ساقی کہیں نہ تھاہ ملے
ہے سر تا قدم سادہ لوحی کا نقشہ | عزیز | غنیمت زمانے میں ناصح کا دم ہے

زاہد سے گفتگو ہو کہ ناصح سے بحث ہو رُسوا بنتی نہیں ہے ذکر کسی کا کئے بغیر

یہ نصیحت اور یہ عہدِ شباب احقر تو بھی اے ناصح بڑا نادان ہے

وہاں جانے کو منع کرتے ہیں سب بے نظیر شاہ مگر ساتھ چلنے کو راضی بھی ہیں

ناصحا یہ بات کعبے میں نہ بتخانے میں ہے
جگر گورکھپوری
حال میخانے کا وہ جانے جو میخانے میں ہے

نصیحت کو آتے ہیں غمخوار آسی آسی الدنی گریباں کو پھر آج سینا پڑیگا

کوئی ناصح ہے کوئی دوست ہے کوئی غمخوار
ولہٗ
سب نے مل کر ہمیں دیوانہ بنا رکھا ہے

جو نہ سمجھے ناصحو پھر اُس کو سمجھاتے ہو کیوں
جگر مراد آبادی
ساتھ دیوانے کے دیوانے بنے جاتے ہو کیوں

ترکِ اُلفت بہت بجا ناصح ولہٗ لیکن اُس تک اگر یہ بات گئی

یہ سب سوچ کر دل لگایا ہے ناصح مجذوب نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

میں مجذوب ہوں کچھ سمجھئے تو ناصح بھلا آپ کس کو یہ سمجھا رہے ہیں

کہنا ہے کچھ کرنا ہے کچھ فضلی اچھا ہے سمجھانے والا

باز آتے کہیں ناصح مجھے سمجھانے سے سید نیاز احمد اور ہو نکلے جو بہک جاتے ہیں بہکانے سے

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر خمار کنارے سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

عشق آفت سہی مگر ناصح ولہٗ کم نہیں کچھ تری نصیحت بھی

رقیب

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی
عراقی

خواجہ ہمام تبریزی اپنے زمانہ کے قابل بزرگوں میں تھے، شیخ سعدی اُن کے زمانہ میں تبریز پہنچے، دونوں بزرگوں سے ایک حمام میں ملاقات ہوئی، تھوڑی دیر بعد ایک خوبصورت لڑکا خواجہ صاحب کو پنکھا جھلنے لگا، شیخ اور لڑکے کے درمیان خواجہ صاحب حائل تھے، خواجہ صاحب نے شیخ سے دریافت کیا کہ کیا شیراز میں ہمام کا کلام بھی پڑھا جاتا ہے، شیخ نے کہا کیوں نہیں، وہاں تو اُس کی بڑی شہرت ہے، خواجہ صاحب پوچھا کوئی شعر یاد ہے شیخ نے جواب دیا ہاں اور یہ شعر پڑھ دیا :ـــ

درمیانِ من و معشوق حجاب است ہمام
وقت آنست کہ ایں پردہ بہ یکسو فگنیم

خواجہ صاحب نے کہا، قسم کھاؤ کہ تم سعدی نہیں ہو، شیخ نے جواب دیا بیشک میں سعدی ہوں، خواجہ صاحب نے اُٹھ کر تعظیم کی اور معافی مانگی،

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی حافظ بیاد آر حریفانِ بادہ پیما را

من ارچہ در نظرِ یار خاکسار شدم ولہٗ رقیب نیز چنین محترم نخواہد ماند

حریفاں بادہا خوردند و رفتند ——— تہی خمخانہا کردند و رفتند

با رقیباں ہمدم و ہمراز بینم یار را مرزا کامران یا رب آساں کن بمن ایں مشکلِ دشوار را

ہرچند غیر لاف محبت زند ولے ——— ما را امیدہا بدلِ بدگمانِ تست

ہمرہِ غیر است و با من صد عنایت میکند ——— یا رب ایں لطف است یا رفع خجالت میکند

تو نظر بازئی ورنہ تغافل نگہ است وحشی تو زباں فہم نئی ورنہ خموشی سخن است

میروی با غیر و می گوئی بیا عرفی تو ہم

لطف فرمودی برو ایں پائے رفتار نیست عرفی

آنانکہ دل بہ غیبت ما شاد می کنند حاجی طہرانی بارے بداں خوشم کہ مرا یاد می کنند

غم نیست گر بہ خنجرِ کیں می کشد مرا شرف قزوینی بہرِ رقیب می کشد ایں می کشد مرا

از رقیب آزار اے دل گر رسد ہرگز منال

از برائے گل جفائے خار می باید کشید خورشید

صد جور میکنی و نمی رنجم اے رقیب ——— چوں آگہم کہ ایں ہمہ فرمودہ میکنی

بعد عمرے گر نگاہے جانبِ ما می کند ——— صد نگہ بہرِ تسلّی سوئے دشمن می کند

ندانم باکہ در حرفی کہ در خلوت سرائے دل

بگوشم گفتگوے مردمِ بیگانہ می آید

در حضورِ غیر با من ایں ہمہ دشنام چیست

اے شوم قربانِ تو ایں لطفِ بے ہنگام چیست

دستے بدوشِ غیر نہادہ از سرِ کرم قتیل ما را چو دید لغزشِ پا را بہانہ ساخت
اس قدر کیا ہے حمایت غیر کی یکرنگ ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں غیر تیرے پاس
پر جو خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا — سودا

نسیجئے ہمدم بھلا کیوں کر نہ شکوہ یار کا
ہم تو بندے اُس کے ہوں وہ یار ہو اغیار کا — شاہ عالم آفتاب

ہم خاک میں ملے تری خاطر وُلے میاں
ملنا ترا نہ غیر سے زنہار کم ہوا — لالہ گوروبخش رائے ادیب

اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں
تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں — جرأت

کچھ بات تم سے کر نہیں سکتے ہزار حیف
مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے — افسوس

مرگِ دشمن کا زیادہ تم سے ہے مجھ کو ملال
دشمنی کا لطف شکوؤں کا مزہ جاتا رہا — مومن

کوئی دن بوالہوس بھی شاد ہو لیں ولہٗ دھرا کیا ہے اشاراتِ نہاں میں

غیر سے سرگوشیاں کر لیجئے پھر ہم بھی کچھ
آرزو ہائے دلِ درد آشنا کہنے کو ہیں — ولہٗ

ہے نگاہِ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے
یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے — ولہٗ

خدا جانے عدو پہ کیا بنے گی تسکین پڑا ہے کام اُس سے بدگماں سے

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو غالب اک تماشا ہوا گلہ نہ ہوا

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا — ولہٗ

رات کے وقت مے پئے ساتھ رقیب کو لئے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں — ولہٗ

تم جانو تم کو غیر سے گر رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو — ولہٗ

غیر کی مرگ کا غم کس لئے اے غیرتِ ماہ
ہیں ہوس پیشہ بہت وہ نہ ہوا اور سہی — ولہٗ

(رمز از ولی عہد بہادر شاہ ظفر)

تم رہو اور مجمعِ اغیار میرا کیا ہے ہوا ہوا نہ ہوا

شکوہ جفا کا کیجے تو کہتے ہیں کیا کروں
تجھ سے وفا کروں کہ عدو سے وفا کروں — شیفتہ

غیر سے مشورۂ ظلم و ستم کرتے ہیں سالک دیکھئے آج وہ کیا ہم پہ کرم کرتے ہیں

کہتا نہیں کہ پان رقیبوں کو تو نہ دے اسیر اتنا رہے لحاظ مرے روبرو نہ دے

غیروں سے التفات پہ ٹوکا تو یوں کہا داغ دنیا میں بات بھی نہ کریں کیا کسی سے ہم

دوست پر کس دوست نے کی ہوگی ناوک افگنی
ہو نہ ہو اے فتنہ گر دشمن تری چتون میں ہے — آسی غازیپوری

ہچکیاں آئے مرنہ جائے عدو ـــــ یاد کیوں بار بار کرتے ہو

جلے ہیں غیر کیا کیا جب مری خلوت سے وہ نکلے
پریشاں باندھ کر جوڑا دوپٹہ اوڑھ کر الٹا

جمع کر لیجئے غیروں کو مگر خوبیٔ بزم شبلی بس وہیں تک ہے کہ بازار نہ ہونے پائے

غلط ہے آپ نہ تھے ہمکلام خلوت میں ریاض عدو سے آپ کی تصویر بولتی ہوگی

تمہیں کون ہیں اور بہکانے والے اشک یہی آنے والے یہی جانے والے

اشک کا یہ مطلع اُن کے استاد مرزا داغ کو بہت پسند تھا، وہ کبھی کبھی
اس کو پڑھا کرتے اور اس کی تعریف کیا کرتے'

تم آپ سے نہیں جاتے یہاں سے گھبرا کر رخرو یہ کس کے جذبۂ دل کا اثر ہے کیا کہئے

روبرو غیروں کے شکوہ آپ کا ہم کیا کریں
ہو رہینگی پھر کبھی باتیں ہماری آپکی حفیظ جونپوری

رخ مری جانب نگاہ لطف دشمن کی طرف فانی یوں اُدھر دیکھا کئے گویا اِدھر دیکھا کئے

مری نگاہ میں ہے اے عدوئے دوست نما
وہ تیر بھی جو ابھی تک تری کماں میں نہیں جعفر سہارنپوری

زنداں

دردا کہ زِ قیدِ ستم آزاد نہ گشتم   زیب النسا   یک لحظہ زِ غمہائے جہاں شاد نہ گشتم

زنداں میں جو زندہ بھیجا ہو   پنڈت دیا شنکر نسیم   اپنے دلِ تنگ میں جگہ دو

رخصت اے زنداں جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے
مژدہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے   ذوق

پائے کوباں کوئی زنداں میں نیا ہے مجنوں
ایسی آوازِ سلاسل کبھی آتی تو نہ تھی   ظفر

دیکھ کر ہر در و دیوار کو حیراں ہونا   غالب   وہ مرا پہلے پہل داخلِ زنداں ہونا

وہاں اب سانس لینے کی صدا آتی ہے مشکل سے
جو زنداں گونجتا رہتا تھا آوازِ سلاسل سے   بیخود موہانی
نکالی جا رہی ہیں ہڈیاں کچھ قید خانے سے
ہوئی ہے ختم میعاد آج پابندِ سلاسل کی

مناظرِ قدرت

نسیم و صبا

از کجا آمدی اے باد کہ دیوانہ شدم — خسرو — بوئے گُل نیست کہ می آیدم ایں بُوئے کسے

نسیم صبح کہ مستانہ وار می گذری ــــ ندانمت ز کُدامیں دیار می گذری

سراسر جانی اے بادِ صبا در قالبِ شوقم

پیرت گردم (تجھ پر قربان جاؤں) مگر در کوے او بسیار می گردی — پری بیگم

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی

تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں — انشاء

کس بلا کی ہوا میں مستی ہے — ریاض — کہیں برسی ہے آسماں سے آج

کچھ بھی آیا نہ تجھے خاک اڑانے کے سوا

مُنہ نہ کھلوا مرا اے بادِ صبا رہنے دے — ولہٗ

کِھلا جاتا ہے کیوں یہ غنچۂ دل — حکیم اجمل خان — نسیم صبح آتی ہے کہاں سے

چمن میں چھیڑتی ہے کس مزے سے غنچہ و گُل کو

مگر موجِ صبا کی پاکدامانی نہیں جاتی — اصغر

چھیڑ ناحق نہ اے نسیم بہار — حسرت — سیرِ گُل کا یہاں کسے ہے دماغ

نسیمِ کوئے جاناں ہے کہ حسرت — ولہٗ — ہوا آتی ہے فردوسِ بریں سے

چمن

وفائے گل ہیں نے چشمِ مروت باغباں میں ہے
نکل بلبل کہ ہے اس باغ سے کُنجِ قفس بہتر — سودا

کس کی ہیں یہ چمن میں صبا بدشرابیاں — ولہٗ — ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا ہمیں — ولہٗ — اے اُلفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو

اُگتے تھے دستِ بلبل و دامانِ گل بہم — میر — صحنِ چمن نمونۂ یوم الحساب تھا

کیا ہی دکھلاتی ہیں گلشن میں چمن کی ڈالیاں
گہری گہری سبزیاں اور جھجھماتی لالیاں — ہدایت

گلستاں میں آج پھر سیر یار آنے کو ہے
مژدہ باد اے بلبلو فصلِ بہار آنے کو ہے — منی بائی حجاب

موسمِ گل میں حسینوں کا مرقع ہے چمن — جلیل — جو کلی کھلتی ہے تصویر نظر آتی ہے

چمن سے رخصتِ فانی قریب ہے شاید — فانی — کچھ اب کی بوئے کفن دامنِ بہار میں ہے

شبنمِ ناتواں سہی لیکن — سہیل — اس گلستاں میں ہے نمو مجھ سے

غنچہ

دلم زِ پاکی دامانِ غنچہ می لرزد — صائب — کہ بلبلاں ہمہ مست اند و باغباں تنہا

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے — ذوق — حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بِن کھلے مرجھا گئے

کہیں کہیں پہلا مصرعہ یوں دیکھا ہے :-

گُل بھلا کچھ تو بہاریں اسے صبا دکھلا گئے

کلیاں یہ سُرخ سُرخ نہیں لالہ زار ہیں
مہندی لگی ہے دستِ عروسِ بہار ہیں — امیر

نہ رہنے پائے بلبل جی کی جی ہیں — ریاض — کہ اب رس آچلا ہے ہر کلی میں

گرہیں ہیں رنگ و بو کی یہ کلیاں گلاب کی
مے کی گلابیاں ہیں یہ کلیاں گلاب کی

گُل

گُل میدرد قبا بہ چمن داد خواہ کیست — قاآنی — گلشن بخون تپیدہ شہیدِ نگاہِ کیست

بوے یارِ من ازیں سست وفا می آید — نظیری — گلم از دست بگیرید کہ از کار شُدم

یوں بارِ گُل سے اب کی جھکے ہیں نہالِ باغ
جُھک جُھک کے جیسے کرتے ہیں دو چار بار بات — میر

پھاڑا ہزار جامے گریبان صبر میر — ولہٗ — کیا کہ گئی نسیمِ سحر گُل کے کان میں

اگر یہ جانتے چُن چُن کے ہم کو توڑیں گے
تو گُل کبھی نہ تمنائے رنگ و بُو کرتے — ذوق

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اُس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے — ولہٗ

یہ گُل میرے دامن پہ ہنستے ہیں کیا — شفق — ذرا دیکھیں اپنا گریبان بھی

میں نے آنکھوں میں لے لیا اُس کو　خلیق　پھول جو دستِ باغباں سے گرا

بُلبل

من آں مرغم کہ باشد آشیانم سایۂ برگے
توانذ جنبشِ بادے مرا بے خانماں کردن　نظام شیرازی

از فریبِ باغباں غافل مشو اے عندلیب　حاتم　پیش ازیں من ہم دریں باغ آشیانے داشتم

آن بلبلم کہ در چمنستان شاخسار　غالب　بود آشیانِ من شکنِ طرۂ بہار

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا گل اپنا غنچہ اپنا باغباں اپنا　مظہر جان جاناں

چمن میں کیوں نہ باندھے عندلیب اب آشیاں اپنا
کہ جانے ہے گل اپنا باغ اپنا باغباں اپنا　حاتم

کہیں بھی میرا ٹھکانا نہیں زمانے میں　ولہٗ　نہ آشیانے کے باہر نہ آشیانے میں

فریبِ باغباں پر ہو کے غافل　قائم　نہ اے بلبل اکٹھے خار و خس کر

پاسِ ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل
ورنہ یاں کون سا اندازِ فغاں ہے کہ نہیں　سودا

سیر کر عندلیب کا احوال　میر　ہیں پریشاں چمن میں کچھ پر و بال

اب فائدہ سراغ سے بلبل کے باغباں　ولہٗ　اطرافِ باغ ہوں گے پڑے مشتِ پر کہیں

پھر وہی کنجِ قفس پھر وہی صیاد کا گھر　زند　چار دن اور ہوا باغ کی کھالے بلبل

غمِ صیاد و فکرِ باغباں ہے ــــــ دو عملی میں ہمارا آشیاں ہے

بال و پر ٹوٹے ہوئے پرواز کی طاقت نہیں
تاک میں صیاد اور گلشن کی دیواریں بلند

زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کئے ——— آشیاں اُجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کئے

پھر وہی ہونگے قفس میں ترے نالے بلبل اسیر چھاؤنی چار دن اس باغ میں چھالے بلبل

جب سے بلبل تو نے دو تنکے لئے امیر لوٹتی ہیں بجلیاں اِن کے لئے

فصلِ خزاں کمیں میں ہے صیاد گھات میں حالی مُرغِ چمن کو فرصتِ سیرِ چمن کہاں

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا اکبر الہ آبادی

کوئی دیکھے مرا شوقِ اسیری شفق نگاہِ باغباں میں آشیاں ہے

موسمِ گُل ہو گیا آمادہ جانے کے لئے ولہٗ اور جگہ ڈھونڈھا کئے ہم آشیانے کے لئے

گوشے سے نشیمن کے آہوں کا اثر دیکھا ریاض صیاد کا گھر جلتے بے برق و شرر دیکھا

دل شکستہ ہو کے جا بیٹھے قریبِ آشیاں عزیز جب صدائے دور باش آئی حریمِ ناز سے

اب چمن میں رہ کے بھی لُطفِ چمن حاصل نہیں
ہاں مگر جیب تک قفس میں تھے قفس بد نام تھا رواں

نشیمن پھونکنے والے اب اپنی زندگی یہ ہے
کبھی روئے کبھی سجدے کئے خاکِ نشیمن پر بیخود موہانی

گرے اس پہ بجلی تو احسان مانوں سہیل قفس ہے مرا آشیانہ نہیں ہے

صیاد اب قفس سے ڈراتا ہے کیا مجھے ولہٗ تیرے کرم سے شکل وہی آشیاں کی ہے

خبر نہیں مرا تنکوں کا ایک جا کرنا بیدل ہے بجلیوں کے لئے یا کہ آشیاں کے لئے

اب اُس چمن میں بنائینگے آشیاں اپنا شفیقؔ جونپوری کہ آسمان جہاں بجلیاں گرا نہ سکے

جو ہم اے ہمصفیر و محوِ عیشِ گلستاں ہونگے

یہ تنکے آشیانے کے قفس کی تیلیاں ہونگے ولہٗ

اجنبی سا ہوں نشیمن میں چمن کا ذکر کیا جعفرؔ سہارنپوری اب تو دل میں اُلفتِ گلزار کچھ یوں ہی سی ہے

صرفِ تعمیرِ نشیمن جو دل و جاں کردے اصغرؔ سہارنپوری برق کے خوف سے کیا ترکِ گلستاں کردے

حاصلِ کوششِ مرغانِ گلستاں یعنی مُشتِ خس موجِ ہوا جس کو پریشاں کردے

کچھ ہو کے رہیگا اب کی برس تم موسمِ گُل تو آنے دو

یا ہم ہی رہیں اس گُلشن میں یا گُلشن کے صیاد رہیں ناشادؔ

گُل و بُلبُل

بگوشِ گُل چہ بیاں کردۂ کہ خنداں است مولانا رومؔ بہ عندلیب چہ فرمودۂ کہ گریاں است

اے بلبل اگر نالی من با تو ہم آوازم سعدیؔ تو عشقِ گُلے داری من عشقِ گُل اندامے

بنال بلبل اگر با منت سرِ یار یست حافظؔ کہ ما دو عاشق زاریم و کارِ ما زاریست

سحر بلبل حکایت با صبا کرد ولہٗ کہ عشقِ گُل بما دیدی چہا کرد

نقصِ عشق است کہ از خار بنالد بُلبل صیدیؔ نسبتے ہر کہ بہ گلزار رسد گُل باشد

بلبل بر داشت آشیاں را غنیؔ گُل گفت کہ خس کم و جہاں پاک

ہر رگِ گُل رشتۂ باشد بپائے عندلیب ولہٗ دامِ دیگر نیست حاجت از برائے عندلیب

ہست ہر شاخِ گُلے عشرت سرائے عندلیب بر زمیں کے می رسد در باغ پائے عندلیب

باشد بہ چمن ہر رگِ گُل دامِ ہوسہا حزیںؔ رشک است بہ آزادیِ مرغانِ قفسہا

خوشا بہ عشرتِ مرغے کہ آشیاں دارد   راہب   بہ گلشنے کہ نہ گلچیں نہ باغباں دارد

وفاے گل اگر معلوم می شد   میر   نمی بستم دریں باغ آشیاں را

کیا سمجھ باندھا ہے بلبل نے چمن میں آشیاں
ایک تو گل بے وفا ہے تس پہ جورِ باغباں   مضمون

مرا دل جلتا ہے اس بلبلِ بیکس کی غربت پر
کہ جنے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیاں اپنا   مظہر جان جاناں

پریشاں کر گئی فریادِ بلبل   میر   کسو سے دل ہمارا بھی لگا تھا

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے   ولؔ   جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

نہیں مطلب مجھے کچھ باغباں اور ــــــ   دوانا ہوں میں گل کے رنگ و بو کا

سن فصل گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں
کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں   تاباں

کہے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے بندرابن اقم   اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر

تڑپتی کیوں ہے اے بلبل کمال اتنا تو پیدا کر
کہ تیرا اشک جس جا گر پڑے گلزار ہو پیدا   میر سوز

بلبل ہزار حیف نہ ہو ہمکنارِ گل   نصیر   اور مفت میں نسیم تو لوٹے بہارِ گل

باغباں بلبل کشتہ کو کفن کیا دیتا   صباؔ   پیرہن گل کا نہ اترا کبھی میلا ہو کر

آ عندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں   رند   تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

اے عندلیب عقل و ادب سے بھی کام لے
گل کو بہت نہ چھیڑ کہ نازک ہے خوئے گل   ذوق

ہے کس قدر ہلاکِ فریبِ وفائے گل — غالب — بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل

گلوں کے گال چومے اس قدر فرطِ محبت سے
کہ سُرخی آ گئی ہلکی سی منقارِ عنادل پر — عیش

عصمت کا لاف مار نہ گل میرے یار سے
بدنام تو بھی ہیگا چمن میں ہزار سے — انور

جو چمن سے گذرے تو اے صبا یہی کہیو بلبلِ زار سے
کہ خزاں کے دن بھی قریب ہیں نہ لگانا دل کو بہار سے — ظفر

اللہ رے عندلیب کی آوازِ دلخراش — امیر — جی ہی نکل گیا جو کہا اس نے ہائے گل

کہاں صیاد کیسا باغباں کس پر گری بجلی — داغ — چمن میں آتشِ گل نے ہمارا آشیاں پھونکا

بلبل کی بہار میں نہ پوچھو ـــــ منہ چومتی ہے کلی کلی کا

عنادل اور صبا میں چل گئی تھی — ریاض — اُڑا دی بات پھولوں نے ہنسی میں

آ گیا ہے دمِ فریاد کلیجہ منہ کو — ولہ — پنکھڑی پھول کی منقارِ عنادل میں نہیں

اس باغ میں ہم کیوں آئے تھے کیا کہئے حکایتِ بلبل و گل
منقار کو رکھ کر کلیوں پر کچھ اپنی زباں میں کہہ جانا — شاد

نہ قربِ گل کی تاب تھی نہ ہجرِ گل میں چین تھا
چمن چمن پھرے ہم اپنا آشیاں لئے ہوئے — بیدم شاہ وارثی

باغباں

کچھ آن بن ہو چلی ہے باغباں سے — مجروح — مجھے نکلا ہی سمجھو گلستاں سے

سیر کی، پھول چنے، خوب پھرے، شاد رہے ...... باغباں جاتے ہیں گلشن ترا آباد رہے

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے — ثاقب لکھنوی — جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

نشیمن پھونکنے والے ہماری زندگی یہ ہے — بیخود موہانی — کبھی روتے کبھی سجدے کئے خاکِ نشیمن پر

کہیں کہیں پہلے مصرعہ میں بجائے "ہماری زندگی یہ ہے" کے "اب اپنی زندگی یہ ہے" دیکھا ہے۔

ترے چمن کی روش باغباں نہیں معلوم ..... اسیرِ تازہ ہوں طرزِ فغاں نہیں معلوم

اور ہی نظروں میں ہو جاتی ہے قدرِ آشیاں
اک ذرا ٹیڑھی نگاہِ باغباں ہونے کے بعد — نشتر [illegible]

صیاد

اتنی فرصت دے کہ ہو لیں رخصت اے صیاد ہم
مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آزاد ہم — مظہر جانجاناں

صیاد دل ہے داغِ جدائی سے رشکِ باغ
تجھ کو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا — میر

صیاد تجھ کو کس نے کہا تھا کہ فصلِ گل — مصحفی — مجھ کو قفس میں کر کے گرفتار مار ڈال

اسیرِ الفتِ صیاد ہوں میں — تنہا اکبرآبادی — کہیں یہ راز یارب کھل نہ جائے

جہاں گیا میں گیا لے کے دام واں صیاد — رند — پھرا تلاش میں میری کہاں کہاں صیاد

کھلی ہے کنجِ قفس میں مری زباں صیاد — میں ماجرائے چمن کیا کروں بیاں صیاد

قفس کو شام سے لٹکا کے فرشِ خواب کے پاس — سنا کیا مری تا صبح داستاں صیاد

دکھایا کُنج قفس ہم کو آب و دانے نے — وگرنہ دام کہاں میں کہاں کہاں صیاد
اُجاڑا موسمِ گل ہی میں آشیاں میرا — الٰہی ٹوٹ پڑے تجھ پہ آسماں صیاد
پروں کو کھول دے ظالم جو بند کرتا ہے — قفس کو لے کے میں اُڑ جاؤنگا کہاں صیاد
ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے — مومن — صیاد کی نگاہ سوئے آشیاں نہیں
ہوائے شوقِ گلستاں میں ہوں میں سرگرداں — لالہ کشن نرائن بیتاب — پھریگا ساتھ مرے تو کہاں کہاں صیاد

نواب مرزا داغ ایک روز کمرے کے اندر بیٹھے ہوئے تھے، کمرے کے باہر بھی کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، باہر ایک کمسن لڑکا بھی تھا' اُس نے ایک چڑیا پکڑ رکھی تھی اور اُس کے پانوں رسّی سے باندھ رکھے تھے' رسّی ڈھیلی کر دینے پر چڑیا اڑنا چاہتی تھی مگر کوشش بے سود تھی' جو حضرات باہر بیٹھے ہوئے تھے اُن میں سے ایک صاحب نے ایک مصرعہ موزون کیا یا اُن سے ایک مصرعہ موزون ہوگیا' مصرعہ تھا :ـ

پر کے بدلے پانوں باندھا بلبل ناشاد کا

دوسرا مصرعہ موزون کرنا چاہتے تھے مگر نہ ہوسکا' اتنے میں نواب مرزا داغ کسی ضرورت سے باہر نکلے' اُنھیں مصرعہ سنایا گیا اور اُن سے دوسرے مصرعہ کی فرمائش کی گئی' بلا تکلّف اُنھوں نے مصرعہ ثانی موزون کر دیا' مصرعہ تھا :ـ

کھیل کے دن ہیں لڑکپن ہے ابھی صیاد کا

کیا خوب مصرعہ ہے' اس لطیفہ کے راوی طالب جے پوری ہیں ۔

اسیر کرکے ہمیں کیوں رہا کیا صیاد — جلال — وہ ہم صفیر بھی چھوٹے وہ باغ بھی نہ ملا
ہوا اثر اتنا تو یا رب نالہ و فریاد کا — ہم تماشہ دیکھ لیں گھر پھونک کر صیاد کا
جو ذبح کرنا ہے پر کھول دے مرے صیاد — اکبر الہ آبادی — کہ رہ نہ جائے تڑپنے کی آرزو باقی

صیاد نے کب ناوکِ بیداد لگایا ریاض جب اُڑنے کو ہم شاخ پہ پر تول رہے تھے

یہ ستم کُنجِ قفس میں صیاد تاجور کس نے پوچھا تھا بہار آئی ہے

اُڑ گئی پر سے طاقتِ پرواز حسرت کہیں صیاد اب رہا نہ کرے

یوں تو اَے صیاد آزادی میں ہیں لاکھوں مزے

دام کے نیچے پھڑکنے کا تماشا اور ہے اقبال

اس قدر احتیاط اَے صیاد جوہر کہ قفس میں بھی پر کترتا ہے

یہ اَے صیاد رہ رہ کر چمکتی ہے کہاں بجلی

جہاں میرا نشیمن تھا وہیں معلوم ہوتی ہے

نہ آ قریب کہ پروردۂ فنا ہوں میں فانی بنا ہے برق کے تنکوں سے آشیاں صیاد

ہم نشیمن کو بھی روئیں تو خطا ہوتی ہے سہیل پھونک ڈالیں وہ چمن بھی تو کرم کرتے ہیں

صیاد اب قفس سے ڈراتا ہے کیا مجھے داغ تیرے کرم سے شکل وہی آشیاں کی ہے

مرغِ اسیر

خبر من برسانید بہ مرغانِ چمن سعدی کہ ہم آوازِ شما در قفسے افتادست

از گلستاں گل بہ بازار آمدہ نظیری عیدِ مرغانِ گرفتار آمدہ

صیاد را بنائے ستم تازہ کردہ است صیدی مرغے کہ پر شکستہ شد آزاد می کند

مے در پیالہ خونِ جگر در کنار بود نسبتی فصلے کہ من اسیر شدم نو بہار بود

تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ میدانی ...... تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ برپا را

اگر نسیمِ سحرگاہ مہرباں بودے صائب ز بوئے گل قفسم رشکِ گلستاں بودے

اے وائے بر اسیرے کز یاد رفتہ باشد   حزین   در دام ماندہ باشد صیاد رفتہ باشد

اسیری زیر پرواز گلزار بہتر ـــــــــ بہ کنج قفس بال و پر می فروشم

در قفس از فکرِ آب و دانہ آزادیم ما

گوشہ گیریم از دعا گویانِ صیادیم ما   [illegible]

در قفس سیار دل شادیم ما   لا ادری ہمچنانکہ نفس   از دعا گویان صیادیم ما

حالِ دلِ افسردۂ مرغانِ گرفتار   عبرت   آن مرغ چہ داند کہ اسیرِ قفسے نیست

شاد از فغانِ من دلِ صیاد و من بدیں   عارف قزوینی   دل خوش کہ یک دلے بجہان شاد می کنم

دلبستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے   فغان   گویا مرا چمن میں کبھی آشیاں نہ تھا

نے ہمیں گل سے غرض ہے نے تمنائے چمن   ولہ   کیا اسیرانِ قفس کی تئیں پروائے چمن

میری طرف سے خاطرِ صیاد جمع رہے   ولہ   کیا اڑ سکیگا طائرِ بے بال و پر کہیں

ہم گرفتاروں کو اب کیا کام گلشن سے ہے لیک

جی نکل جاتا ہے جب سنتے ہیں آئی ہے بہار   مظہر جان جاناں

تو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں   میر حسن   لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائیگا

اب جو چھوٹے بھی ہم قفس سے تو کیا   ولہ   ہو چکی واں بہار ہی آخر

ذرا قفس سے قفس کو ملا کے رکھ صیاد   قدرت   کہ تا اسیر کریں مل کے ایک جا فریاد

حسرت اے صبحِ چمن ہم سے چمن چھوٹے ہے

مژدہ اے شامِ غریبی کہ وطن چھوٹے ہے   ولہ

اک ہمیں خار تھے آنکھوں میں سبھوں کے سو چلے

بلبلو خوش رہو اب تم گل و گلزار کے ساتھ   ر   قائم

زباں ہے شکر سے قاصر شکستہ بالی کے — سودا — کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

رخصت ہے باغباں کہ ذرا دیکھ لیں چمن — ولہٗ — جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائیگا

بال و پر ہونے نہ پائے تھے نمودار ہنوز — ولہٗ — تب کے ہم کنجِ قفس میں ہیں گرفتار ہنوز

کیا گلہ صیاد سے ہمکو یوں ہی گذری ہے عمر
ولہٗ
اب اسیرِ دام ہیں تب تھے گرفتارِ چمن

بال و پر توڑ کے سونپے ہے قفس کو صیاد — ولہٗ — تجھ سے رخصت ہے مری اے ہوسِ آزادی

کہیو صبا سلام ہمارا بہار سے — ولہٗ — ہم تو چمن کو چھوڑ کے سوئے قفس چلے

رہا کرنا مجھے صیاد اب پامال کرنا ہے — ولہٗ — پھڑکنا بھی جسے بھولا ہو وہ پرواز کیا جانے

عجب بیداد حسرت پر مری صیاد کرتا ہے — ولہٗ — دکھاتا ہے اسے مجھ کو جسے آزاد کرتا ہے

کیسا چمن کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے — میر — چاکِ قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا

ممکن ہے دوسرا مصرعہ یوں رہا ہو :- چاکِ قفس سے جانبِ گلزار دیکھنا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئے نسیم — ولہٗ — عمر گذری کہ وہ گلزار کا جانا ہی کیا

کیوں نہ دیکھوں چمن کو حسرت سے — ولہٗ — آشیاں تھا مرا بھی یاں پر سال

چھاتی قفس میں داغ سے ہو کیوں نہ رشکِ باغ
ولہٗ
جوشِ بہار تھا کہ ہم آئے اسیر ہو

چمن کا نام سنا تھا ولے نہ دیکھا ہائے — ولہٗ — جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی

کیا جانیں وہ مرغانِ گرفتارِ قفس کو — ولہٗ — جن تک کہ بصد ناز نسیمِ سحر آوے

صیاد اب رہائی سے کیا اس اسیر کو
ہے کس کو زندگی کی توقع بہار تک — میر درد

قفس کے در کو باز اے بلبل اب صیاد کرتا ہے
خدا جانے کریگا ذبح یا آزاد کرتا ہے — قزلباش خاں

یارب مری طرح نہ گرفتار ہو کوئی ——— نے سایۂ چمن ہے نہ صیاد کے حضور

لکھا یوں تھا کہ فصلِ گل میں چھوٹے آشیاں اپنا — میر قمرالدین — یہ کہہ کر باغ سے رخصت ہوئی بلبل کہ یا قسمت

اسیروں کی قسم ہے اے صبا سچ کہہ کہ گلشن میں
کوئی ان ہم نواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہے — ولہٗ

پھر چمن میں جائیں کیا منہ لے کے اے صیاد ہم ——— اب بھی احسان ہے تیرا جو نہ ہوں آزاد ہم

اے صیاد ہم کو چھوڑ دے تو — تاباں — قفس میں جی نہیں لگتا ہمارا

کچھ پر و بال میں طاقت نہ رہی تب چھوٹے — یقین — ہم ہوئے ایسے بُرے وقت میں آزاد کہ بس

اسیرانِ قفس کی ناامیدی پر نظر کیجو — ولہٗ — بہار آئے تو اے صیاد مت ہم کو خبر کیجو

اے بادِ سحر محفلِ احباب میں کہنا — انشا — دیکھا ہے جو کچھ حال تہِ دام ہمارا

پھر گئی سوئے اسیرانِ قفس بادِ صبا — مصحفی — خبرِ آمدِ ایامِ بہاراں لے کر

ہے غریبی میں خبر کس کو وطن والوں کی — ولہٗ — کیا گرفتار سے پوچھو ہو چمن والوں کی

کُنجِ قفس میں ہم تو ہے مصحفی اسیر — ولہٗ — فصلِ بہار باغ میں دھومیں مچا گئی

کس نے رکھے تھے قفس ان پہ گرفتاروں کے — ولہٗ — کانٹے کیوں سُرخ ہیں سب باغ کی دیواروں کے

اوّل تو قفس کا مرے در باز کہاں ہے — ولہٗ — اور ہو بھی تو یاں طاقتِ پرواز کہاں ہے

کیا بتائیں کہ اس چمن کے بیچ — میر اثر — کبھی اپنا بھی آشیانہ تھا

کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی — مومن — آشیاں اپنا ہوا برباد کیا

پر کتر کر مجھے کہتا ہے کہ گلشن سے نکل — صبا — ایسی بے پر کی اُڑاتا نہ تھا صیاد کبھی

لطفِ گلگشتِ چمن کنجِ قفس میں بھولے — رند — اب تو نقشہ بھی گلستاں کا مجھے یاد نہیں

ہم اپنے کنجِ غم میں نالہ و فریاد کرتے ہیں — ظفر — ہمیں کیا گر چمن میں چہچہا ہے عندلیبوں کا

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم — غالب — گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

پنہاں تھا دامِ سخت قریب آشیانے کے — ولہٗ — اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

صیاد اور بندِ قفس سے کرے رہا — سالک — جھوٹی خبر کسی کی اُڑائی ہوئی سی ہے

عمر بھر تیرے گھر رہے صیاد — اسیر — اب کہاں جائیں ہم رہا ہو کر

اب ہم ہیں اور کنجِ قفس کی صعوبتیں — مجروح — وہ نغمہ سنجیاں وہ نشاطِ چمن کہاں

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے — شاد پیر میر — گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

نہ پھول تھے، نہ چمن تھا، نہ آشیانہ تھا — مرزا دبیر — چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا

آنکھیں بچھی ہیں جال کی رستے میں دُور تک — منیر — آمد قفس کی سمت یہ کس مُشتِ پر کی ہے

قفس میں بھی ہے اسیرو تمہیں وہی سودا — تعشق — لگائے فصلِ بہاری کی آس بیٹھے ہو

دم توڑے گر نہ کنجِ قفس میں تڑپ تڑپ — میر انیس — صیاد کہہ تو مرغِ گرفتار کیا کرے

تڑپ کے رہ گئی بلبل قفس میں اے صیاد — بیتاب — یہ کیا کہا کہ ابھی تک بہار باقی ہے

کبھی گلشن میں رہتے تھے قفس میں اب گذرتی ہے — ——— — خطا صیاد کی کیا ہے ہمارا آب و دانہ تھا

بڑھائے شوق سے صیاد تو طولِ اسیری کو — ——— — مزے ہم نے بھی لوٹے ہیں بہت اگلی بہاروں میں

آشیاں بھولے سے بھی آتا نہیں ہے یاد میں — ——— — پرورش پائی ہے ہم نے خانۂ صیاد میں

صیاد کو جو یارب مجھ پر ترس نہ آئے — ——— — باغوں میں موسمِ گُل لاکھوں برس نہ آئے

بہارِ لالہ و گل پھر کبھی کاہے کو دیکھیں گے — ——— — چلے ہیں اس چمن سے ہم نگاہِ واپسیں ہو کر

پھنسی جو دام میں بلبل تو کن نگاہوں سے — امیر — کبھی چمن کو کبھی سوے آشیاں دیکھا

مرغانِ باغ تم کو مبارک ہو سیرِ گل　　ولہ　　کانٹا تھا ایک میں سو چمن سے نکل گیا

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ　　ولہ　　اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

ہو گئی کچھ اور آ کر خانۂ صیاد میں　　ولہ　　یہ مزہ آگے نہ تھا بلبل تری فریاد میں

اسیرِ قفس اب تو ہیں ہم صفیرو　　جلال　　کبھی لوگ کہتے تھے مرغِ چمن بھی

گل و گلچیں کا گلہ بلبلِ خوش لہجہ نہ کر　　حالی　　تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

قفس میں جی نہیں لگتا ہمارا　　ولہ　　لگا دو آگ کوئی آشیاں میں

خوش ہوا تھا توڑ کر اپنے قفس کی تیلیاں　　گستاخ　　ہائے کہہ کر رہ گیا ٹوٹے ہوئے پر دیکھ کر

کچھ نہ پوچھ اے ہمنفس میرا نشیمن تھا کہاں　　اکبر الہ آبادی　　اب تو یہ کہنا بھی مشکل ہے وہ گلشن تھا کہاں

کنجِ قفس میں تھی یہ تمنا قید سے ہوں آزاد کہیں
خوف ہے اب بے بال و پری کا چھوڑ نہ دے صیاد کہیں　　شاد عظیم آبادی

ہم پر یہ چمن میں ہے اثر قیدِ قفس کا　　ریاض　　بیٹھے ہیں الگ سب سے سمیٹے ہوئے پر کو

صیاد تیرا گھر مجھے جنت سہی مگر　　ولہ　　جنت سے بھی سوا مجھے راحت چمن میں تھی

چمن کی سرگذشت اتنی ہے صیاد　　ولہ　　قفس میں تھے جو نکلے آشیاں سے

صیاد نے کب ناوکِ بیداد لگایا　　ولہ　　جب اڑنے کو ہم شاخ پہ پر تول رہے تھے

وہ تسلی ہی سہی اے صیاد　　عزیز　　کچھ معین مری میعاد تو کر

ایک جگہ پہلا مصرعہ یوں دیکھا ہے :-　　میں نہ چھوٹوں کبھی لیکن صیاد

کہنے کو مشتِ پر کی اسیری تو تھی مگر　　ثاقب لکھنوی　　خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

گلشن سے اٹھ کے میرا مکاں دل میں آ گیا　　اک داغ بن گیا ہے نشیمن جلا ہوا

مری قید کا دلشکن ماجرا تھا　　ولہ　　بہار آئی تھی آشیاں بن چکا تھا

ہے روشنی قفس میں مگر سوجھتا نہیں — ولہٗ — ابرِ بہار جانبِ گلزار دیکھ کر

تڑپا دیا ہے دل کو شاباش ہم صفیرو — ولہٗ — یوں ہی پھر اک صدا دو ٹوٹا قفس چلا میں

قیدِ غم بھی دل لگی ہے ہنسنے والوں کے لئے — ولہٗ — عندلیب آ کر قفس میں اک تماشا ہو گئی

ایک روز مرزا ثاقب مرحوم سے میں نے اس شعر کی تعریف کی، اُنھوں نے فرمایا "میں بچہ تھا، محلے میں ایک مہنت رہا کرتے تھے، ایک روز ایک شخص ایک مرغِ اسیر (بُلبُل) ایک پنجرے میں ان کے یہاں لایا، کچھ لوگ جمع ہو گئے، اور اُسے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے مگر بلبل پریشان تھی، میں تماشائیوں اور ہنسنے والوں میں تھا، یہ شعر اُسی منظر کی تصویر ہے اور اس وجہ سے با اثر ہے"

ٹپک پڑتے ہیں آنسو باغ میں چشمِ عنادل سے
اسیرانِ قفس جب رات کو فریاد کرتے ہیں

میں اُڑ نہ جاؤنگا لے کتر ترا قفس صیاد — صفی — جو پھڑپھڑاؤں ذرا بھی تو پر کتر لینا

سختیاں قید کی سب سہ گئی بُلبُل لیکن — جلیل — اُڑ گئی روح یہ کہہ کر کہ چمن یاد آیا

لُطف سے گذری ہماری خانۂ صیاد میں — ولہٗ — ہم قفس تھے اور بھی کچھ قیدِ تنہائی نہ تھی

لیتے رہے قفس میں مرے آشیاں کے ہم — ولہٗ — دامن کو اشکِ خوں سے گلستاں کئے ہوئے

نہ پہونچیگی کبھی کیا گوشِ گُل تک — حسرت — قفس سے اُڑ کے فریادِ عنادل

صیاد اب قفس کی مصیبت گراں نہیں — ناطق گلاؤٹھی — میں نے سمجھ لیا ہے کہ یہ آشیاں نہیں

مانعِ فریاد ہے کچھ طبع کی افسردگی — وحشت — کچھ سکوت آموز ہے پاسِ ادبِ صیاد کا

گو بوئے گُل نہیں نہ سہی یادِ گُل تو ہے — جوہر — صیاد لاکھ رکھے قفس کو چمن سے دور

جیسے گل اپنے تھے اپنا باغباں اپنی بہار — اثر لکھنوی — آہ وہ پہلے پہل کی پرفشانی کے مزے

یہ کس کی خاک ہے جو حسرتِ نشیمن میں — ولہٗ — صبا کے دوش پہ صحنِ چمن میں آئی ہے

قفس میں آئے لگا دل نہ آشیانے میں — باسط بسوانی — کشش بلا کی تھی صیاد آب و دانے میں

یہ میرا حال رہا قید کے زمانے میں — کہ میں قفس میں رہا روح آشیانے میں

اس طرح سے جاتا ہوں سُوئے خانۂ صیاد — آسی لکھنوی — ہر پھول چمن کا نگہِ بازِ پسیں ہے

قفس کی تیلیوں میں جانے کیا ترکیب رکھی ہے — سیماب — کہ ہر بجلی قریبِ آشیاں معلوم ہوتی ہے

فرصتِ رنجِ اسیری دی نہ ان دھڑکوں نے ہائے
اب چھُری صیاد نے لی اب قفس کا در کھُلا — فانی

چمن میں دل ہے تو میری نگاہ میں ہے چمن — ولہٗ
چمن سے کھینچ کے لے جائیگا کہاں صیّاد

نکل ہی جائیں گے نالے دہن سے خوں ہو کر
زباں نہیں تو کھُلے گی رگِ زباں صیّاد

یکساں کبھی کسی کی نہ گذری زمانے میں — یاس — یادش بخیر بیٹھے تھے کل آشیانے میں

گرفتارِ قفس ہوں کیا کرینگی بجلیاں میرا — سہیل — نہ شاخِ آشیاں میری نہ صحنِ بوستاں میرا

اب قفس میں رہ گئی ہے کیا ہماری یادگار — ولہٗ — چند تنکے اور کچھ ٹوٹے ہوئے پر چھوڑ کر

دو تیلیاں قفس کی ہیں اِن کی بساط کیا — ولہٗ — مُرغِ اسیر ہمّتِ مردانہ چاہیئے

کیا تم کو طائرانِ فلک آشنا خبر — بیدل عظیم آبادی — اُس لُطف کی جو کوتہی بال و پر میں ہے

بھری بہار کے دن تھے خیال آ ہی گیا — رضا لکھنوی — اُجڑ نہ جاتا تو پھولوں میں آشیاں ہوتا

جفا صیاد کی اہلِ وفا نے رائگاں کر دی
قفس کی زندگی وقفِ خیالِ آشیاں کر دی — مُلّا

پھولوں کی جو قدر نہ جانے پھول ہو اُس کے من میں
نکہت گل ہیں جان ہو جس کی جانے نہ پائے گلشن میں — عندلیب شادانی

تھی ہم کو کبھی باغ و نشیمن سے محبت — جعفر سہارنپوری — اب اُلفتِ صیاد ہے معلوم نہیں کیوں
مدت سے گرفتارِ قفس ہوں مگر اب تک — بے مہریِ گل یاد ہے معلوم نہیں کیوں
دیکھ کر آزادگانِ باغ کی پابندیاں — ولہٗ — میں سمجھتا ہوں کہ در میرے قفس کا باز ہے

گلوں کی نکہت بھی ہے میسر سکونِ راحت بھی ہے میسر
یہ سب ہے اے ہم صفیر پھر بھی قفس قفس ہے چمن چمن ہے — ولہٗ

قفس و آشیاں

نہ پوچھو مجھ سے گلشن کی حقیقت — قائم — برس گذرے کہ میں ہوں اور قفس ہے
دوسرا مصرعہ یوں بھی ہو سکتا ہے: — ہوئی مدت کہ میں ہوں اور قفس ہے
کیا جانوں میں چمن کو و لیکن قفس پہ میں — میر — آنا ہے برگِ گل کبھو کوئی ہوا کے ساتھ

قفس میں ہم صفیرو کچھ تو مجھ سے بات کر جاؤ
کبھی میں بھی تو رہنے والا تھا صحنِ گلستاں کا — جرأت

جب قفس میں تھے تو تھی یادِ چمن ہم کو حسن
اب چمن میں ہیں تو پھر یادِ قفس آتی ہے — میر غلام حسن حسن

صیاد نالہ سُن کے جو رویا تو لُطف کیا — آتش — کنجِ قفس میں باغ سے اُڑ اُڑ کے آئے گل
کھلی ہے خانۂ صیاد میں ہماری آنکھ — ولہٗ — قفس کو جانتے ہیں آشیاں نہیں معلوم
نہ تنگ کیوں ہمیں صیاد یوں قفس میں کرے — ظفر — خُدا کبھی نہ کسی کو کسی کے بس میں کرے

گیا کون سا صید افگن اِدھر سے — آزردہ مفتی صدرالدین خاں — کہ خالی پڑے آشیانے بہت ہیں

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا — غالب — کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں — ولہٗ — گوشے میں قفس کے ہمیں آرام بہت ہے

اے تاب برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی — شیفتہ — کچھ رہ گئے ہیں خار و خس آشیاں ہنوز

مری ضد میں چمن کو بجلیوں نے خاک کر ڈالا — مجنوں — کہاں سے کنج میں پھولوں کے طرح آشیاں رکھ دی

ہم چھوٹ کر قفس سے چمن کو چلے تو ہیں — ندرت — شاید ہی آشیاں کی جگہ آشیاں ملے

مرے آشیانے کے تھے چار تنکے — داغ — چمن لٹ گیا آندھیاں آتے آتے

کچھ ایسا ربط ہے صیاد کے ساتھ — ریاض — ہمیں ہم ہیں قفس سے آشیاں تک

کوئی سو بار اٹھے سو بار بیٹھے — قفس سے یوں ہم آئے آشیاں تک

کھلے گر بال و پر اب کی تو صیاد — ولہٗ — قفس رکھا ہوا ہے آشیاں میں

کھٹکتے ہیں نگاہِ باغباں میں — ولہٗ — یہی دو چار تنکے آشیاں کے

نشیمن میں گذرے کئی موسمِ گل — ولہٗ — قفس میں جو ٹوٹے تھے وہ پر نہ نکلے

چمن میں جو ہم آئے چھٹ کر قفس سے — مہینوں نشیمن کے باہر نہ نکلے

گلچیں برا کیا جو یہ تنکے جلا دئے — ثاقب لکھنوی — تھا آشیاں مگر ترے پھولوں سے دور تھا

قفس کی تیلیاں اچھی ہیں تنکوں سے نشیمن کے — ولہٗ — یہ سب کچھ ہے مگر صیاد دل پر کیا اجارا ہے

قفس اور آشیاں کا حال اے صیاد سن مجھ سے — یہ تیری دستکاری ہے اسے ہم نے بنایا ہے

یہ سرمایۂ بلبلِ خستہ جاں ہے — احسن مارہروی — کہ دو چار تنکوں کا اک آشیاں ہے

بلبلوں کا آشیانہ ہے قفس — مظفر شاہجہانپوری — چار تنکوں کا مگر دستور ہے

اسی چمن میں کہ وسعت ہے جس کی نامحدود — آرزو لکھنوی — نہیں پناہ کی جا ایک آشیاں کے لئے

آشیاں برباد گلشن میں قفس کو دیکھ کر — حسرت — اِس طرح پہنچے کہ مُنہ دیکھا کیا صیاد بھی

سَو بار جلا ہے تو یہ سَو بار بنا ہے — اصغر — ہم سوختہ جانوں کا نشیمن بھی بلا ہے

رہ رہ کے برق گرتی ہے ان پر ہی بار بار — تاجور — گُلشن میں چار تنکے مرے آشیاں کے ہیں

یہ کیسا خواب دیکھا ہے قفس میں — ولہٗ — الٰہی خیر میرے آشیاں کی

کیا اس لئے تقدیر نے چُنوائے تھے تنکے — بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

مدت ہوئی جلا تھا نشیمن مرا مگر — اب تک نظر میں برق کی وہ آب و تاب ہے

روش پر باغ کے تنکے کہاں سے اِس قدر آئے — عروج — ارے یہ تو ہمارا آشیاں معلوم ہوتا ہے

اب چمن میں بھی کسی صورت نہیں لگتا ہے جی — ہاں مگر جب تک قفس میں تھے قفس بدنام تھا

لُطفِ گلگشتِ چمن کُنجِ قفس میں بھولے — اب تو نقشہ بھی گُلستاں کا ہمیں یاد نہیں

مجھ سا فسردہ دل بھی نہ ہوگا زمانے میں — بجلی بھی آ کے سرد ہوئی آشیانے میں

صحنِ چمن سے دُور انھیں باغباں نہ پھینک — چکبست — تنکے جو یادگار مرے آشیاں کے ہیں

آج کچھ مہرباں ہے صیاد — اثر لکھنوی — کیا نشیمن بھی ہوگیا برباد

ہوا میں کچھ دھواں سا اُٹھ کے فوراً پھیل جاتا ہے

قفس میں یاد جب آتا ہے میرا آشیاں مجھ کو — ولہٗ

اُس سال فصلِ گُل میں اُجڑا تھا بنتے بنتے — آسی الدنی — رہتا تو آشیاں کو اب ایک سال ہوتا

خار و خس جمع کرے نام نشیمن رکھ دے — ولہٗ — جس کو منظور ہو گلشن کو بیاباں کرنا

بچینگے تو پھر ایک کوشش کرینگے — ولہٗ — جلا دیں نشیمن جلا دینے والے

سکونِ خاطرِ بلبل ہے اضطرابِ بہار — فانی — نہ موجِ بوئے گُل اُٹھتی نہ آشیاں ہوتا

قفس کی یاد میں جی چاہتا ہے اب تو جگر — جگر مرادآبادی — لگا کے آگ نکل جاؤں آشیانے کو

کچھ ایسے جوش پر ابکی یہ چشم اشکبار آئی ولہٗ قفس میں ٹوٹ کر سارے گلستاں کی بہار آئی

شعاعِ برق امین ہے یہاں ہر خس نشیمن کا سہیل جلائے جس کو بجلی وہ ہمارا آشیاں کیوں ہو

چمن کے پھولوں میں بھی اب نہیں وہ رنگینی شفیق جونپوری تھے آشیانے کے تنکے بھی لالہ فام کبھی

قفس ہے مفت میں بدنام اس کو کیا کیجے جعفر سہارنپوری ہے ورنہ کونسی بندش جو آشیاں میں نہیں

وہ شاخ جو ہے عہدِ نشیمن کی یادگار ولہٗ اُجڑے ہوئے قفس میں مری غمگسار ہے

کس نے میرے آشیاں کے چار تنکوں کیلئے خورشید برق کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھ دیا

اب کہاں لے جائے قسمت یہ قناعت دیکھ کر رزم دیکھئے کیا ہو قفس کے آشیاں ہونے کے بعد

ننگِ چمن تھا میرا نشیمن سو مٹ گیا خمار اب واقعی بہار مکمل بہار ہے

خطابِ گُل بہ گلچیں

مجھے کیوں توڑ کر لائے چمن سے باسط بسوانی چھڑایا کس لئے مجھ کو وطن سے

کلیجہ شق کیا رنج و محن سے نکالا بزمِ نسرین و سمن سے

ستم ڈھایا شفیقوں سے چھڑایا ۔ چمن کے سب رفیقوں سے چھڑایا

مجھے وہ یاد ہے سارا زمانہ نسیمِ صبح کا وہ گُدگُدانا

وہ اپنا مُسکرانا کھلکھلانا وہ پھر بیتاب ہو کر لوٹ جانا

اپنی پوری داستان سُنانے کے بعد گُل کا التماسِ آخر

نکل جائے مری جب رُوح تن سے ملا دینا مجھے خاکِ چمن سے

آمدِ بہار

باغ را مژدۂ بہار آمد | وصالی | نکہتِ نافۂ تتار آمد

دل می کشد بصحرا ہنگامِ کار آمد | میر | شوریست در سرِ من شاید بہار آمد

اب خدا حافظ ہے سودا کا مجھے آتا ہے رحم

ایک تو تھا ہی دوانہ تس پہ آئی ہے بہار | سودا

اِک موج ہوا پیچاں اے میر نظر آئی | میر | شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی

بہار آئی دوانہ کی خبر لو | حشمت علیخاں محتشم | اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

سُن فصلِ گُل خوشی سے گلشن میں آئیاں ہیں | تاباں | کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں

بہار آتے ہی ظاہر کی کرامت دستِ وحشت نے

تبرک کی طرح گھر گھر گیا ٹکڑا گریباں کا | اشرف

ہمنشیں فصلِ عالم میں پھر آتی ہے بہار ـــــ میں تو کیا اُن کو بھی دیوانہ بناتی ہے بہار

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی | مومن | پھر وہی پانوں وہی خارِ مغیلاں ہوں گے

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج | غالب | اُڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

پھر اس انداز سے بہار آئی | ولہٗ | کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیاں | ولہٗ | طوفانِ آمدِ فصلِ بہار ہے

آمد آمد میں اس قدر سورش | شیفتہ | دیکھئے کیا کریں بہار میں ہم

ہوا چاروں طرف فصلِ عالم میں پکار آئی | احمد علی شوق | بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی

بہار آئی ہے بھر دے بادۂ گلگوں سے پیمانہ ـــــ رہے لاکھوں برس ساقی ترا آباد میخانہ

چمن میں موسمِ گُل آ رہا ہے ——— قفس میں جی مرا گھبرا رہا ہے

پھر ہو رہی ہیں وحشتِ دل میں ترقیاں فیروز رامپوری پھر آ رہا ہے باغ میں موسم بہار کا

منتظر موسمِ گل کے ہیں ترے دیوانے جلیل ہاتھ رکھے ہوئے بیٹھے ہیں گریبانوں پر

بہار آتے ہی وہ یکبارگی میرا تڑپ جانا اصغر وہ جا پڑنا قفس کا آپ سے آپ اُڑ کے گلشن میں

گلشن میں آمد آمدِ فصلِ بہار ہے ظفر علیخاں ہر طیر نغمہ سنجِ سرِ شاخسار ہے

پھر بہار آئی ہوائے مشکبار آنے لگی جوش پھر پپیہے کی صدا دیوانہ وار آنے لگی

عجیب جوش جنوں آمدِ بہار میں ہے رضا کہ انتظار گریباں کے تار تار میں ہے

آئی ہے کس سازوساماں سے بہار اب کی برس
مؤلف
جوش پر ہے رحمتِ پروردگار اب کی برس

بہار

ہست صحرا چوں کفِ دستِ بروازلالہ جام خسرو خوش کفِ دستے کہ چندیں جامِ صہبا برگرفت

علامہ شبلی کہتے ہیں کہ اس مضمون کو دانش مشہدی نے عجیب لطیف پیرایہ میں بدل دیا ہے، اس کا شعر ہے ؎

دیدہ ام شاخِ گلے برخویش می پیچم کہ کاش می توانستم بیک کف اینقدر ساغر گرفت

ہنگامِ گُل است بادہ باید خسرو ساقی و حریفِ سادہ باید

آمد بہار و شد چمن و لالہ زار خوش ولہ وقتے ست خوش بہار کہ وقتِ بہار خوش

مائیم و مطربے و شرابے و محرمے جامے بزیرِ سایۂ شاخِ چنار خوش

نو بہار آمد و چوں عہدِ بتاں توبہ شکست میر محمد حسین شہریار فصلِ گل دامن ساقی نتواں داد زِ دست

ٹک دیکھ لیں چمن کو چلو لالہ زار تک | سودا | کیا جانیں پھر جیئے نہ جیئے ہم بہار تک

لڑکھڑائی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم | ولہٗ | پانوں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے سنبھل

موسم ہے نکلے شاخوں سے پتے ہرے ہرے | میر | پودے چمن میں پھولوں سے دیکھے بھرے بھرے

بہار آئی ہے غنچے گل کے نکلے ہیں گلابی سے | ولہٗ | نہالِ سبز جھومے ہیں گلستاں میں شرابی سے

بہاریں ہم کو بھولیں یاد ہے اتنا کہ گلشن میں | مرزا جعفر علی حسرت | گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

لالہ و گل کا جوش ہے بلبلوں کا خروش ہے | ناسخ | فصلِ وداعِ ہوش ہے موسمِ نائے و نوش ہے

پھر بہار آئی کفِ ہر شاخ پر پیمانہ ہے | ولہٗ | ہر روش میں جلوۂ بادِ صبا مستانہ ہے

آیا گلشن میں کھلے بندوں جو وہ جانِ بہار | تسکین | ہو گئی برباد ساری شوکت و شانِ بہار

گل چاک پیرہن ہیں کلی دلفگار ہے | ولہٗ | شاید اسی کا نام چمن میں بہار ہے

کہیں کہیں پہلا مصرعہ یوں بھی دیکھا ہے : ؎ گل سینہ چاک اور کلی دلفگار ہے

ہے ہوا میں شراب کی مستی | غالب | بادہ نوشی ہے بادپیمائی

ایک محفل میں مغرب پرست اردو شاعری کی بے مائگی پر تبرہ کہہ رہے تھے، ریاض موجود تھے، اُن سے نہ رہا گیا اور منظر نگاری کے سلسلے میں اپنے استاد امیر کا یہ مطلع سُنا کر محفل کو خاموش کر دیا : ؎

لچک ہے شاخوں میں جنبش ہوا سے پھولوں میں
بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں

بہار آئی ترقی ہے جنونِ فتنہ ساماں کی ——— الٰہی خیر کیجو اب مرے جیبِ گریباں کی

جمگھٹا ہے لبِ جو باغ میں مے خواروں کا | کیفی | آج فردوس میں میلا ہے گنہگاروں کا

ناصح خطا معاف سُنیں کیا بہار میں | تسلیم | ہم اختیار میں ہیں نہ دل اختیار میں

غنچہ چٹکا اور آ پہونچی خزاں — حالی — فصلِ گل کی تھی فقط اتنی بساط

بدمست پڑا ہے محتسب بھی — آسی غازیپوری — اے موسمِ گل ترا بھلا ہو

بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بوستاں ہوکر — اکبر الہ آبادی — عنادل نے مچائی دھوم سرگرمِ فغاں ہوکر

کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں — صدائے نغمۂ بلبل اٹھی بانگِ اذاں ہوکر

ہوا شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو — ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہوکر

بہار آتے ہی پھولوں نے چھاؤنی چھائی — ریاض — کہ ڈھونڈتا ہوں مگر آشیاں نہیں ملتا

اس لطف سے بہار ہے آئی کچھ اب کی بار — ولہٗ — پانی میں بھی مزہ ہے مئے خوشگوار کا

ہائے زنجیر شکن وہ کششِ فصلِ بہار — ولہٗ — اور زنداں سے نکلنا ترے دیوانے کا

بہارِ گل ہے کتنی فرحت انگیز — دل — جھکی پڑتی ہیں شاخیں آشیاں پر

موسمِ گل میں حسینوں کا مرقع ہے چمن — جلیل — جو کلی کھلتی ہے تصویر نظر آتی ہے

بجلی کی چھانوں سی ادھر آئی ادھر گئی — آرزو لکھنوی — جھپکی پلک کہ ختم تھا موسم بہار کا

جوشِ شباب، نشۂ صہبا، ہجومِ شوق — اصغر — تعبیر یوں بھی کرتے ہیں فصلِ بہار کو

پھر وحشیوں کو شوق ہوا کوہسار کا — افسر — شاید اسی کو کہتے ہیں موسم بہار کا

اللہ رے بہار کی رنگ آفرینیاں — حسرت — صحنِ چمن کو تختۂ جنت بنا دیا

ہے عجب ہنگامۂ فصلِ بہار اب کی برس — ولہٗ — دل پہ کاہے کو رہیگا اختیار اب کی برس

ہے جنونِ شوق ابھی سے بیقرار اب کی برس — کیا غضب ڈھائیگا طوفانِ بہار اب کی برس

رقصاں ہے نسیم برگِ گل پر — آثر لکھنوی — شبنم میں ہے گھنگھرؤں کی چھن چھن

تقاضا فصلِ گل میں ہے جنونِ فتنہ ساماں کا
وہی دامن کی صورت ہو جو نقشہ ہے گریباں کا
— باسط بسوانی

خوشا بہار خوشا فصلِ دلکشائے بہار تلوک چند محروم خوشا مناظرِ جاں بخش و جانفزائے بہار

ہر ایک گُل شررِ طور ہے یہ جلوہ گری کہاں ہے آہ مجھے تابِ جلوہ ہائے بہار

تنکوں سے کھیلتے ہی رہے آشیاں میں ہم فانی آیا بھی اور گیا بھی زمانہ بہار کا

اللہ رے جوشِ بادِ بہاری ترا اثر ولہٗ پیمانہ لڑکھڑا کے صراحی سے لڑ گیا

گُل و بنفشہ و نسرین و نسترن کیا خوب جگر بہار و سایۂ ابرِ بہار کیا کہنا

بہار آئی ہوئی آراستہ پھر بزمِ امکانی سہیل ہوا گلزارِ عالم پھر جوابِ باغِ رضوانی

کہیں دوشِ صبا پر رقص کرنا نکہتِ گُل کا کہیں شاخِ نشیمن پر عنادل کی حدیٰ خوانی

اِدھر غنچوں کے لب پر وردِ یا فتاح جاری ہے اُدھر محوِ اقامت ہے قطار سروِ بستانی

اِدھر سبزے کا جاگ اُٹھنا خمارِ خوابِ نوشیں سے اُدھر بادِ سحر سے زلفِ سنبل کی پریشانی

صبا کے گدگدانے سے اِدھر کلیوں کا ہنس دینا اُدھر شبنم سے کلیوں کی عرق آلودہ پیشانی

اِدھر شبنم کی ہستی کا فنا فی النور ہو جانا اُدھر گُل کا صبا سے ادّعائے پاکدامانی

چمن میں جس طرف دیکھو نظر بازوں کا جمگھٹ ہے الٰہی کوچۂ قاتل ہے یا صحنِ گلستانی

جبینِ صبح پر قشقہ ہے یا خطِ شعاعی ہیں ایاغِ لالہ میں شبنم ہے یا صہبائے رحمانی

صحنِ گلشن ہو رہا ہے رشکِ فردوسِ بریں مؤلف جوش پر ہے رحمتِ پروردگار اب کی برس

غنچہ و گُل پہ پھٹ پڑا ہے شباب سرکے احمد شجاع جوش پر ہے بہار کیا کہئے

دوسرا مصرعہ یوں بھی ہو سکتا ہے:؎ جوشِ فصلِ بہار کیا کہئے

خزاں

خزاں رسید و زِ بوئے بہار رفتہ ہنوز ——— ذخیرہ ہائے جنوں در دماغ و دل دارم

کسے کہ محرمِ بادِ صباست می داند ——— کہ باوجود خزاں بوئے یاسمن باقیست

خوش نشینانِ چمن بارِ سفر می بندند　اندرام مخلص　عندلیباں ہمہ یکجا شدہ فریاد کنند

کیا روزِ بد میں ساتھ رہے کوئی ہمنشیں　ناسخ　پتے بھی بھاگتے ہیں خزاں میں شجر سے دور

شاخوں سے برگِ گل نہیں جھڑتے ہیں باغ میں　امیر　زیور اتر رہا ہے عروسِ بہار کا

پڑ گئی کیا لوٹ یارب گلشنِ ایجاد میں　ولہٗ　دستِ گلچیں میں ہے گل بلبل کفِ صیاد میں

خرامِ جلوہ کے نقشِ قدم تھے لالہ و گل　آسی　کچھ اور اس کے سوا موسمِ بہار نہ تھا

آئی خزاں گئی بہار اب وہ جنوں جنوں نہیں　نوح ناروی　ہاتھ ہے آستیں میں ہاتھ میں آستیں نہیں

گل ہیں وہ اب نہیں ہے جو عالم تھا خار کا　فانی　اللہ کیا ہوا وہ زمانہ بہار کا

برشگال

اے ابرِ تر تو اور کسی سمت کو برس　میر　اس ملک میں ہماری ہی یہ چشمِ تر ہے بس

شیشے رہیں شراب کے آٹھوں پہر کھلے　آتش　ایسا گھرے کہ پھر نہ کبھی ابرِ تر کھلے

میکشوں سے ترکِ مے ممکن نہیں برسات میں　رند　پانی بھر آتا ہے منہ میں ابرِ باراں دیکھ کر

چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر　آزاد　اور اٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر

بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی　　سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی صبا روندتی ہوئی

شیرۂ انگور کو کرتی ہے آبِ آتشیں　امیر　آگ پانی میں لگاتی ہے ہوا برسات کی

گھنگور گھٹائیں چھا رہی ہیں　حالی　جنت کی ہوائیں آ رہی ہیں

ناویں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں　　موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہیں

گلے لپٹے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے　ریاض　الٰہی یہ گھٹا دو دن تو برسے

وہ مزے وصل کے وہ مینہ کا برسنا جھم جھم — ولہٗ — اُف رے برسات کی رت ہائے رے برسات کی رات

مزہ دیتا ہے بادل جب سوئے میخانہ آتا ہے — جلیلؔ — صراحی جھومتی ہے وجد میں پیمانہ آتا ہے

پھر سر چرخ دھواں دھار گھٹائیں آئیں — ولہٗ — پھر ہوا کھانے حسین گیسووں والے نکلے

گھٹائیں جھومتی ہیں میکدے پر — ولہٗ — کہ پریاں اُڑ رہی ہیں بال کھولے

فتویٰ دیا ہے مفتیِ ابرِ بہار نے — ولہٗ — توبہ کا خون بادہ کشوں کو حلال ہے

بادل گرجے بجلی چمکی ——— مینہ کے ڈر سے بھاگی توبہ

اٹھا وہ جھوم کے ساقی چمن میں ابرِ بہار — سرورؔ جہاں آبادی — چٹک رہے ہیں شگوفے برس رہی ہے پھوار

اللہ یہ ساون کی گھٹائیں یہ ہوائیں — جگرؔ مراد آبادی — کیا آج بھی شغل مے و مینا نہ رہیگا

کوئی دیکھے سبزہ زاروں میں گھٹاؤں کی بہار
شاہدِ فطرت نے زلفوں کو پریشاں کر دیا — شمسؔ عظیم آبادی

آبشار

اے آبشار نوحہ گر از بہر کیستی — زیب النساء — چیں بر جبیں فگندہ ز اندوہ کیستی

آیا چہ درد بود کہ چوں ما تمام شب — سر را بسنگ می زدی و می گریستی

جو

بوے جوے مولیاں آید ہمی — یادِ یارِ دلستاں آید ہمی

نصر سامانی نے ایک دفعہ ہرات کا سفر کیا، اُس جگہ اور اُس کے اطراف کو اس قدر دلکش پایا کہ چار سال وہیں رہ گیا، اُمراء اور فوج سے لوگ تنگ آ گئے۔

تاہم بادشاہ سے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، آخر رودکی کے پاس گئے اور ۵۰۰۰ اشرفیاں اس شرط پر دینی منظور کی کہ بادشاہ بخارا واپس جائے، اگلے دن رودکی دربار میں گیا اور ساز کے ساتھ کچھ اشعار گائے جن میں شعر متذکرہ بالا پہلا شعر تھا، بادشاہ کا یہ حال ہوا کہ پانوں میں جوتے تک نہ پہنے اور اسی وقت سوار ہو کر بگ ٹٹ ایک منزل پر جا کر دم لیا، اسی رودکی کے متعلق عنصری کہتا ہے :-

غزل رودکی وار نیکو بود غزلہائے من رودکی وار نیست

ہر اک سمت گلشن میں نہروں کی سیر آبرو وہ نہروں میں پانی کی لہروں کی سیر

لب جو کون سیر کو آیا بیمار موج منہ چومتی ہے ساحل کا

فروغ عشق و نوائے سرود و طرف چمن
شراب ناب و لب جوئبار کیا کہنا (جگر مرادآبادی)

مہ نو

آں شاہد از کجاست کہ ایں چرخ شوخ چشم ظہیر فاریابی از گوش او برون کند ایں نغز گوشوار

گردوں زجامہ کہ بریدہ است ایں طراز (آذر یزد) گیتی زساعدکہ ربودہ است ایں سوار

جب ناز سے قندیل مہ نو کی ہو روشن جوش جیسے کسی معشوق کا ٹوٹا ہوا کنگن

ایک شعر ہندی کا بھی سن لیجئے :-

آج چندرماں دوج ہیں جگ چتونت جیہی اور
ہمرے اور وا مترکے نین بھئے اک ٹھور

آفتاب

صبح آیا جانبِ مشرق نظر غالبؔ اک نگارِ آتشیں رُخ سر کھلا

طلوعِ آفتاب اک منظرِ پُرکیف ہے وحشتؔ فلک کے ہاتھ میں اک پُرتکلف جام ہوتا ہے

مناظرِ مختلف

ہوا بر سبزہا گوہر گسستہ زمرد را بہ مروارید بستہ

ناصر بخاری حج کے لئے مکہ معظمہ جا رہے تھے، خواجہ سلمان کی شہرت سُن چکے تھے، بغداد پہنچے تو اُن کے پاس گئے، خواجہ صاحب قلعہ بغداد پر بیٹھے ہوئے دجلہ کی طغیانی کا تماشہ دیکھ رہے تھے، ناصر بخاری نے خواجہ صاحب کو سلام کیا، خواجہ صاحب نے پوچھا تم کون ہو، ناصر بخاری نے جواب دیا "ایک پردیسی مسافر" خواجہ صاحب نے امتحان کی غرض سے فوراً یہ مصرعہ کہا، ع

دجلہ را امسال رفتارے عجب مستانہ ایست

ناصر بخاری نے بلا توقف دوسرا مصرعہ موزون کیا، ع

پائے در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانہ ایست

خواجہ صاحب دنگ رہ گئے، اور ناصر بخاری کو شرفِ مصاحبت بخشا،

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنارِ آبِ رکنا باد و گلگشتِ مصلیٰ را حافظؔ

شبنم مگو کہ بر ورقِ گُل فتادہ است اکبرؔ اعظم کاں قطرہا زِ دیدۂ بلبل فتادہ است

نہیں تارے بھرے ہیں شک کے خط　　آبرو　　کس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

اُگتے تھے دستِ بلبل و دامانِ گل بہم　　میر　　صحنِ چمن نمونۂ یوم الحساب تھا

جنوں پسند مجھے چھاؤں ہے ببولوں کی　　ناسخ　　عجب بہار ہے اِن زرد زرد پھولوں کی

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا　　انیس　　تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ دشت وہ نسیم وہ جھونکے وہ سبزہ زار　　ولہٗ　　پھولوں پہ جابجا وہ گہرہائے آبدار

چٹکی کلی تو رہ گئے پر تولتے ہوئے　　وحید　　پتی ہلی تو مل کے اُڑے بولتے ہوئے

گلگشت کر رہا ہے جو وہ گلعذار آج　　امیر　　پھرتی ہے باغ باغ نسیم بہار آج

صبا پھرتی ہے گھبرائی ہوئی گلشن میں افسردہ　　ولہٗ　　خدا جانے چمن میں نرگسِ بیمار کیسی ہے

ہر چند بگولا مضطر ہے اک جوش تو اس کے اندر ہے
اک وجد تو ہے اک رقص تو ہے بیتاب سہی برباد سہی　　اکبر الہ آبادی

آہستہ نسیم کا وہ چلنا　　شوق قدوائی　　سورج کا وہ آڑ سے نکلنا

خاک چمن پہ شبنم و گل کا عجب ہے رنگ　　جلیل　　ساغر کسی سے چھوٹ پڑا ہے شراب کا

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار　　اقبال　　اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے　　ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

پھر ابر میں وحشت کی تصویر نظر آئی　　فانی　　لہرائی ہوئی بجلی زنجیر نظر آئی

لالے پہ جھک پڑی ہے گل یاسمن کی شاخ　　ولہٗ　　یا دستِ نازنیں میں ہے ساغر شراب کا

کانٹے کی رگ میں بھی ہے لہو سبزہ زار کا
پالا ہوا ہے وہ بھی نسیمِ بہار کا

میخانہ

اب تو جاتے ہیں میکدے سے میر — میر — پھر ملینگے اگر خدا لایا

ابر اُٹھا تھا کعبے سے اور جھوم پڑا میخانے پر — ولہٗ — جُھرمٹ ہیگا میخواروں کا شیشے پر پیمانے پر

کہیں کہیں دوسرا مصرعہ یوں بھی دیکھا گیا ہے: ع بادہ کشوں کا جُھرمٹ ہیگا شیشے اور پیمانے پر

جب میکدہ چھُٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید — غالب — مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو

جمع تھے پاک اک زمانے کے — داغ — ہائے جلسے شراب خانے کے

غم غلط دونوں جہاں کا ایک پیمانے میں ہے —— زندگی کا گر مزہ پوچھو تو میخانے میں ہے

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی — شاد — جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

شرر طور سی ہر موج ہے پیمانے میں — ریاض — بجلیاں کوندتی ہیں آج تو میخانے میں

انھیں میخانوں میں ہیں پیر مغاں ایک سے ایک — ولہٗ — قبلۂ دیں ہے کوئی کعبۂ ایماں کوئی

یہ میکدے کی بھیڑ یہ اللہ رے ہجوم — ولہٗ — ہم تو نکل کے کھوئے گئے خانقاہ سے

روح کو میرے تعلق ہے یہ میخانے سے — ولہٗ — میرے حصے کی چھلک جاتی ہے پیمانے سے

شراب خانے میں ہے میکشوں کا رنگ وہی — ولہٗ — نہ خانقاہ نہ وہ اہل خانقاہ رہے

خانقاہوں سے ہے پوشیدہ تعلق جن کا —— راستے ایسے گئے ہیں کئی میخانے کو

وہ ہائے مجمع رندان میکدے کی بہار —— وہ مے چھلکتی ہوئی خوشنما پیالوں میں

عام ہے بیعتِ ساقی درِ میخانہ ہے باز ——— آج ہونا ہے جسے آکے مسلماں ہو جائے

جھومتی آئی تھی قبلے سے ستم ڈھانے کو ——— لو گھٹا جھک کے اٹھالے گئی میخانے کو

یادِ مے میں دل ہے شیشہ چشمِ تر پیمانہ ہے — قمر — ہم جہاں دل کھول کر رولیں وہی میخانہ ہے

میکدے پر آکے پھروں جھومنا — اختر مینائی — یہ گھٹا ہے یا کوئی مے خوار ہے

کوئی ایسی بھی ہے صورت ترے صدقے ساقی — جلیل — رکھ لوں میں دل میں اٹھا کر ترے میخانے کو

پینے والے ایک ہی دو ہوں تو ہوں — جگر مرادآبادی — مفت سارا میکدہ بدنام ہے

پہونچی یہاں بھی شیخ و برہمن کی گفتگو — سہیل — اب میکدہ بھی سیر کے قابل نہیں رہا

کچھ امتیازِ شیخ و برہمن نہیں یہاں — ولہ — جی کیوں نہ خوش ہو خانۂ خمار دیکھ کر

جام

اے کہ می گوئی چرا جامے بجانے می خری — فغانی — ایں سخن از ساقیِ ما گو کہ ارزاں کردہ است

سلطنت پر نہیں ہے کچھ موقوف — میر درد — جس کے ہاتھ آئے جام وہ جم ہے

مدتیں گذری ہیں شغلِ میکشی چھوٹے ہوئے ——— وہ پڑے ہیں طاق پر جام و سبو ٹوٹے ہوئے

کرن سورج کی نکلی جامِ مے سے — ریاض — یہ کیسی دھوپ نکلی چاندنی میں

جامِ مے توبہ شکن توبہ مری جام شکن — ولہ — سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

ہر موج کی وہ شان ہے جامِ شراب میں — اصغر — برقِ فضائے وادیِ سینا کہیں جسے

پیمانہ

مگر اس کو فریبِ نرگسِ مستانہ آتا ہے — آتش — الٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

'ریاض رضوان' بھی دیکھا ہے آپ نے ! نہیں بھائی خمریات سے مجھ کو دلچسپی نہیں'
وہ یہ کہہ کر دوسری طرف مخاطب ہو گئے ' اور فانی کو اور مجھ کو سناٹا آگیا' فانی کچھ دیر
چپ رہے ' پھر ایک لمبی ٹھنڈی سانس بھر کے مجھ سے چپکے سے کہا' کل کو میرے
ذکر پر بھی لوگ یہ کہہ کر ٹال دینگے کہ ہم کو 'یاسیات' پسند نہیں' ہائے رے ہندوستان کے شاعر"

ہر اک ذرہ سراپا طور ہو کر جلوہ آرا ہے ثاقب لکھنوی معاذ اللہ یہ کیف آفرینی ایک ساغر کی
موج مے اٹھتی ہے ساقی جو ترے ساغر میں جلیل نگہ مست کی تصویر نظر آتی ہے

ہاتھ سے کس نے ساغر ٹپکا موسم کی بے کیفی پر
اتنا برسا ٹوٹ کے بادل ڈوب گیا میخانہ بھی آرزو لکھنوی

وہ بت بھی سامنے ہے ساغر شراب بھی ہے اصغر اس آفتاب کے پہلو میں ماہتاب بھی ہے
اندازۂ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ جگر مرادآبادی ساغر سے اٹھیں موجیں بن کر خط پیمانہ
مینائے زہد میں نہ خم اتقا میں تھا جعفر سہارنپوری جو کچھ تھا ایک ساغر صہبا لئے ہوئے

مے

مے لعل در ساغر زرنگار سعدی بود روح پرور چو لعل نگار
مے میان شیشۂ ساقی نگر خسرو آتشے گویا بآب آلودہ اند
از صراحی دو بار قلقل مے جامی پیش جامی بہ از چہار قل است

شیدا کے ایک مطلع پر جو آپ کو ابھی ملیگا ' شاہجہان خفا ہوا تو متذکرہ بالا شعر
شیدا نے استشہاد میں پیش کر کے خفگی رفع کی '

چیست دانی بادۂ گلگوں مصفا جوہرے شیدا حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

بسکہ جوشد شعلۂ حل کردہ در مینائے من طالب شیشہ را فوارۂ آتش کند صہبائے من

تاک را سرسبز کن اے ابر نیساں در بہار رضی دانش قطرۂ تا مے تواند شد چرا گوہر شود

بموجب ایک روایت کے داراشکوہ نے اس شعر پر رضی دانش کو ایک کثیر رقم بطور انعام دی

دوسری روایت ہے کہ اس شعر پر نہیں بلکہ اس غزل کے مطلع پر انعام عطا ہوا، مطلع یہ ہے:۔

موسم آن باید کہ ابر تر چمن پرور شود نکہت گل مایۂ شور جنوں در سر شود

داراشکوہ نے اس زمین میں خود ایک غزل کہی اور "گوہر شود" کو یوں باندھا:۔

سلطنت سہل است خود را آشنائے فقر کن قطرہ چوں دریا تواند شد چرا گوہر شود

راقم الحروف شاعر نہیں، شاید ہی کبھی کوئی شعر موزوں ہوگیا ہو، بہرحال اس طرح میں

ایک مطلع موزوں ہوگیا، ممکن ہے پسند خاطر ہو۔

زندگی بر برگ گل گو مختصر خوشتر شود قطرہ چوں شبنم تواند شد چرا گوہر شود

مے کہ بدنام کند اہل خرد را غلط است ــــــ بلکہ مے میشود از صحبت ناداں بدنام

شراب کہنہ کہ روشن گر روان من است ــــــ مصاحب من و پیر من و جوان من است

قطرے قطرے کا ہے نصیب جدا ناسخ کوئی گوہر کوئی شراب ہوا

ہر ایک مست کی ہو حق ہے نالۂ بلبل آتش شراب شیشے میں ہے یا گلاب شیشے میں

اے ذوق دیکھ دختر رز کو نہ منہ لگا ذوق چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

انگور میں تھی یہ مے پانی کی چار بوندیں امیر جب سے کھنچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے

اچھوتی ابھی ہے مئے احمری احمد کسمنڈوی کنواری ہے مینا کی نیلم پری

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں اکبر الہ آبادی بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

یونہی لین دین یہ ہنا ارے مے فروش تجھ سے ریاض کبھی دام نقد ملتے کبھی کچھ ادھار ہوتا

باتیں معشوقوں کی کانوں میں نظر میں شکلیں — ولہ — نشۂ بادۂ گلنار ترا کیا کہنا

جو حرام سمجھو حرام ہے جو حلال سمجھو حلال ہے — ولہ — مے انگبیں تو بذاتہٖ نہ حرام ہے نہ حلال ہے

جس دن سے حرام ہو گئی ہے — ولہ — مے خلد مقام ہو گئی ہے

پتہ چلتا نہیں اب آتش وادیِ ایمن کا — اصغر — مگر مینائے مے کی نور افشانی نہیں جاتی

صہبائے تند و تیز کو ساقی سنبھالنا — ولہ — اچھلے کہیں نہ شیشۂ و ساغر لئے ہوئے

نکہتِ ساغرِ گل بن کے اڑا جاتا ہوں — آغا حشر — لئے جاتا ہے کہاں بادۂ سرجوش مجھے

دور میں رند چہک اٹھتے ہیں بلبل کی طرح — باسط بسوانی — مے گلرنگ ہے یا پھول ہے پیمانے میں

بادۂ تند میں گر جوش یہی ہے ساقی — خود ہی شیشے سے چھلک آئیگی پیمانے میں

زاہدوں میں بھی اس کا ہے مذکور — مسعود — ہر جگہ ہیں شراب کی باتیں

مطرب

مطرب نے وقتِ نغمہ زنی تارِ ساز کو — جعفر سہارنپوری — چھیڑا کچھ اس طرح کہ رگِ جاں بنا دیا

ساقی

ساقی قدحے کہ از مئے عشق — عراقی — چوں چشمِ خوشِ تو نیم مستم

جاں زنظارہ خرابِ نازِ او زانداز بیش — خسرو — من بہ بوئے مست و ساقی پُر دہد پیمانہ را

بہ دُرد و صاف ترا کام نیست دم درکش — —— — کہ ہرچہ ساقیِ ما ریخت عینِ الطاف است

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا — حافظ — کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ساقیا برخیز و دردہ جام را — ولہ — خاک بر سر کن غمِ ایام را

ساقی بنور بادہ برافروز جام ما — ولہٗ — مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکام ما

مگر ساقی کمر در خدمتِ میخانہ می بندد — ملا صنوان — کہ چوں نرگس ہر انگشت خود پیمانہ می بندد

سخن در تیغ نگویم نمی توانم دید — کہ مے خورند حریفان و من نظارہ کنم

ساقی بصبوحی قدرے پیشتر از صبح — قدسی — برخیز کہ تا صبح شدن تاب ندارم

سرخوش لکھتے ہیں "قدسی نے غزل کہی اور ایک مکتب کے مُلا کو سُنانے لگے، جب اس شعر کو پڑھا ایک لڑکا بول اُٹھا بجائے 'قدرے' کے 'نفسے' ہو تو صبح کی رعایت سے زیادہ مناسب ہوگا، قدسی لڑکے کی ذہانت سے متحیر ہوئے اور کہا: ؎

گاہ باشد کہ کودکے ناداں — بغلط بر ہدف زند تیرے"

مے باقی و ماہتاب باقیست — نسبتی — مارا بہ تو صد حساب باقیست

گوشہ چشمے اگر ساقی بمن دارد بجاست — ظفر خان احسن — عمرہا در گوشۂ میخانہ خدمت کردہ ام

شرابِ لطف پُر در جام می ریزی و می ترسم — کہ زود آخر شود ایں بادہ و من در خمار افتم

مے کو ز دستِ ساقی مشکیں کلالہ نیست — درصد سبوش کیفیتِ یک پیالہ نیست

مست گشتم از دو چشم ساقی پیمانہ نوش (گھونگر والے بال) — الفراق اے ننگ و ناموس الوداع اے عقل و ہوش

اے ساقی خوش ادا نگاہے — قاری غازیپوری — از گوشۂ چشم گاہ گاہے

بیا ساقی نگارم را بدہ یک جام صہبائے — سالک — کہ مخموری خوش آموز دادائے لغزشے پائے

کہاں ہے آج یارب جلوۂ مستانۂ ساقی — ولی — کہ دل سے تاب جی سے صبر سر سے ہوش لیجاوے

دُور سے آئے تھے ساقی سُن کے میخانے کو ہم — بیت نظم انجام — پر ترستے ہی چلے ہیں ایک پیمانے کو ہم

ساقی گئی بہار رہی دل میں یہ ہوس — سودا — تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

کبھو جی بھی کیا ہے خوش کسی رندِ شرابی کا — میر درد — بھڑا دے مُنہ سے مُنہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ — ولہٗ — جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

گرچہ مے پینے سے کی توبہ ہے میں نے ساقی — انشار — بھول جاتا ہوں ولے تیری مدارات کے وقت

شیشۂ مے کی طرح اے ساقی — مصحفی — چھیڑ مت ہم کو بھرے بیٹھے ہیں

لے جام لبالب بھر دینا پھر ساقی کو کچھ دھیان نہیں
یہ ساغر پہنچے دوست تلک یا ہاتھ لپک لے دشمن کا — نظیر اکبر آبادی

ساقی نے سب کو جام دئیے بھر کے بزم میں — ولہٗ — ساغر جو ہم نے مانگا تو شیشہ ہلا دیا

مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم — ولہٗ

ساقی نے پلائے ہمیں یوں جام پیاپے — ولہٗ — ہم نشہ میں یہ کہہ اٹھے اک بار کہ بس جی

پہلے ہی ساغر میں تھے ہم تو پڑے لوٹتے — ولہٗ — اتنے میں ساقی نے دی اس سے کڑی اور بھی

مینہ برسے ہے کس لطف سے اور جام تہی ہے — شاہ نصیر — ساقی تری سرکار میں انصاف یہی ہے

اے میکشو نزاکتِ ساقی کو دیکھنا — ناسخ — لاتا ہے رکھ کے مثلِ سبو جام دوش پر

کیا سیاہی اور سرخی لالہ وار آنکھوں میں ہے — ولہٗ — چشم بد دور آج اے ساقی بہار آنکھوں میں ہے

کسی کے آتے ہی ساقی کے ایسے ہوش اڑے — وزیر — شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں

ساقیا عید ہے لا ساغر و مینا بھر کے — ذوق — بادہ آشام پیاسے ہیں مہینا بھر کے

ساقی لڑائیوں سے تری چاہتا ہے جی — ولہٗ — باہم لڑا کے شیشہ و ساغر کو توڑ دوں

گلے میں ڈال کر باہیں قسم دینی تھی اے ساقی — نسیم دہلوی — جو کی تھی پیش زاہد کو تو کرنی تھی سلیقہ سے

میں کب سے پوچھ رہا ہوں شراب ہے کہ نہیں — وحید — مرے سوال کا ساقی جواب ہے کہ نہیں

ترا میکدہ سلامت ترے خم کی خیر ساقی — امیر — مرا نشہ کیوں اترتا مجھے کیوں خمار ہوتا

میکشو مے کی کمی بیشی پہ ناحق جوش ہے —— یہ تو ساقی جانتا ہے کس کو کتنا ہوش ہے

غیر دل کو تو پلاتی ہے ہم پہ یہ ستم گردش [illegible] جلال ساقی [illegible] جز سبو میں شراب ہے

یہ تلچھٹ اور ہم قدر [illegible] تسنیم [illegible] ساقی تفضل سمجھ کر

کیوں شام سے ہے فکر صبوحی مرے ساقی اخلاق تھوڑی سی پلا دے مجھے تھوڑی سی بچا لے

ساقی ادھر تو دیکھ کہ ہم دیر مست ہیں مولانا [illegible] کچھ مستی نگہ بھی ملا دے شراب میں

لڑکھڑا کر جو گرا پاؤں پہ ساقی کے گرا [illegible] اپنی مستی کے تصدق کہ مجھے ہوش رہا

توبہ سے ڈرایا مجھے ساقی نے یہ کہہ کر ریاض توبہ شکنی کے لئے اصرار نہ ہوگا

برسائے نور تو مری ریش سفید پر ولہ منہ دیکھتا ہے کیا مرے ساقی پلا بھی

میں نے جو کبھی قے کی کہ ساقی نے کہا جوڑ کے ہاتھ ...... آپ بندہ چلے جائیے میخانے سے

طالب جام ساقیا ہیں ہم حضرت جونپوری پھر چھپا کر کہ پارسا ہیں ہم

پی لے دو گھونٹ کہ ساقی کی رہے بات حفیظ ولہ سادہ انکار سے خاطر شکنی ہوتی ہے

ساقیا پیش نظر ہے جو مرے روز حساب افضل سوانی اس لئے ناپ کے پیتا ہوں میں پیمانے سے

ہم سمجھتے ہیں تری عشوہ گری کو ساقی جلیل کام کرتی ہے نظر نام ہے پیمانے کا

مستی کا اب مدار ہے ساقی کی آنکھ پر ولہ اس جام نے شراب کی مٹی خراب کی

مے کی میخانے کی خم کی جام کی مینا کی خیر

مست آنکھوں کا تصدق ایک پیمانہ نہیں

پیہم دیا پیالۂ مے برملا دیا حسرت ساقی نے التفات کا دریا بہا دیا

بہار آئی ہے ساقی بادۂ گلگوں پلانا بھی ولہ کہاں کی پارسائی کیسی توبہ جام لانا بھی

یہ حالت ہو گئی ہے ایک ساقی کے نہ ہونے سے نظم [illegible] کہ خم کے خم بھرے ہیں مے سے اور میخانہ خالی ہے

اہتمام اچھا یہ ساقی تیرے میخانے میں ہے — جگرؔ گورکھپوری — جس کا جتنا ظرف ہے اتنی ہی پیمانے میں ہے

بادۂ ناب عجب چیز ہے ساقی لیکن — جگرؔ مرادآبادی — اور ہی کچھ ترے ہاتھوں سے مزہ دیتا ہے

یوں تو ساقی ہر طرح کی تیرے میخانے میں ہے — ولہٗ — وہ بھی تھوڑی سی جو اِن آنکھوں کے پیمانے میں ہے

کچھ نہ کچھ تو کم غمِ ایام ہونا چاہیئے — رازؔ چاندپوری — میرے ساقی اب تو دورِ جام ہونا چاہیئے

ذرا آہستہ لے چل کاروانِ ہوش و مستی کو — جوشؔ — کہ سطحِ ذہنِ انساں سخت ناہموار ہے ساقی

نظر ملا کے کہا مجھ سے میرے ساقی نے — صغیرؔ — حرام کہتے ہیں جس کو یہ وہ شراب نہیں

کر رہی ہے درحقیقت کام ساقی کی نظر — ماہرؔ القادری — میکدے میں گردشِ ساغر برائے نام ہے

بصد ادائے دلبری ہے التجائے میکشی — حبیب احمد صدیقی — یہ ہوش اب کسے کہ مے حرام یا حلال ہے

راج کماری سورج کلا سہائے سرورؔ

نظر ملا کے نظر سے جو دے دیا ساقی — اس ایک جام پہ قربان لاکھ میخانے

پیرِ مغاں

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید — حافظؔ — کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرِ ما — ولہٗ — چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما

بندۂ پیرِ خراباتم کہ لطفش دائم است — ولہٗ — ورنہ لطفِ شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

امام اپنی جماعت کا ہوا جب پیرِ میخانہ — عشرتؔ لکھنوی — صدائے قلقلِ مینا ہوئی تکبیرِ میخانہ

خُمِ مے لے کے نہ اُڑ جائیگا اے پیرِ مغاں
ابرِ رحمت جو جھکا ہے تو جھکا رہنے سے — ریاضؔ

رند

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں آید راز — حافظ — ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت — غالب — پُرسد چرا کہ نرخ مئے لالہ فام چیست

پیمانہ برآں رند حرام است کہ غالب — ولہٗ — در بیخودی اندازۂ گفتار نداند

دیدم سحر صہبائی آشفتہ در میخانہ — صہبائی — جامے بکف ہوے بہ لب اوراقِ دیواں در بغل

خوشا رندے کہ می دارد بہ بزم بادہ پیمایاں
بدستے ساغر صہبا و بر دوشے سبو دستے — گرامی

خدا کے واسطے اس سے نہ بولو — شاہ حاتم — نشہ کی لہر میں کچھ بک رہا ہے

ہم سے پوچھو ہو پیوتے ہو شراب — کلیم — ایسے کیا شیخ و پارسا ہیں ہم

مائل ہمیں تو رات کہیں رہ کے کاٹنی — مائل — مسجد میں جا پڑینگے جو میخانہ بند ہے

رکھتے ہیں کہیں پاؤں تو پڑتے ہیں کہیں اور — انشا — ساقی تو ذرا ہاتھ تو لے تھام ہمارا

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر
غرض کچھ اور دُھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں — ولہٗ

راسخ کی فاقہ مستی سے اللہ کی پناہ — راسخ — کھاتا ہے سوکھے ٹکڑے بھگو کر شراب میں

ہر شب شبِ برات ہے ہر روز روزِ عید — آتش — سوتا ہوں ہاتھ گردنِ مینا میں ڈال کے

روز محشر بھی ہوش اگر آیا — مومن — جائینگے ہم شراب خانے کو

مسجد میں پی شراب پڑھی دیر میں نماز — بیمار — بیمار کو شعور کسی بات کا نہیں

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں — غالب — رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم — ولہ — دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

تھے جو ساقی کے نازِ توبہ شکن — آتشؔ — رات آتشؔ کو بھی پیتے ہی بنی

ہوش میں آؤ سمجھ والے ہو — محسنؔ — تم تو بے مے پئے متوالے ہو

نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں
فقیہِ مصلحت ہیں سے وہ رندِ بادہ خوار اچھا

امیر اہلِ مسجد سے اظہارِ تقویٰ — امیرؔ — ابھی آئے ہو میکدے سے نکل کر

مسجد میں بلاتا ہے ہمیں زاہدِ نافہم — ولہ — ہوتا کچھ اگر ہوش تو میخانے نہ جاتے

کی ترکِ مے تو مائلِ پندار ہو گیا — داغؔ — میں توبہ کر کے اور گنہگار ہو گیا

میکشو مژدہ کہ گھنگھور گھٹائیں آئیں — ولہ — تم پہ رحمت ہوئی توبہ پہ بلائیں آئیں

روح کس مست کی پیاسی گئی میخانے سے — ولہ — مے اُڑی جاتی ہے ساقی ترے پیمانے سے

ہے گدائے میکدہ بھی کیا حریص — ولہ — بھر لئے جھولی میں ٹکڑے جام کے

سامنے خم ہے سمجھ بوجھ کے پینا اے مست — شادؔ عظیم آبادی — کوئی گرتے ہوئے پکڑ لیگا نہ بازو تیرا

وہ جانا مرا روٹھ کر میکدے سے — ریاضؔ — صراحی کا مجھ کو وہ آواز دینا

یہ اپنی وضع اور یہ دشنامِ مے فروش — ولہ — ہم سُن کے پی گئے یہ مزہ مفلسی کا تھا

توبہ کر کے آج پھر پی لی ریاضؔ — ولہ — کیا کیا کمبخت تو نے کیا کیا

بعد اک عمر کے میخانے میں آئے ہیں ریاضؔ — ولہ — آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دامن کیسا

ہجوِ مے کر رہا تھا منبر پہ — ولہ — ہم جو پہونچے تو پی گیا واعظ

لمبی داڑھی نے آبرو رکھ لی — ولہ — قرض پی آئے اک دکان سے ہم

ہم جانتے ہیں لطفِ تقاضائے مے فروش — ولہ — وہ نقد میں کہاں جو مزہ ہے اُدھار میں

مُحتسب

محتسب درقفاے رندان است — سعدی — غافل از صوفیانِ شاہد باز

اے محتسب از جواں چہ پُرسی — حافظ — من توبہ نمی کنم کہ پیرم

محتسب داند کہ حافظ مے خورد — ولہ — آصفِ ملکِ سلیماں نیز ہم

اے محتسب زگریۂ پیرِ مغاں بترس — ملا علی احمد — یک خُم شکستنِ تو بصد خوں برابر است

تہنیت گوئید مستاں را کہ سنگِ محتسب — ——— — بر سرِ ما آمد و ایں آفت از مینا گذشت

بادہ چوں جاں زتنِ شیشہ بروں ریختہ است — روشن — محتسب را مگذارید کہ خوں ریختہ است

بہ بزم مے پرستاں محتسب خوش عزتے دارد — غنی — کہ چوں آید بہ مجلس شیشہ خالی می کند جارا

مژدہ اے بادہ پرستاں کہ دریں فصلِ بہار — ناصر علی — محتسب نیز بدستِ عسسے (کوتوال) افتاد است

از حسد امروز پنڈت منع ما از بادہ کرد — پنڈت — ورنہ کے آں نامسلماں را تمیز بود از ما

من اول تشنہ ام اے محتسب از آبرو دستے — گرامی — زدم انگاہ بیا کانہ بجام [illegible] دستے

تو جو کہتا ہے بغل بیچ نہاں ہے شیشہ — حاتم — محتسب یہ تو مرا دل ہے کہاں ہے شیشہ

کر حذر میرا نہیں ہے شیشہ خالی محتسب — سودا — تیغ ہے اس میں شرابِ پرتگالی محتسب

محتسب سنگِ جفا سے ترے میخانے میں — میر درد — کون سا دل تھا کہ شیشہ کی طرح چور نہ تھا

محتسب آج تو میخانے میں تیرے ہاتھوں — دل نہ تھا کوئی کہ شیشہ کی طرح چور نہ تھا

میکدے تک محتسب کو میکشو آنے تو دو — ناسخ — دیکھ کر پیمانے کو پیماں شکن ہو جائیگا

وہاں محتسب سر پٹکتا رہا — آفاق — یہاں خوب رندوں میں ڈھلتی رہی

سنا ہے محتسب بھی تاک میں ہے دخترِ رز کی — محسن — الٰہی رکھ لے تو حرمت شرابِ ارغوانی کی

بدمست پڑا ہے محتسب بھی — آسی غازیپوری — اے موسم گل ترا بھلا ہو

محتسب آیا تو خم مجھ پر گرا ——— مے گری مینا گرا ساغر گرا

محتسب سے میکشی کا ڈھنگ سیکھا چاہئے — جلیل — مست ہے لیکن ذرا اس پر گماں ہوتا نہیں

محتسب کی خیر اونچا ہے اسی کے فیض سے ——— رند کا ساقی کا مے کا خم کا پیمانے کا نام

کی محتسب نے خانہ تلاشی تو کیا ہوا — جوہر — نکلا سبوئے کہنہ میں سرکا بھرا ہوا

اے محتسب نہ پھینک مرے محتسب نہ پھینک — جگر مرادآبادی — ظالم شراب ہے ارے ظالم شراب ہے

تیری ضد پر محتسب الیاس توبہ کر تو لے — مؤلف — توبہ کا بھی تو نہیں ہے اعتبار ابکی برس

یوں نہ مستوں سے الجھ اے محتسب — اثر صہبائی — پارسائی کا بھرم کھل جائیگا

نوائے رند

نیک بخت آں کسے کہ داد و بخورد — رودکی — شور بخت آں کہ او نخورد و نداد

باد و ابرست ایں جہاں افسوس — باده پیش آر ہر چہ بادا باد

قدر گل و مل بادہ پرستاں دانند — خیام — نے تنگدلان و تنگ دستاں دانند

از بے خبری بے خبری معذوری — ذوقیست دریں بادہ کہ مستاں دانند

گویند بہ حشر گفتگو خواہد بود — ولہٗ — وآں یار عزیز تند خو خواہد بود

از خیر محض جز نکوئی ناید — خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

گر بادہ خوری تو با خردمنداں خور — ولہٗ — یا با صنمے لالہ رخ و خنداں خور

بسیار مخور فاش مکن وردمساز — کم کم خور و گہ گاہ خور و پنہاں خور

سوال

از من بر مصطفی رسانید سلام — ولہ — وانگاہ بگوئید باعزاز تمام

کے سید ہاشمی چرا و شیخ کتر شد — در شرع حلال است و [illegible] حرام

جواب

از من بر خیام رسانید سلام — ولہ — وانگاہ بگوئید کہ [illegible]

من کے گفتم کہ مے حرام است [illegible] — [illegible] حلال است [illegible]

ابریق مے مرا شکستی ربی — ولہ — بر من در عیش را ببستی ربی

بر خاک فگندی مے گلگون مرا — خاکم بدہن مگر تو مستی ربی

خوشا رندی کہ پامالش کند صد پارسائی را — خنک عشاق [illegible] کہ من با جبہ و دستار [illegible]

بیک ساغر در آں میخانہ مارا — [illegible] — چنیں سرمست و بے آرام کردند

ہیچ کس بے دامن تر نیست اما دیگراں — سعدی — باز می پوشند و من در آفتاب انگندہ ام

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است — حافظ — صراحی مے ناب و سفینہ غزل است

منم کہ گوشہ میخانہ خانقاہ من است — ولہ — دعائے پیر مغان ورد صبحگاہ من است

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز — ولہ — ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

با خرابات نشیناں ز کرامات ملاف — ولہ — ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد

بشارت بر بکوے میفروشاں — ولہ — کہ حافظ توبہ از زہد و ریا کرد

تا ز مے خانہ و مے نام و نشاں خواہد بود — ولہ — سر ما خاک رہ پیر مغاں خواہد بود

دمے با غم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد — ولہ — بمے بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی ارزد

یک دو جامم دی سحر گر اتفاق افتادہ بود — ولہ — وز لب ساقی شرابے در مذاق افتادہ بود

[illegible]

[illegible] | [illegible] | [illegible]

[illegible] | ولہ | [illegible] بیا ساقی [illegible]

من نہ آں رندم کہ ترکِ شاہد و ساغر کنم | ولہ | محتسب داند کہ من ایں کارہا کمتر کنم

ما وردِ سحر بر درِ میخانہ نہادیم | ولہ | اوقاتِ دعا در رہِ جانانہ نہادیم

بیا تا گل بر افشانیم و مے در ساغر اندازیم
ولہ
فلک را سقف بشگافیم و طرحِ نو در اندازیم

[illegible] | ولہ | آہستہ کہ [illegible]

مطربِ خوش نوا بگو تازہ بتازہ نو بہ نو | ولہ | بادۂ دلکشا بجو تازہ بتازہ نو بہ نو

کہ بر درِ حریمِ شاہاں زمنِ گدا پیامے | ولہ | کہ بکوے مے فروشاں دو ہزار جم بجامے

دو یارِ زیرک و از بادۂ کہن دو منے | ولہ | فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے

رازِ درونِ پردہ کہ سالک بکس نگفت —— در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

سرِ خدا کہ عارفِ صادق بکس نگفت —— در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

نوروز و نو بہار و مے و دلربا خوش است | بابر | بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

جامی چہ لاف میزنی از پاک دامنی | جامی | بر دامنِ تو ایں ہمہ داغِ شراب چیست

ساقی مدام بادہ باندازہ می دہد | فغانی | ایں بیخودی گناہِ دلِ زود مستِ ماست

حاجی بسوئے کعبہ رود از برائے حج | اکبر اعظم | یا رب بود کہ کعبہ بیاید بسوے ما

بندۂ بندگانِ مستانیم | وصالی | خادمِ خانمانِ خماریم

بسکہ خود بے بہرہ ام شادم ز عیشِ دیگراں | فطرت کاشی | ہر کرا جامے طلب دیدم دماغم تازہ شد

بادہ [illegible] بے سیرِ ماہتابم کار نیست | نوعی | ہیچ ماہِ چاردہ چوں ساغرِ سرشار نیست

سبوئے بادہ سلامت کہ زینتِ دوش است — ولہٗ — سرے کہ مایۂ دردِ است گو بدوش مباش

نکاتِ بت پرستیہا ز آذر پرس اے ناداں — خلیلِ بت شکن آدابِ بتخانہ چہ می داند

دردِ سر کیفیتِ پیمانۂ فرزانگی ست — نشۂ آسودگی از بادۂ دیوانگی ست

قرب یک ماہ بہ میخانہ اقامت کردم — اتفاقاً رمضان بود نمی دانستم

چہ نسبت است برندی صلاح و تقویٰ را — سماعِ وعظ کجا نغمۂ رباب کجا

رنداں نظر بہ جلوۂ دنیا نمی کنند — نہانی — جز آرزوئے ساغرِ صہبا نمی کنند

دو لب خواہم یکے در مے پرستی — طالب آملی — یکے در عذر خواہی ہائے مستی

ز بہرِ ستیم کے کار با جام و شراب افتد — ظفرخان احسن — مرا از گفتگوئے بادہ سرخوش می‌تواں کردن

رطلِ گراں بقیمتِ جاں می‌تواں خرید — اوجی — ایں است گوہرے کہ گراں می‌تواں خرید

پیالۂ شراب

افتادن و برخاستنِ بادہ پرستاں — غنی — در مذہبِ رندانِ خرابات نماز است

توبہ از مے نہ کنم در پیری — ولہٗ — مے کشی در شبِ مہتاب خوش است

سبحہ در مسجد و در میکدہ پیمانہ خوش است — ولہٗ — گریہ در خانقہ و خندہ بہ میخانہ خوش است

بہرِ یک جرعۂ مے منتِ ساقی نکشیم — زیب النسا — اشکِ ما بادۂ ما دیدۂ ما شیشۂ ما

در ہوائے بادۂ گلرنگ بیتابیم ما — ملا فرخ شوشتری — سالہا شد کز ہواداراں ایں آبیم ما

فغاں کہ دانۂ انگور آب می سازند — ولہٗ — ستارہ می شکنند آفتاب می سازند

از خوشۂ انگور عیاں شد کہ دریں باغ — سرخوش — شیرازۂ جمعیتِ دلہا رگِ تاک است

گرفتہ بود دلِ من برنگِ غنچۂ گل — شگفتہ روئیِ صہبا شگفتہ کرد مرا

نیست غیر از ایں شکستِ شیشۂ دل را علاج — خادم — در بغل از دست تو گیریم صہبائے دگر

گرفتم ارتکابِ مے گناہ است — اندرام مخلص — بہار از جانبِ ما عذر خواہ است

نو بہار آمد مرا نجبیر در گلشن کنید — مظہر جانجاناں — دوستاں امسال تدبیرم بطورِ من کنید

من چہ دانم راہ و رسمِ خانقاہ — میر — عمرِ من در خدمتِ میخانہ رفت

آخر آخر بر دکانِ مے فروش — آبرویم بہر یک پیمانہ رفت

بروزِ حشر الٰہی چو نامۂ عملم — ماہ لقا — کنند باز کہ آں روز بازخواہِ من است

بحسن مقابلۂ آں را بسرنوشتِ ازل — کمی و بیشی اگر باشد آں گناہِ من است

نہ مہماں سرائے نہ میخانۂ — غالب — نہ دستاں سرائے نہ جانانۂ

نہ رقصِ پری پیکراں بر بساط — نہ غوغائے رامشگران و رُباط (مطرب)

افقہا پُر از ابرِ بہمن مہی — سفالینہ جامِ من از مے تہی

آں میم باید کہ چوں ریزم بجام — ولہ — زورِ مے در گردش آرد جام را

باید زمے ہر آئینہ پرہیز گفتہ اند — ولہ — آرے دروغِ مصلحت آمیز گفتہ اند

در خراباتم ندیدستی خراب — ولہ — بادہ پنداری کہ تنہا می خورم

خجلت نگر کہ در حسناتم نیافتند — ولہ — جز روزۂ درست ز صہبا کشودۂ

از خانۂ ما راہ بمیخانہ دراز است — عبرت — اے کاش کہ ایں خانہ بمیخانہ درے داشت

منبر و محراب درسِ عشق را شائستہ نیست — شبلی — شرحِ اسرارِ نہاں بر دار می بایست کرد

الٰہی کو شبِ مہتاب و ذوقِ مے پرستیہا — گرامی — بہ دستے دستہ نرگس بہ دستے ماہرو دستے

از بزمِ جہاں خوشتر از حور و جناں خوشتر — اقبال — یک ہمدمِ فرزانہ و ز بادہ دو پیمانہ

مقامِ شیخ در محراب و ما را — بینش — مقیمِ گوشۂ میخانہ کردند

زدم بر سنگِ ہستی شیشۂ ننگ — کیفی — میانِ کوچہ و بازار مستم

آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سوں — مظہر جانجاناں — مینا لگا ہے جب ستی اس بینوا کے ہاتھ

مجلس وعظ تو تا دیر رہے گی قائم — قائم — یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

نہ دیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے — سودا — سو اک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں

فغاں مجھ مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہووے گا — میر — مئے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے روئیگا

جا سے ہے جی نجات کے غم میں — ولہٗ — ایسی جنت گئی جہنم میں

صبح تو جام سے گذرتی ہے — شاہ عالم آفتاب — شب دل آرام سے گذرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے — اب تو آرام سے گذرتی ہے

یہ اشعار شاہ عالم کی جوانی کے وقت کے ہیں، بڑھاپے میں اُنھیں بہت بُرے دن دیکھنے پڑے، یہاں تک کہ بصارت سے بھی محروم کئے گئے، دنیا جائے عبرت ہے!

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو — میر درد — دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سلطنت پر نہیں ہے کچھ موقوف — ولہٗ — جس کے ہاتھ آئے جام سو جم ہے

کی فرشتوں کی راہ ابر نے بند — میر سوز — جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج

لگا کے برف میں ساقی صراحیٔ مے لا — انشا — جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا

تب عالم مستی کا مزہ ہے کہ پڑی ہو — ولہٗ — گردن پہ مری اُس بُتِ مخمور کی گردن

گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجئے — ولہٗ — زاہد نہیں، میں شیخ نہیں، کچھ ولی نہیں

کچھ بھی کیفیت گراں ہیں ہو تو یہ سب خرقہ پوش — راسخ — سبحہ و سجادہ رہنِ ساغر و صہبا کریں

اک ہاتھ میں گردن ہو صراحی کی مزا ہے — مصحفی — اور دوسرے میں ساقیِ مخمور کی گردن

گلابی روبرو ہے اور ہم ہیں — مومنی طوائف — بس اب جام و سبو ہے اور ہم ہیں

یہ کیا جی میں لہر آئی کہ مومنی — کنارِ آبجو ہے اور ہم ہیں

تمیز چاہیئے عادت ہے شرط اس کے لئے —— اناڑیوں سے نہ جنت میں مے کشی ہوگی

لالہ و گُل کا جوش ہے بُلبُلوں کا خروش ہے
فصل وداعِ ہوش ہے موسمِ نائے و نوش ہے — ناسخ
(بانسری)

اے فلک کچھ تو اثر حُسنِ عمل میں ہوتا — آتش — شیشہ اک رات کو قاضی کی بغل میں ہوتا

کام ہے شیشے سے ہم کو اور ساغر سے غرض
مست رہتے ہیں شرابِ روح پرور سے غرض — ولہٗ

شیشے رہیں شراب کے آٹھوں پہر کُھلے — ولہٗ — ایسا گھرے کہ پھر نہ کبھی اُتر کُھلے
بہار آئے الٰہی چمن پری ہو جائے — رند — یہ زرد زرد ہر اک نشے ہری ہو جائے
پیتا نہیں شراب کبھی بے وضو کئے — اکرام — قالب میں میرے روح کسی پارسا کی ہے
اللہ رے گمرہی بت و بتخانہ چھوڑ کر — مومن — مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ
ہم کو طوفِ حرم میں یاد آیا — تسکین — لڑکھڑانا شراب خانے کا
محفل میں شورِ قلقلِ مینا ہے گُل ہوا — ذوق — لا ساقیا شراب کہ توبہ کا قُل ہوا
زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں — ولہٗ — کیا ڈیڑھ چُلّو پانی میں ایمان بہ گیا
ابر و ہوا سے آئی اُبھر پیشتر کی چوٹ — بیمار — لا ساقیا شراب کہ سینکیں جگر کی چوٹ
یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب — غالب — تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا
کل کے لئے کر آج نہ خسّت شراب میں — ولہٗ — یہ سوئے ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں
غالب چھُٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی — ولہٗ — پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں
کر رہا ہوں میں اُسے نامۂ اعمال میں نقل — ولہٗ — کچھ نہ کچھ روزِ ازل تم نے لکھا ہے تو سہی
پلا دے اوک سے ساقی جو مجھ سے نفرت ہے — ولہٗ — پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے
پھر دیکھئے اندازِ گُل افشانیِ گفتار — ولہٗ — رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے — ولہٗ — رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن — ولہٗ — دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

وہ چیز جس کے لئے ہم کو ہو بہشت عزیز — ولہٗ — سوائے بادۂ گلفام و مشکبو کیا ہے

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو — ولہٗ — اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

باغ ہو آب رواں ہو اور شب مہتاب ہو — زہرہ — ساقیٔ مہوش ہو مے ہو جلسۂ احباب ہو

نواب یوسف علی خاں ناظم (والیٔ رامپور)

واعظ و شیخ سبھی خوب ہیں کیا بتلاؤں — میں نے میخانے سے کس کس کو نکلتے دیکھا

موسم گل ہے اور بادِ بہار — مجروحؔ — ساقیا بیا و بادہ بیار

رہ کے مسجد میں کیا ہی گھبرایا — ولہٗ — رات کاٹی خدا خدا کر کے

ہچکیاں لے گلا بیساختہ رو بیٹھیں — امانی دہلوی — بزم سے جب یہ میگسار اٹھا

منصور کیوں نہ بہکے ذرا غور کیجئے — مصلح الدین منصور — ٹھرے کے پینے والے کو دیدی کڑی سزا

سبو سے منہ لگائینگے اب اتنا صبر ہے کس کو — امراؤ سنگھ حباب — کہ بھرئے خم سے مے شیشے میں اور شیشے سے ساغر میں

ساغر ہمارے ہاتھ لب آب جو پیو — اسیر — تنہا جو مے پیو تو ہمارا لہو پیو

کچھ زہر نہ تھی شراب انگور — امیر — کیا چیز حرام ہو گئی ہے

یہ بجا کہ منع ہوگا رمضاں میں آب و دانہ — داغ — یہ غضب کہ نہیں دن رات پئیں شراب ہرگز

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد — ولہٗ — ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

کوئی بزم وعظ سے کہتا گیا — ولہٗ — ایسے جلسے بے شراب اچھے نہیں

پیوں گا آج ساقی سیر ہو کر — ولہٗ — میسر پھر شراب آئے نہ آئے

ہم اگر مانگیں تو اے زاہد یہ بیشک ہے گناہ — ولہٗ — بے طلب بھر کے کوئی رکھ دے جو ساغر سامنے

یہ شیشہ بھرا ہے یہ ساغر دھرا ہے   میر محبوب علیخاں آصف   پیو بھی پلاؤ بھی اسس کا مزہ ہے

کل تو اک ساغر تھا غائب آج اک بوتل گئی   بیخود دہلوی   میکدے میں روح زاہد کی کہیں آئی نہ ہو

کیوں زاہد و حرام ہے پینا شراب کا   اوحد   فصلِ بہار، صحنِ چمن، یار، مے بکف

ہم ہوئے تم ہوئے یا آسی میخوار ہوا   آسی غازیپوری   بک گئے روزِ ازل پیرِ خرابات کے ہاتھ

ہم گدایانِ درِ پیرِ خرابات کی رات   ولہ   تشنگی بادہ جلوہ میں ہے روزِ محشر

نہ کبھی کے بادہ پرست ہم نہ ہمیں یہ کیفِ شراب ہے

ولہ

لب یار چومے تھے خواب میں وہی جوشِ مستی خواب ہے

معذور ہے ابھی کہ نیا بادہ خوار ہے   ولہ   مستی میں کوئی راز جو آسی سے فاش ہو

وہ بھی تھوڑی سی مزہ منہ کا بدلنے کیلئے —— روز پیتا نہیں پی لیتا ہوں گاہے ماہے

جھومتی قبلہ سے گھنگھور گھٹا آتی ہے —— لطف جب ہے کہ برسنے لگے میخانے پر

جھومتی قبلہ سے گھنگھور گھٹا آتی ہے —— کیا عجب ہے کہ صراحی بھی کرے سجدۂ شکر

زاہدوں کے ہاتھ میں ہے میکدے کا انتظام —— میکشوں سے لے رہی ہے آج قدرت انتقام

مولانا عبدالرزاق خاں، طالب

ہاتھ میں جامِ مے لئے میکش   منتظر ہیں خدا کی رحمت کے

مسجد میں تو ذکرِ مے و مینا نہیں ہوتا   ریاض   میخانے میں کیوں یادِ خدا ہوتی ہے اکثر

جوبن یہ لوٹتے ہیں عروسِ بہار کا   ولہ   اب تو ریاض پھول اڑائینگے رات دن

طاقِ حرم سے شیخ وہ بوتل اٹھا تو لا   ولہ   اتری ہے آسمان سے جو کل اٹھا تو لا

خم کے خم ٹوٹتے ہی ٹوٹ کے برسے کیا کیا   ولہ   بادل امڈے ہوئے تھے رات سے میخانے پر

ایک چلو مے کے لئے تیس روزوں کا ثواب   ولہ   میکدے میں عید کے دن کوئی ایسا ہے ریاض

تا صبح میکدے سے رہی بوتلوں کی مانگ ولہٗ برسیں کہاں یہ کالی گھٹائیں تمام رات

کیسی مے مول لونگا حج کا ثواب ولہٗ ہے کہاں حاجیِ ثواب فروش

حشر تک یا رب طفیلِ خادمانِ مے فروش ولہٗ اک درِ توبہ کھلا رکھ اک دکانِ مے فروش

اٹھے کبھی گھبرا کے تو میخانے سے ہو آئے ولہٗ پی آئے تو پھر بیٹھ رہے یادِ خدا میں

سن کا یہ اقتضا نہ سہی دن تو ہیں ریاضؔ ولہٗ تم صبح و شام پھول اڑاؤ بہاریں

محبت اور ان کافر بتوں سے ولہٗ ریاضؔ اس عمر میں اس مفلسی میں

جنابِ شیخ الجھتے ہیں کس تعلق سے ولہٗ یہ دخترِ رز کے کوئی رشتہ دار بھی تو نہیں

سنا ہے ریاضؔ اپنی داڑھی بڑھا کر ولہٗ بہت آپ اللہ والے ہوئے ہیں

گلا بیٹھا ہوا خدمت اذاں کی وہ بھی کعبے میں ولہٗ بھلے سے ہم دبا لائے تھے ناقوسِ برہمن کو

ہم میکدے کو چھوڑ کے کعبے کے ہو رہیں ولہٗ کعبے میں اس طرح کی مدارات بھی تو ہو

اچھی پی لی خراب پی لی ولہٗ جیسی پائی شراب پی لی

عادت سی ہے نشہ ہے نہ اب کیف پانی نہ پیا شراب پی لی

بیکسی اس پہ تبسم کیا خوب ولہٗ کسی ظالم کی ظرافت ہوگی

نسخہ بیاضِ ساقیِ کوثر سے مل گیا ولہٗ گھر بیٹھے اب تو بادۂ کوثر بنائینگے

یہ چھلکتا ہوا کیا جامِ شراب آتا ہے ولہٗ لے میں قربان مرا عہدِ شباب آتا ہے

نشہ مے سے ذرا لطفِ شباب آتا ہے یاد ہم کو کوئی بھولا ہوا خواب آتا ہے

اپنی جوٹھی جو کبھی مجھ کو پلا دیتا ہے ولہٗ لبِ ساغر لبِ ساقی کا مزہ دیتا ہے

بنائے کعبہ پڑتی ہے جہاں ہم خشتِ خم رکھ دیں ولہٗ جہاں ساغر ٹپک دیں چشمۂ زمزم نکلتا ہے

اک ہمیں ہیں جو بہک جاتے ہیں توبہ کی طرف ولہٗ ورنہ رندوں میں برا چال چلن کس کا ہے

ارے ساقی ذرا میری شراب تلخ تو لانا — ولہٗ — مئے کوثر تو بالکل انگبیں معلوم ہوتی ہے

میں رکھ لوں ریزۂ مینا کو دل میں — ولہٗ — ارے کس پھول کی یہ پنکھڑی ہے

اتنی پی ہے کہ بعد توبہ بھی — ولہٗ — بے پئے بیخودی سی رہتی ہے

بہ پاسِ خاطرِ رندانِ بادہ خوار برس — عزیزؔ — برس برس کے دن اے ابرِ نوبہار برس

دعائیں مانگی ہیں ساقی نے کھول کر زلفیں — بسانِ دستِ کرم ابرِ وجلہ بار برس

بیتابؔ پی خدا نے تجھے بھی دئے ہیں ہاتھ — بیتابؔ رامپوری — یہ خم ہے یہ سبو ہے یہ شیشہ یہ جام ہے

قطرہ قطرہ کا کیا جائیگا محشر میں حساب — ثاقبؔ بدایونی — ساقیا دیکھ چھلک جائے نہ پیمانے سے

کوئی ایسی بھی ہے صورت ترے صدقے ساقی — جلیلؔ — رکھ لوں میں دل میں اُٹھا کر ترے میخانے کو

سر آستینوں میں شیشۂ مے لے کے ہاتھ میں — اصغرؔ — اتنا اچھال دیں کہ ثریا کہیں جسے

اُٹھا دے قید سبو و شراب و ساغر کی ـــــ بلند اور ذرا کر مذاقِ رندانہ

اگر حد سے گذریں تو بے شک حرام — آزادؔ انصاری — جو تھوڑی سی پی لی تو کیا ہو گیا

نہ آزادِ میکش نہ شاہد پرست — ولہٗ — وہ کمبخت بدنام ہے اور بس

رند ہوں اور رندِ پاک نہاد — ولہٗ — متقی پارسا نہیں نہ سہی

وہ ارشادِ واعظ کہ مے ترک کر — ولہٗ — وہ میری گذارش کہ برسات ہے

ولہٗ

قاضی ہو، شیخ وقت ہو، زاہد ہو، رند ہو
ہم دیکھتے ہیں مفت کی سب کو حلال ہے

شورشؔ عظیم آبادی

کسی کو خُم سے غرض ہے کسی کو جام سے کام
قسم مغاں کی ہے ساقی کے مجھ کو نام سے کام

اُٹھالوں میں اگر ظرفِ وضو پیمانہ ہو جائے — نشترؔ جالندھری — اگر مسجد پہ ڈالوں اک نظر میخانہ ہو جائے

ہیں اور وہ نشہ میں باہم دست و بغل ہیں   صارم   مخمور کی گردن پہ ہے مخمور کی گردن

کیا لطف ہے زانو پہ میرے سر ہے صنم کا   ولہٗ   اور ہاتھ میں ہو شیشہ بلور کی گردن

میخانے میں جنت کا مزہ آج ہے حاصل   ولہٗ   شانے پہ میرے ہے بت مخمور کی گردن

مولوی قاضی عبدالصمد صاحب صارم نے غالب کے متعلق ایک کتاب موسومہ "اردو کا سب سے بڑا شاعر اور محسن" تصنیف کی ہے اسی کتاب میں مصنف نے اپنی غزل مصحفی اور انشاء کی زمین میں بغرض ضیافت طبع ناظرین درج کی ہے یہ تین شعر اسی غزل کے ہیں اور خوب ہیں :-

توبہ

بوقت گل خدا را توبہ بشکن   حافظ   کہ عہد گل ندارد استواری

سبحہ در کف توبہ برلب دل پراز شوق گناہ

معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

من اگر توبہ ز مے کردہ ام اے سرو سہی   بیگی   تو خود ایں توبہ نہ کردی کہ مرا مے نہ دہی

توبہ کردم ز مے پرستی لیک   جگر مرادآبادی   ابر و باد و بہار را چہ کنم

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار   مظہر جانجاناں   ہائے کچھ چلتا نہیں کس مفت جاتی ہے بہار

مے سے توبہ کو تو مدت ہوئی لیکن قائم   قائم   بے طلب اب بھی جو مل جائے تو انکار نہیں

نہیں معلوم اب کی سال میخانے پہ کیا گزری   یقیں   ہمارے توبہ کرنے سیتی پیمانے پہ کیا گزری

مری طاعت سے اب تو معصیت بھی عار کرتی ہے   ذوق   مری توبہ پہ توبہ توبہ استغفار کرتی ہے

مری ٹوٹی ہوئی توبہ کے ٹکڑے   مجروح   کوئی لا دے در پیر مغاں سے

کی ترکِ مے تو مائلِ پندار ہو گیا　　داغ　　میں توبہ کر کے اور گنہگار ہو گیا

بجلی نہ گر پڑے کہیں توبہ کی جان پر　　جلال　　وہ ہنس رہے ہیں ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے

توبہ کرتے ہوئے آتا ہے یہ رہ رہ کے خیال　　ریاض　　منہ مرا دیکھ کے رہ جائیگا ساغر میرا

توبہ کر کے آج پھر پی لی ریاض　　ولہٗ　　کیا کیا کمبخت تو نے کیا کیا

توبہ کرتا ہوں میں دمِ نزع　　ولہٗ　　لٹتی ہے کمائی عمر بھر کی

توبہ لب پر وعظ سے بے اختیار آنے کو تھی
ولہٗ
وہ تو کہئے بچ گئے فصلِ بہار آنے کو تھی

جوشِ مے اور سبزہ زاروں میں گھٹا چھائی ہوئی　　ولہٗ　　بات ایسی ہے کہ توبہ بھی ہے للچائی ہوئی

جامِ مے توبہ شکن، توبہ مری جام شکن　　ولہٗ　　سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

ریاض توبہ نہ ٹوٹے نہ میکدہ چھوٹے　　ولہٗ　　زباں کا پاس رہے وضع کا نباہ رہے

بادل گرجے، بجلی چمکی ——— مینہ کے ڈر سے بھاگی توبہ

تجھ کو زاہد نے نہ دیکھا تو نباہی توبہ ——— تو تو وہ توبہ شکن ہے کہ الٰہی توبہ

مرے شباب کی توبہ پہ جا نہ اے واعظ　　حفیظ جونپوری　　نشے کی بات نہیں اعتبار کے قابل

بعد توبہ کے بھی دل میں ہے یہ حسرت باقی　　رسوا　　دے کے قسمیں کوئی اک جام پلا دے ساقی

توبہ کے توڑنے میں یہ پتھر سے کم نہیں　　جلیل　　نازک ہے دیکھنے میں جو شیشہ شراب کا

رات دن دونوں کھلے رہتے ہیں رندوں کیلئے　　ولہٗ　　درِ توبہ ہو کہ در ہو کسی میخانے کا

اب غرق ہوں میں آٹھ پہر مے کی یاد میں　　ولہٗ　　توبہ نے اور مجھ کو گنہگار کر دیا

ساقی پھر آ رہی ہے گھٹا آسمان پر　　ولہٗ　　بجلی گرے گی پھر مری توبہ کی جان پر

توبہ سے منہ لگا کے خجل ہو گئے تم جلیل　　ولہٗ　　جام و سبو سے آنکھ ملائی نہ جائے گی

توبہ تو کر چکا تھا مگر کیا کہوں جلیلؔ — ولہٗ — کالی گھٹا کو دیکھ کے نیت بدل گئی

تدبیر توبہ کی ہو یا رب کہیں توبہ شکن — ولہٗ — دست نازک میں لئے جام شراب آتا ہے

توبہ تو ہم بھی کر لیں ابھی شیخ جی مگر — بسمل دہلوی — جچتی ہمیں نظر نہیں آتی شباب میں

توبہ تو کی تھی واعظا تجھ سے مگر میں کیا کہوں — احقر — آج ذری سی پی گیا ابرِ بہار دیکھ کر

شیشہ اُٹھا کے طاق سے ہم نے — حسن — طاق پہ رکھ دی ساقی توبہ

پھر وہی ہم ہیں وہی شیشہ وہی پیمانہ ہے — ناطق گلاوٹھی — توبہ کیا ہے زندگی اک لغزشِ مستانہ ہے

نبھ تو جائے توبہ گرمی میں مگر — جوہر — سوچتا ہوں سامنے برسات ہے

شکستِ توبہ کی تقریب میں جھک جھک کے ملتے ہیں
کبھی پیمانے شیشے سے کبھی شیشے سے پیمانے — بیدم شاہ وارثی

ایسی توبہ سے تو میخوار ہی رہنا تھا اثرؔ — اثر لکھنوی — دل پہ اک ہاتھ ہے اک ہاتھ میں ساغر ٹوٹا

ہم نہیں آنے کے واعظ ترے بہکانے میں — جگر مرادآبادی — اسی میخانے کی مٹی اسی میخانے میں

ہے آمد و رفت اپنی اُس بزم میں روزانہ — مجذوب — اک درِ درِ توبہ ہے اک درِ درِ میخانہ

توبہ سپردِ ابر و ہوا کرتے ہی بنی — خمار — رحمت کی چھیڑ چھاڑ نے مجبور کر دیا

مضامینِ مختلف

ہمہ اوست

در پردۂ و برہمہ کس پردہ میدری — اوحدی — باہر کسے و باتو کسے را وصال نیست
مشکل حکایتیست کہ ہر ذرہ عین اوست — فغانی — دانمی تواں کہ اشارت باو کنند
گہ سروگہے سنبل و گہ یاسمنے — سرمد — گہ کوہ و بیابان و گہے چمنے
گہ نورِ چراغے و گہے بوئے گلے — گہ در چمنے و گاہ در انجمنے
ذراتِ جہاں آئینۂ جلوۂ یارانند — ناصر علی — یک صید بصد دام شکاراست ببینید
اے لبالب از مئے شوقت خمِ اندیشہا — یک پریزاد است پنہاں در ہزاراں شیشہا
شنیدہ ام بہ صنم خانہ از زبانِ صنم — نیاز — صنم پرست، صنم گر، صنم شکن ہمہ اوست
رساند مطربِ خوشگو ہمیں صدا در گوش — کہ چوب تار و صدائے تنن تنن ہمہ اوست
ہر اک صورت میں تجھ کو جانتے ہیں — قائم — ہم اس بہروپ کو پہچانتے ہیں

قطرے میں کچھ نہیں پانی کے سوا کیا کہئے
بات کہنے کی نہیں ہے بخدا کیا کہئے — آسی غازیپوری

جیسے ہر شے میں خود ہی وہ ہے جلوہ گر — عارف بلیاوی — اللہ اللہ ! مرا اعتبارِ نظر

ہر ذرہ جب کہ آئینہ اُس جلوہ گر کا ہے
ایسے میں کیا سوال فریبِ نظر کا ہے — ولہ

اللہ کی بارگاہ میں گذارش

من بندۂ عاصیم رضائے تو کجاست — خیام — تاریکِ دلم نورِ صفائے تو کجاست
مارا تو بہشت اگر بطاعت بخشی — این مزد بود لطفِ عطائے تو کجاست

پرخوں زِ فراقت جگرے نیست کہ نیست — ولہٗ — شیدائے تو صاحب نظرے نیست کہ نیست
با آنکہ نداری سرِ سودائے کسے — سودائے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

اے واقفِ اسرارِ ضمیرِ ہمہ کس — ولہٗ — درحالتِ عجز دستگیرِ ہمہ کس
یارب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر — اے توبہ دہ و عذر پذیرِ ہمہ کس

یارب بہ دلِ اسیرِ من رحمت کن — ولہٗ — بر سینۂ غم پذیرِ من رحمت کن
بر پائے خرابات روئے من بخشائے — بر دستِ پیالہ گیرِ من رحمت کن

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ — خسرو — نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — جامی — من انداز قدت را می شناسم

آنانکہ وصفِ حسنِ تو تقریر می کنند — عرفی — خوابِ ندیدہ را ہمہ تعبیر می کنند

تو کریمِ مطلق و من گدا چہ کنی جز این کہ نخوانیم
بیدل
درِ دیگرے بنما کہ من بکجا روم چو برانیم

فارغ از ہر دو جہاں بندۂ احسانِ تو ام — میر ہاشم علی جرأت — سروِ آزادم و پا بندِ گلستانِ تو ام

گرہئی شتاقِ عرضِ دستگاہِ حسنِ خویش — غالب — جاں فدایت دیدہ را بہر چہ بینا کردۂ

راز است گر دلے بجفائے شکستۂ — ولہٗ — داد است گر سرے بہ سنانے نہادۂ
دوزخ بداغ سینہ گداز سے نہفتۂ — قلزم بہ چشم اشک فشانے نہادۂ

حیف کہ من بخون تپم وز تو سخن رود کہ تو	ولہٗ	اشک بدیدہ بشمری آہ بہ سینہ بنگری
ایں چہ افسون و چہ نیرنگیست اے حسنِ غیور	ـــــــــ	دیدہ بخشیدی و محروم تماشا کردۂ
روم راہے کہ او را منزلے نیست	اقبالؔ	ازاں تخمے کہ ریزم حاصلے نیست
من از غمہا نمی ترسم ولیکن		مدہ آں غم کہ شایانِ دلے نیست
حرم جویاں درے را می پرستند	ولہٗ	فقیہاں دفترے را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد		کہ یاراں دیگرے را می پرستند
تو غنی از ہر دو عالم من فقیر	ولہٗ	روزِ محشر عذرہائے من پذیر
در حسابم را تو بینی ناگزیر		از نگاہِ مصطفےٰؐ پنہاں بگیر
در سینۂ من دمے بیاسائے	ولہٗ	از زحمت و کلفتِ خدائی
الٰہی ہے سکت نعم البدل کے تجھ کو دینے کی	سوداؔ	مجھے اس کا عوض تو کچھ نہ دے پر پھیر دے دل کو
خواہ کعبے ہیں تجھے خواہ میں تجسانے ہیں	ولہٗ	اتنا سمجھوں ہوں مرے یار کہیں دیکھا ہے
جلوے تمہارے حسن کے نت ہیں پہ ہم کہاں	پاکبازؔ	تم تو سجن ہمیشہ ہو افسوس ہم کہاں
کہیں کہیں نہ عدو دیکھ کر مجھے محتاج	وزیرؔ	یہ اُس کا بندہ ہے جس کو کریم کہتے ہیں
اذاں کعبے میں ناقوس دیر میں پھونکا	برقؔ	کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا
اب تو باتیں بھی ہو گئیں مفقود	رشکؔ	ارنی ہے نہ لن ترانی ہے
جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی	غالبؔ	حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
نقل کرتا ہوں اسے نامۂ اعمال میں میں	ولہٗ	کچھ نہ کچھ روزِ ازل تم نے لکھا ہے تو سہی
کریم جو تجھے دینا ہو بے طلب دیدے	انیسؔ	فقیر ہوں پہ نہیں عادتِ سوال مجھے
ترے بندوں سے کرتے ہیں بت دعویٰ خدائی کا	امیرؔ	تماشا دیکھتا ہوں تیری شانِ کبریائی کا

کسی کا مجھ کو نہ محتاج رکھ زمانے میں ۔ داغ ۔ کمی ہے کونسی یارب ترے خزانے میں

لاکھ دینے کا ایک دینا ہے ۔ ولہٗ ۔ دلِ بے مدّعا دیا تو نے

حُسن پھر کس کام کا جب چاہنے والا نہ ہو ۔ آسی غازیپوری ۔ سچ ہے تجھ سے دلرُبا کو لطفِ تنہائی نہ تھا

جن میں چرچا نہ کچھ تمہارا ہو ۔ ولہٗ ۔ ایسے احباب ایسی صحبت کیا

تمہیں سچ سچ بتاؤ کون تھا شیریں کے پیکر میں
کہ مُشتِ خاک کی حسرت میں کوئی کوہکن کیوں ہو ۔ ولہٗ

دلِ عندلیب یہ شق نہیں گُل و لالہ کا یہ ورق نہیں
مرے عشق کا وہ رسالہ ہے ترے حُسن کی یہ کتاب ہے ۔ ولہٗ

بُت کریں آرزو خدائی کی ——— شان ہے تیری کبریائی کی

غم دیا ہے کہ مسرّت دی ہے ۔ آرزو لکھنوی ۔ سب میں اک طرح کی لذت دی ہے

صہبائے خوشگوار بھی یارب کبھی کبھی ۔ اصغر ۔ اتنا تو ہو کہ تلخیٔ غم بے مزہ نہ ہو

تو برقِ حُسن اور تجلّی سے یہ گریز ۔ ولہٗ ۔ میں خاک اور ذوقِ تماشا لئے ہوئے

کب یہ کہتے ہیں کہ ہم تیرے گنہگار نہیں ۔ حسرت ۔ ہاں مگر اتنی جفا کے بھی سزاوار نہیں

ترے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرت ۔ ولہٗ ۔ اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں ۔ اقبال ۔ کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی ۔ ولہٗ ۔ مرے جرمِ ہائے سیاہ کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

خدائی اہتمامِ خشک و تر ہے ۔ ولہٗ ۔ خداوندا خدائی دردِ سر ہے
ولیکن بندگی استغفر اللہ ۔ یہ دردِ سر نہیں دردِ جگر ہے

ہاتھ پھیلانے میں محتاج کو غیرت کیا ہے ۔ جوہر ۔ شرم اس کی ہے کہ بندہ ترا کہلاتا ہوں

بھلوں کے بعد بُروں پر بھی ہو نگاہِ کرم ولہٗ کہ تیرے بندوں میں پروردگار ہم بھی ہیں

کیا نہ ہوگی میری ہی حاجت روا ولہٗ جس کا مولا قاضی الحاجات ہے

دینے والے تجھے دینا ہے تو اتنا دے دے بیدمؔ شاہ وارثی کہ مجھے شکوۂ کوتاہیِ داماں ہو جائے

کوئی حرم سے دیر سے منسوب ہے کوئی ساحرؔ اک رہ گیا ہوں میں کہ تمہارا کہیں جسے

متاعِ زندگی کے دینے والے یہ تو سمجھا دے آسیؔ الدنی کہ اتنا بوجھ سر پر رکھ کے لے جانا کہاں ہوگا

جسمِ آزادی میں تو نے پھونکی مجبوری کی روح فانیؔ خیر جو چاہا کیا اب یہ بتا ہم کیا کریں

فانیِ زار پہ کرم تیری رضا کے ہے سپرد ولہٗ ایک نگاہ اور اگر یہ بھی نہیں نہیں سہی

یارب تری رحمت سے مایوس نہیں فانیؔ ولہٗ لیکن تری رحمت کی تاخیر کو کیا کہیے

سارا عالم ترے جلوے کا خریدار بنا بیدلؔ عظیم آبادی ہائے اُس حُسنِ گرانمایہ کا ارزاں ہونا

اس مکاں کا کہیں مکیں نہ ملا امجدؔ نہ ملا ہائے وہ کہیں نہ ملا

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے مجذوبؔ ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے

اے خالقِ غم سوز تو ہے ساز بھی دیدے سراجؔ آنسو ہیں مگر دامنِ جانانہ نہیں ہے

تری ہستی سے منکر ہوتے جاتے ہیں جہاں والے مُلّاؔ سنبھال اپنی خدائی کو اے او آسماں والے

کچھ دردِ محبت کا اُس کو بھی دیا ہوگا امیدؔ کیا اے مرے رب تو نے ایسا بھی کیا ہوگا

کبھی کعبے کو گیا اور کبھی بتخانے کو سید ذکر اللہ حسرتؔ جستجو تھی تری کیا کیا ترے دیوانے کو

اک محبت تھی مٹ چکی یارب اخترؔ سیرانی تیری دنیا میں اب دھرا کیا ہے

کچھ نہیں اختیار میں پھر بھی احسانؔ اعظم گڈھی ہر خطا میری ہر قصور مرا

تیری نظر کے فضل سے اُن مشکلوں میں ہوں احسانؔ دانش جن مشکلوں کو تو بھی اب آساں نہ کر سکے

تجھے دیکھا نہیں ہے پھر بھی تجھ سے قمرؔ شیرانی مری اکثر ملاقاتیں رہی ہیں

تیرے گناہگار گنہگار ہی سہی — مجاز — تیرے کرم کی آس لگائے ہوئے تو ہیں
میرے ہونٹوں پر تبسم میرے دل میں ہائے ہائے — نجم — تجھ سے مالک حال میرا کیسے دیکھا جائے ہے

جوابِ بارگاہِ ایزدی

ذوقہا دارم بہ بارِ یہائے تو — مولانا روم — خوش نماید گریۂ شبہائے تو

میرے ایک کرم فرما پہلے مصرعے کو یوں پڑھتے تھے : ؎

ذوقہا دارم بہ یا رب ہائے تو

کلیم و طور

نکتۂ داریم و با یاراں نمی گوئیم فاش — غالب — طالبِ دیدار باید تابِ دیدار آورد
بہ نیم موسیٰ نقاب از چہرہ بردار — اقبال — نمی آید خوشم ایں لن ترانی
عام ہے یار کی تجلی میرؔ — میرؔ — خاص موسیٰ و کوہِ طور نہیں
نور تھا یا شعلہ تھا یا برق یا خورشید تھا — مہاراج چندولال شاداںؔ — کچھ تو اے موسیٰ کہو کیا تھا وہ جلوہ طور کا
اے برقِ حسنِ یار یہ کیسا ظہور تھا — امیرؔ — دیدار کو کلیم تھے جلنے کو طور تھا
اللہ اللہ سوزِ عشقِ یار کا اتنا اثر ———— میں ابھی تک جل رہا ہوں طور ٹھنڈا ہو گیا

ہم اُڑ کر بھی نہ پہونچیں ہم سے اتنی دور ہو جانا
مبارک شاخِ گُل کو شاخِ نخلِ طور ہو جانا — ریاضؔ

کلیم جا کے جہاں ہوش اپنے کھو آئے — ولہٗ — وہاں تو روز ہم آنکھیں لڑانے جاتے ہیں
کلیم آئے تو کھُل کے جلوہ دکھایا — ولہٗ — ہم آئے تو پردے سے باہر نہ نکلے

لگا کے کان ذرا ہم بھی دور سے سن لیں | ولہٗ | کلیم سے یہ سرِ طور گفتگو کیا ہے
مزے لوٹو کلیم اب بن پڑی ہے | ولہٗ | بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے
دبی زبان سے میرا بھی ذکر کر دینا | ولہٗ | کلیم طور پر اُن سے جو گفتگو آئے
سرِ طور ایک برقِ حسن لہراتی نظر آئی | ولہٗ | ذرا شوخی سے جھٹکا تھا کسی نے اپنے داماں کو
طُور پر اُن کی نگاہِ گرم تھی بجلی نہ تھی | صفدر | کچھ نہ بولے ہم مزاجِ یار برہم دیکھ کر
ابھی تک کہہ رہا ہے ذرہ ذرہ دشتِ ایمن کا | سہیل | قیامت ہے قیامت جلوۂ جاناں کی عریانی
لن ترانی سُنیں جنابِ کلیم | ولہٗ | کیجئے اور گفتگو مجھ سے
آخر کلیم سُننی پڑیں لن ترانیاں | ولہٗ | اب بھی کہو گے عجز گدایانہ چاہیے

احترامِ بے حجابی ہائے حسنِ دوست تھا حبیب احمد صدیقی لوگ یہ سمجھے کہ موسیٰ طور پر بیہوش ہے
ہم اگر ہوتے تو دیتے لن ترانی کا جواب طالب چپوری ہم سے وہ آنکھیں لڑاتے تو لڑا سکتے تھے ہم

محمود و ایاز

بارِ دلِ مجنون و خمِ طرۂ لیلے | حافظ | رخسارۂ محمود و کفِ پائے ایاز است
کسے ایں معنیٔ نازک ندانداز ایازانیجا | اقبال | کہ مہرِ غزنوی افزوں کند دردِ ایازی را
بہ متاعِ خود چہ نازی کہ بہ شہرِ دردمنداں | ولہٗ | دلِ غزنوی نیرزد بہ تبسمے ایازے

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں
ولہٗ

جادوے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز
دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری
ولہٗ

جو بہارِ عشق ہو دیکھنا کبھی عشوہ نوی پہ نگاہ کر　جوش　کہ شمیمِ گلشنِ خسروی ہے تباہ کوئے ایاز میں

منصور

حضرتِ منصور انا بھی کہہ رہے ہیں حق کے ساتھ　اکبر الٰہ آبادی　دار تک تکلیف فرمائیں جب اتنا ہوش ہے

بچپن

آں بہارِ عمر کو سودا بہ ایامے کہ من　سودا　صبح میرفتم سوئے مکتب گلستاں در بغل

اسیری عشق کو منظور تھی میری لڑکپن میں　پنڈت مہتاب رائے تاباں　پنھایا طوق منت کے بہانے میری گردن میں

اسیرِ پنجۂ عہدِ شباب کر کے مجھے　[illegible]　کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے مجھے

حمید اک خواب تھا بچپن مگر جب یاد آتا ہے　حمید　تو پہروں بیٹھ کر ہم شام کی ظلمت میں روتے ہیں

جوانی

چوں چنیں است جوانی چہ امید از پیری　آزاد ہمدانی　صبح اگر تیرہ بود شام چہ خواہد بودن

پارسائی اور جوانی کیونکہ ہو　یکرنگ　ایک جاگہ آگ پانی کیونکہ ہو

سب کرشمے تھے جوانی کے جوانی کیا گئی　امیر　وہ اُمنگیں مٹ گئیں وہ ولولہ جاتا رہا

کیا کہیے کس طرح سے جوانی گذر گئی　داغ　بدنام کرنے آئی تھی بدنام کر گئی

رہتی ہے کیا بہارِ جوانی تمام عمر　　مانندِ بوئے گل اِدھر آئی اُدھر گئی

گو جوانی میں تھی کجرائی بہت　حالی　پر جوانی ہم کو یاد آئی بہت

ابتدائے شباب اے آفت　آفت　ہائے وہ بھی عجب زمانہ تھا

کچھ نہ پوچھو شباب کا عالم ــــ کیا کہوں کچھ عجب زمانہ تھا
کیا گیا عہد نوجوانی کا ــــ اُٹھ گیا لطف زندگانی کا

جوانی بھی عجب شے ہے کہ جب تک نشہ ہے اُس کا
مزہ ہے سادے پانی میں شرابِ ارغوانی کا — شاعر

نہ دُنیا کا غم تھا نہ عقبےٰ کا کھٹکا — بیخود دہلوی — جوانی مجھے یاد آتی ہے کیا کیا

پچھلے پہر اُٹھ اُٹھ کے دُعائیں ناک رگڑنی سجدوں پہ سجدے
جو نہیں جائز اُس کی دعائیں اُف رے جوانی ہائے زمانے — شادؔ عظیم آبادی

جانا تھا کہ آنا تھا جوانی کا الٰہی — ریاضؔ — سیلاب کی تھی موج کہ جھونکا تھا ہوا کا
دُنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاضؔ پر — ولہٗ — کس نوک کا جوان ہے کس آن بان کا
ڈھل چکی ہے اب جوانی جائیگی — ولہٗ — یہ شرابِ ارغوانی جائیگی
موت سے بدتر بڑھاپا آئیگا — جان سے اچھی جوانی جائیگی
ریاضؔ اب کہاں وہ جوانی کا عالم — ولہٗ — گلے سے لگانے جو ملتی جوانی
کیا چھلکتا یہ کوئی جامِ شراب آتا ہے — ولہٗ — لے میں قربان مرا عہدِ شباب آتا ہے
بس ایک رات کا مہماں شباب ہوتا ہے ــــ غروبِ صبح کو یہ آفتاب ہوتا ہے
منہ پھیر کے یوں چلی جوانی — جلیلؔ — یاد آگیا روٹھنا کسی کا
سکونِ قلب کی مہلت کہاں دنیائے فانی میں ــــ بس اک غفلت سی ہو جاتی ہے وہ بھی نوجوانی میں
جوانی ہے تو ذوقِ آرزو ہے لطفِ ارماں بھی — اقبالؔ — ہمارے گھر کی آبادی قیامِ میہماں تک ہے
عہدِ شباب ہو کہ ہو موسم بہار کا — ولایتؔ — یہ اعتبار کا ہے نہ وہ اعتبار کا
اچھا تھا وہ شباب کہ کچھ سوجھتا نہ تھا — نادرؔ — اب ہر قدم پہ خوف نشیب و فراز ہے

ہر چیز پر بہار تھی ہر شے پہ حسن تھا | سیماب | دنیا جوان تھی مرے عہدِ شباب میں
ہائے سیماب اُس کی مجبوری | ولہٗ | جس نے کی ہو شباب میں توبہ
لطف کے دو ایک دن تفریح کی دو ایک رات | جوشؔ | اے جوانی تھی تری لے دے کے اتنی کائنات
پھر بھی تیرا وہ سُبک پرواز عہدِ مختصر | | خندہ زن ہے آج تک عمرِ مسیح و خضر پر
وقت کی سعیِ جفا پر بڑھ کے پانی پھیر دے | | اُن دنوں کے چند لمحے اے جوانی پھیر دے
مئے رنگیں تھا سادہ پانی بھی | ولہٗ | ہائے کیا چیز تھی جوانی بھی
لکھی جائینگی کتابِ دل کی تفسیریں بہت | عابدؔ | ہونگی اے خوابِ جوانی تیری تعبیریں بہت

پیری

نخلِ قدرت ظہیرؔ ز پیری خمیدہ نیست | ظہیر فاریابی | و احتراً گشتہ ز بارِ گناہ کج
دریغا کہ عہدِ جوانی نماند | سعدیؔ | جوانی مگو زندگانی نماند
عزیزا نو بہارِ عمر بگذشت | حافظؔ | چو برطرفِ چمن بادِ بہاری
چوں پیر شدی حافظؔ از میکدہ بیروں آ | ولہٗ | رندی و ہوسناکی در عہدِ شباب اولیٰ
چشمِ عبرت باز کن گردید چوں مویت سفید | صائبؔ | مگذراں در خوابِ غفلت ایں شبِ مہتاب را
خمیدہ پشت زاں گردند پیرانِ جہاندیدہ —— | | کہ اندر خاک می جویند گم گشتہ جوانی را
گر رود عشق از مزاجِ پیر لذت کے رود —— | | بوئے مے باقی بود چوں بشکنی پیمانہ را
فروغِ شعلۂ ادراک در پیری است کم پیدا | غنیؔ | بود ایں معنیٔ پنہاں زشمعِ صبحدم پیدا
موئے سر کردم سفید اما خیالت در سر است | ولہٗ | اخگرِ پنہاں تہِ ایں تودۂ خاکستر است
جوانی ہنس کے کاٹی اب پلک پر اشک چمکے ہے | راسخؔ | جو رات آخر ہوئی نکلا ستارا صبحِ پیری کا

آزاد لکھتے ہیں کہ راسخ سودا کے پاس شاگرد ہونے کو آئے، سودا نے کہا کوئی شعر سنایئے

راسخ نے یہ شعر سنایا :-

ہوئے ہیں پیر اب ہم دیدنی رونا ہمارا ہے — پلک پر اپنی آنسو صبح پیری کا ستارا ہے

سودا نے اُٹھ کر گلے لگایا،

محتاج اب نہیں ہم ناصح نصیحتوں کے — میر اثر — ساتھ اپنے سب وہ باتیں لیتی گئی جوانی

وقتِ پیری شباب کی باتیں — ذوق — ایسی ہیں جیسی خواب کی باتیں

شباب کی وہ کہاں تاک جھانک پیری میں — صبا — یہ آنکھیں ہیں وہی لیکن وہ دیکھ بھال نہیں

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ — یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

آگئی پیری جوانی ختم ہے — صبح ہوتی ہے کہانی ختم ہے

غرور اب کیا بڑھیگا خم ہوے اس درجہ پیری میں

پیارے صاحب رشید

ہم اپنے سر کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگاتے ہیں

شکن چہرے پہ نقشِ پائے طاؤسِ جوانی ہے — امیر — جو چہرہ ارغوانی تھا وہ چہرہ زعفرانی ہے

چاندنی پچھلے پہر کی کب تک — محسن — روشنیِ شمع سحر کی کب تک

خوابِ راحت میں وہ لذت تیرے اے پیری نہیں — حالی — جو جوانی میں مزہ دیتی تھیں شب بیداریاں

محبت اور ان کافرتوں سے — ریاض — ریاض اس عمر میں اس مفلسی میں

سُنا ہے ریاض اپنی داڑھی بڑھا کر — ولہٗ — بہت آپ اللہ والے ہوئے ہیں

ریاض اب شکل بھی بدلی مذاقِ طبع بھی بدلا — ولہٗ — یہ سِن کا ہے تقاضا جو خیالِ حُور آتا ہے

کے دن ہوئے شباب کو رخصت کئے ہوئے — ولہٗ — اے ذوقِ معصیت ابھی توبہ گناہ ہے

کیا پوچھتے ہو باتیں پیری میں جوانی کی — ولہٗ — وہ اور زمانہ تھا یہ اور زمانہ ہے

پیری بھی تمام ہونے آئی جگرؔ مرادآبادی دن ڈھل چکا شام ہونے آئی

پی تو لیتا ہوں مگر پینے کی وہ باتیں گئیں
حفیظؔ جالندھری
وہ جوانی وہ سیہ مستی وہ برساتیں گئیں

وطن

سعدیا حبِ وطن گرچہ حدیثے ست صحیح سعدیؔ نتواں مُرد بہ سختی کہ من آنجا زادم

ہو وطن میں خاک میرے گوہرِ مضموں کی قدر ناسخؔ لعل قیمت کو پہنچتا ہے بدخشاں چھوڑ کر

گھر بار سے کیا فقیر کو کام پنڈت دیا شنکر نسیمؔ کیا لیجئے چھوڑے گاؤں کا نام

ہم نے جب وادیِ غربت میں قدم رکھا تھا وحیدؔ دُور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو

وہ یادِ وطن کی ہے یہ غربت کی نشانی اخلاقؔ کچھ داغ کلیجے میں ہیں کچھ پانوں میں چھالے

گو بہت کچھ رنج یارانِ وطن سے تھا مگر شبلیؔ آنکھ میں آنسو ولے وقتِ سفر آ ہی گیا

وطن میں آنکھ چراتے ہیں ہم سے اہلِ وطن وحشتؔ تڑپتے رہتے تھے غربت میں ہم وطن کے لئے

یادِ وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور جوہرؔ جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور

وطن کی یاد مٹتے مٹتے مٹ جاتی ہے غربت میں تلوک چند محرومؔ قفس میں تابشِ داغِ فراقِ آشیاں کب تک

گلستانِ وطن میں آئی ہے کیسی بہار اب کی ولہٗ عنادل کی نواسنجی فغاں معلوم ہوتی ہے

فانیؔ دکن میں آکے یہ عقدہ کھلا کہ ہم فانیؔ ہندوستاں میں رہتے ہیں ہندوستاں سے دور

غربت

آنقدر روزِ ازل تیرہ نصیبم کردند امانیؔ تیرگی می طلبد شامِ غریبیاں از من

امانی زیب النساء کی ایک کنیز کا نام تھا'

نظر میر نے کیسی حسرت سے کی — میر — بہت روئے ہم اس کی رخصت کے بعد

کل جا کے ہم نے میر کے در پر سنا جواب — ولہ — مدت ہوئی کہ یاں وہ غریب الوطن نہیں

ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر — آتش — ہم کو غربت وطن سے بہتر ہے

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے — ولہ — ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب — غالب — تم کو بے مہریِ یارانِ وطن یاد نہیں

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں — واجد علی شاہ اختر — خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

چھالوں کو جہاں دشت میں ہیں چھیڑتے کانٹے ——— سب پھوٹ کے رو دیتے ہیں غربت بھی ہے کیا چیز

شگفتگی کے ہوں ساماں ہزار غربت میں — امیر — پر ایک سی ہے خزان و بہار غربت میں

دیدنی تھی ہم سے واماندوں کی شانِ بیکسی — آرزو لکھنوی — دور تک مڑ مڑ کے اہلِ کارواں دیکھا کئے

غربت کی صبح میں بھی نہیں ہے وہ روشنی — حسرت — جو روشنی کہ شامِ سوادِ وطن میں تھی

رو رو کے ایک ایک قدم بڑھ رہا ہوں میں — فانی — ہنستی ہے مجھ پہ دوریِ منزل جگہ جگہ

گردش وہی یہاں بھی تو چرخِ کہن میں تھی — ولہ — غربت میں بھی وہی ہے جو قسمت وطن میں تھی

اک تم کہ مہر و ماہِ وطن سے ہو شادکام
اک وہ کہ جس کی شام کہیں ہے سحر کہیں — عباس سہارنپوری

بیابان

عالمگیر بحیثیت شاہزادہ بھی زاہدِ خشک مشہور تھا مگر صاحب 'مرآۃ الخیال' کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پہلو میں بھی محبت بھرا ہوا دل تھا' اس کی ایک حرم

کا انتقال ہوگیا جس سے اُسے بہت محبت تھی، انتقال کے چند دن بعد وہ شکار کے لئے نکلا، نواب عاقل خاں ہمراہ تھا، اس نے عرض کیا اس صدمے کی حالت میں شکار میں کیا مصلحت ہے؟ جواب میں شاہزادے نے یہ شعر پڑھا :

نالہاے خانگی دل را تسلی بخش نیست — در بیاباں می تواں فریاد خاطر خواہ کرد

عاقل خاں نے اپنا شعر عرض کیا :

عشق چہ آساں نمود آہ چہ دشوار بود — ہجر چہ دشوار بود یار چہ آساں گرفت

شاہزادے پر رقت طاری ہوئی، جب طبیعت ٹھکانے ہوئی، پوچھا کس کا شعر ہے نواب نے عرض کیا، اس شخص کا جو نہیں چاہتا کہ بندگان عالی کے سامنے شاعری کا دعوےٰ کرے، شاہزادے نے شعر کو کئی بار پڑھوایا اور نواب کو منصب چار ہزاری سے سرفراز کیا،

---

۴۳ غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گذری

راجہ رام نرائن موزوں

نواب سراج الدولہ کی شہادت پر راجہ رام نرائن موزوں صوبہ دار عظیم آباد نے یہ شعر فی البدیہہ کہا تھا، کہنے کو تو یہ شعر ایک شعر ہے مگر اس میں نواب سراج الدولہ کی شہادت پر ایک ایسا حسین و دلکش تبصرہ ہے جس کا جواب ممکن نہیں،

آکے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد — نہ رہی دشت میں خالی کوئی جا میرے بعد

تیز رکھیو سر ہر خار کو اے دشت جنوں — ہوس — شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

یاد آیا مجھے گھر دیکھ کے دشت — یاسمن — دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

یاسمن تخلص تھا چنبیلی کا جو انشاء اللہ خاں کی کنیز تھی،

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا — انیس — تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

اُلجھ کر خار دامن سے مرے کیا کیا پریشاں ہیں
کہ اب دامن چھڑانا ہو گیا دشوار دامن سے — ظہیر

یاد آتی ہیں جنوں سیر ہوائیں اُن کی — ریاض — اب نہ وہ ہم ہیں نہ عالم وہ بیابانوں کا

بیابانِ محبت دشتِ غربت بھی وطن بھی ہے — یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے

سرِ ہر خار کی تعظیم بگولوں کا ادب — نصرت اللہ فدائی — قیدیں اتنی ہیں بیاباں میں کہ زنداں میں نہیں

گردشِ دوراں

پردہ داری می کند بر طاقِ کسریٰ عنکبوت — بوم نوبت می زند بر گنبدِ افراسیاب

اعتمادے نیست بر دورِ جہاں — حافظ — بلکہ بر گردونِ گرداں نیز ہم

حافظ نے جب اپنی اس زمین کی غزل جہاں خاتون کو سنائی تو اُس نے فی البدیہہ مندرجہ ذیل شعر کہا :–

حافظا ایں مے پرستی تا بہ کے — مے زِ تو بیزار مستاں نیز ہم

بہ باغِ دہر بہار و خزاں ہم آغوش است — زمانہ جام بدست جنازہ بر دوش است

ز شرم شدم آب و رنگے نیست — کلیم — بحیرتم کہ مرا روزگار چوں بشکست

بہ ہر ساعت بہ ہر لحظہ بہ ہر دم — دگرگوں می شود احوالِ عالم

بیک گردشِ چرخِ نیلوفری — نہ نادر بجا ماند نے نادری

اگر قارئین کرام کا جی چاہے تو دوسرے مصرعے میں بجائے نادر و نادری کے قیصر و قیصری یا ہٹلر و ہٹلری کے الفاظ رکھ سکتے ہیں، نادر کے مظالم دیرینہ ہو چکے ہیں، قیصر اور

ہٹلر کے مظالم حال کے ہیں اور اُن کی یاد تازہ ہے،

از کفِ دشمن گرفتم جام را　مومن　می شناسم گردشِ ایام را

ایکہ پنداری کہ ناچار است گردوں در روش　غالب　نیست ناچار آنکہ گردوں را برفتار آورد

اس زمانے میں دوستی کا رنگ　سجاد　آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

خاک و خوں میں صورتیں کیا کیا نہ رلیاں دیکھیاں

اے فلک باتیں تیری کوئی نہ بھلیاں دیکھیاں

اک آن اس زمانے میں یہ دل نہ وا ہوا　میر　کیا جانیے کہ میر زمانے کو کیا ہوا

یار اغیار ہو گئے افسوس　ولہ　کیا زمانے کا انقلاب ہوا

میری تغییر حال پر مت جا　ولہ　اتفاقات ہیں زمانے کے

گل گئے بوٹے گئے گلشن ہوئے برہم گئے　ولہ　کیسے کیسے ہائے اپنے دیکھتے موسم گئے

یار کیوں غیر ہو گیا ہیہات　میر سوز　کیا زمانے کا انقلاب ہوا

یار اغیار ہو گئے اللہ ـــــ کیا زمانے کا انقلاب ہوا

ہر دم فزوں ہیں کجرویاں روزگار کی　میر اثر　کچھ سیکھتا چلا ہے روش میرے یار کی

جو ملا اُس نے بیوفائی کی　مصحفی　کچھ عجب رنگ ہے زمانے کا

مت میرے رنگِ زرد کا چرچا کرو کہ یاں

رنگ ایک سا کسی کا ہمیشہ نہیں رہا　مصحفی

تقصیر اس میں کچھ تری اے آسماں نہ تھی　ولہ　آسودگی نصیبِ دلِ ناتواں نہ تھی

دو روز ایک رنگ پہ وضعِ جہاں نہیں　ناسخ　وہ کون سا چمن ہے کہ جس کو خزاں نہیں

کرتا ہے مجھ سے ابلقِ ایام شوخیاں　آتش　پہچانتا نہیں مگر اس سوار کا

زمینِ چمن گُل کھلاتی ہے کیا کیا — ولہٗ — بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

شام سے تا صبح مضطر صبح سے تا شام ہم — مومن — ایک حالت میں ہیں کیوں اے گردشِ ایام ہم

جمتی نہیں ہے ران کسی شہسوار کی — برق — کیا شوخیاں ہیں ابلقِ لیل و نہار کی

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں — غالب — ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل — ولہٗ — زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی — مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ نشاط — دامانِ باغبان و کفِ گلفروش ہے

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ — یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے

یا صبحدم جو دیکھئے آ کر تو بزم میں — نے وہ سرور و سور [جشن] نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

سب کچھ آساں ہے تجھے گردشِ دوراں کرنا — رمز (بہادر شاہ) — ایک مشکل مری مشکل کا ہے آساں کرنا

آرام سے ہے کون جہانِ خراب میں — شیفتہ — گُل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیس — انیس — عروجِ مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں — کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

ستارہ ہے ایک ایک جلاد جس کا — ہم اس آسماں کے ستائے ہوئے ہیں

ملے خاک میں جورِ گردونِ دوں سے — مشتری — مکیں کیسے کیسے مکاں کیسے کیسے

اُس کو مٹائے دیتی ہے بیداد آپ کی — داغ — اب کیجئے کرم ستمِ روزگار پر

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں ولہٗ جلا کے راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

لطف بھی کرتا ہے یہ بیداد بھی ولہٗ آسمان گویا مزاج یار ہے

شاگرد ہے کس کا فلکِ پیرِ ستم میں آسی غازیپوری گردش میں تو اُستاد ہے تقدیر ہماری

اب نہ وہ تم ہو نہ ہم افسوس حسرت کیا زمانے کا انقلاب ہوا

فلک نے اُن کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں

خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے اقبال

کیا دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی چکبست واللہ وہ زمیں نہیں وہ آسماں نہیں

پیہم دئے وہ رنج کہ انساں بنا دیا رواں منت پذیر ہوں ستمِ روزگار کا

کلی جس جا پہ کوئی کھل رہی ہے جگر مرادآبادی وہیں اک پھول بھی مرجھا رہا ہے

ہم اہلِ ظرف گوارا یہ عار کیا کرتے رزم شکایتِ ستمِ روزگار کیا کرتے

جبر و اختیار

یاں کے سفید و سیاہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے میر رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی ؍؍ جو چاہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو فقط بدنام کیا

چلا عدم سے میں جبراً تو بول اُٹھی تقدیر ناسخ بلا میں پڑنے کو کچھ اختیار لیتا جا

کچھ عجب روداد ہے انساں کی روداد بھی رواں سو اسیروں کا اسیر آزاد کا آزاد بھی

زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں فانی ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں

فانی ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی ولہٗ سانچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

گلشنِ تصویر میں تھے طائرِ تصویر ہم ولہٗ کیا کہیں کیونکر رہے مجبور بھی آزاد بھی

گناہگار کی حالت ہے رحم کے قابل　داغ　غریب کشمکش جبر و اختیار میں ہے
یہ مختصر سی داستان ہے جبر و اختیار کی　سہیل　کرشمہ ساز کوئی ہو خطا گناہگار کی

عصیان

شرمندہ از انیم کہ در دیدِ مکافات ——— اندر خورِ عفوِ تو نہ کردیم گناہے
تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو　میر درد　دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
پھر اس کی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے　اسیر　گناہگار یہ کہہ دے گناہگار ہوں میں
ہے اُس کی بیم و رجا کتنی رحم کے قابل　آسی غازیپوری　دعا کو ہاتھ اُٹھائے وہ لے دعا نہ کرے
اس قدر ناحق حسابِ حشر سے ترساں ہیں لوگ　حفیظ جونپوری　میری پرسش ہو چکیگی تب تو نوبت آئے گی
رحمتِ حق نے بہت دیکھ لی ایماں کی بہار　اصغر　اب ذرا سامنے رعنائیِ عصیاں کر دیں
موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے　اقبال　قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے
نقاشیِ فریبِ معاصی نہ پوچھئے　آسی الدنی　جنت بنا کے رکھ دی گنہگار کے لئے
لذت کبھی تھی اب تو مصیبت سی ہوگئی　بیخود موہانی　مجھ کو گناہ کرنے کی عادت سی ہوگئی
بھڑکا رہا ہوں آتشِ عصیاں ہر ایک سمت　جگر مرادآبادی　پھیلا رہا ہوں رحمتِ پروردگار کو
اِدھر آیاتِ رحمت ہیں اُدھر اقوالِ واعظ کے　بیدل عظیم آبادی　خدا حافظ بڑی مشکل میں ہے میرا ذوقِ عصیاں ہے

دُعا

مانگا کریں گے اب تو دعا ہجرِ یار کی　مومن　آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ
ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی　حالی　جی چاہتا نہ ہو تو دعا میں اثر کہاں
بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے　اقبال　پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

آنکھ میں اشک ندامت ڈبڈبا کر رہ گئے اثر لکھنوی ہم یونہی اکثر دعا کو ہاتھ اٹھا کر رہ گئے

سزا و جزا

اے بیخبر جزا کی توقع بھی چھوڑ دے اقبال سوداگری نہیں ہے عبادت خدا کی ہے
وہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانی فانی دو گھڑی ہوش میں آنے کے گنہگار ہیں ہم

گوناگوں

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق ——— او بصحرا رفت و من در کوچہا رسوا شدیم
ہم چو ہندو زن کسے در عاشقی مردانہ نیست فیضی سوختن بر شمع مردہ کارِ ہر پروانہ نیست
منصور کہ مستانہ بر آمد بہ سرِ دار گرامی خوش گفت کہ ہر نکتہ بہ منبر نتواں گفت
چوری بھی سینہ زوری بھی دعوائے عشق بھی سحر تا چند شکوہ ہائے زلیخا کرے کوئی
گیا ہے ایک دستِ آرزو نے وار دو جانب داغ زلیخا کے جگر تک چاک ہے یوسف کے داماں کا
اثرِ اضطرابِ قیس نہ پوچھ ریاض پردہ اٹھ اٹھ گیا ہے محمل کا
لہو بیکس کا مقتل کی زمیں پر ولہٗ نہ دامن پر نہ اُن کی آستیں پر
حُسن جب مقتل کی جانب تیغ براں لے چلا حسن عشق اپنے مجرموں کو پا بجولاں لے چلا
بسملوں کو زخم، زخموں کو مبارک لذتیں سوئے مقتل پھر کوئی تیغ و نمکداں لے چلا
دیکھ کر ہر درو دیوار کو حیراں ہونا یاس وہ مرا پہلے پہل داخلِ زنداں ہونا

بہ مطلب میرسد جو یائے کام آہستہ آہستہ

تحریرِ خط سے پہلے کے جذبات

دست می لرزد دلِ من بیقرار ــــــ سینہ سوزاں چوں نویسم نامۂ

ہجر آزردہ مرا فکرِ وصالے کردم ـــ سالار شیرازی ـــ شادماں خاطرِ خود را بخیالے کردم

شمع بزمم آں پری رخسار بودے کاشکے ـــ رسوا ـــ خانۂ من مطلعِ انوار بودے کاشکے

وصل اُس کا خدا نصیب کرے ـــ میر ـــ میر جی چاہتا ہے کیا کیا کچھ

حالِ دل یار کو لکھوں کیوں کر ـــ داغ ـــ ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے ـــ غالب ـــ جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو ـــ عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق ـــ سامانِ صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

پریتم کو پتیاں لکھوں جو کہوں ہوئیں بدیس ــــــ تن میں من میں نین میں تا کو کہاں سندیس

خط بہ یار

ما نامہ بہ برگِ گُل نوشتیم ـــ جہانگیر ـــ باشد کہ صبا بہ او رساند

لکھ چکے ہم جا چکا خط گر یہی حالت رہی ـــ فانی ـــ ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا

دیکھوں تو کس طرح اُنھیں ہوتا اثر نہیں ــــــ لو آج نامہ لکھتے ہیں خونِ جگر سے ہم

کاگد تھوڑو ہت گھنو کیسے لکھوں بنائے ـــــ ساگر میں جل بہت ہے گاگر میں نہ سمائے
کاغذ کم محبت زیادہ

مضمونِ خط

سالہا شد کہ زتو بوئے وفائے نہ رسید خسرو وز سرِ کوئے توام بادِ صبائے نہ رسید
پروانہ و شمع و گل و بلبل ہمہ جمع اند حافظ اے دوست بیا رحم بہ تنہائی ما کن
نمی گویم کہ نزدیکت عزیزم ـــــ کنیزانِ ترا کمتر کنیزم
ہمائے اوجِ سعادت بدامِ ما افتد ہمایوں اگر ترا گذرے بر مقامِ ما افتد
چشم بر راہِ تو داریم شُدا یا مے چند مرزا کامران وقت آں شُد کہ نمی جانبِ ما گامے چند
ایں شکایت نامۂ بے مہربانیہائے تست ظہوری آنچہ دیدم از جدائیہا جدا خواہم نوشت
اے بادشہِ بتاں خدا را نسبتی در بزم طلب کن ایں گدا را
مُردم از حسرت زِ پیغامے دلم را شاد کن سرخوش اے کہ می گفتی فراموشت نسازم یاد کن
شبے در منزلِ ما میہماں خواہی شدن یا نے فخر النسا بیگم انیسِ خاطرِ ایں ناتواں خواہی شدن یا نے
یادم نمی کنی و زِ یادم نمی روی ـــــ عمرت دراز باد فراموش کارِ ما
قبلہ گویم یا خدا یا کعبہ یا پیغمبرت ـــــ اصطلاحِ شوق بسیار است و من دیوانہ ام
از ما بہ ما پیام و ہم از ما بہ ما سلام غالب بے رنجے دلے مباد پیام و سلامِ ما
بشکرِ خاطرِ مجموع گاہے عبرت بیاد آر از پریشاں روزگاراں
اے خوش آں وقت کہ آئی و بصد ناز آئی اقبال بے حجابانہ سوئے بت کدۂ ما باز آئی
آرزوئے چشمۂ کوثر نہیں ولی تشنہ لب ہوں شربتِ دیدار کا
کیا ہوا جو خط مرا پڑھتا نہیں مضمون جانتا ہے خوب وہ مضمون کو

ٹک میرِ جگر سوختہ کی جلد خبر لے — میر — کیا یار بھروسہ ہے چراغِ سحری کا

اب کرکے فراموش تو ناشاد کروگے — ولہٗ — پر ہم جو نہ ہونگے تو بہت یاد کروگے

سب کے یاں تم ہوئے کرم فرما — میر درد — اس طرف کو کبھو گذر نہ کیا

بھول کر بھی ہمیں نہ یاد کیا — ضیا — ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے

یوں تونے جی سے مجھ کو یکایک بھلا دیا — میر باقر حزیں — تیری وفا پہ ہائے نہ تھا یہ گماں ہمیں

اگر بخیر ہمیں یاد کر نہیں سکتا — یقین — کبھو بُرا ہی ہمیں کہہ ترا بھلا ہوگا

ملے نہ آکے کبھی مصحفی سے تم افسوس — مصحفی — امیدوار تمہارا امیدوار رہا

پاس میرے وہ ترا پیار سے آنا نہ رہا — ولہٗ — وہ محبت نہ رہی اور وہ زمانہ نہ رہا

بھول کر او چاند کے ٹکڑے ادھر آجا کبھی — ناسخ — میرے ویرانے میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی

آؤگے تھام کر کلیجے کو — حیران — جذبۂ دل اگر سلامت ہے

چارۂ دل سوائے صبر نہیں — مومن — سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلادوں — غالب — کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

میں بلاتا تو ہوں اُس کو مگر اے جذبۂ دل — ولہٗ — اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

جذبِ دل اپنا سلامت ہے تو انشاء اللہ — کچے دھاگے سے چلے آئینگے سرکار بندھے

پڑھنا ہمارا نامہ ذرا دیکھ بھال کے — کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے

اعتبار آپ کو نہ آئے گا — شبلی — کیا کہوں اپنے اشتیاق کا حال

ہاں ماہرِ ناشاد سے کچھ تم نے کہا تھا — ماہر — تم بھول گئے ہو کہیں ایسا تو نہیں ہے

آ کہ تجھ بن اس طرح اے دوست گھبراتا ہوں میں — جگر مرادآبادی — جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں

یوں زندگی گذار رہا ہوں ترے بغیر — ولہٗ — جیسے کوئی گناہ کئے جا رہا ہوں میں

پیامبر

بادِ صبا چو بگذری بر سرِ کوئے آں پری — حافظ — قصۂ حافظش بگو تازہ بتازہ نو بہ نو

فغاں از قاصدانِ بے تصرف ——— ز خود یکبار پیغامے نسازند

اے صبا از حسنِ آدابِ رسالت واقفی ——— عرض کن وقتِ مناسب دیدۂ اظہار مرا

گر توانی اے صبا کن گذرے در کوئے او — شعورہ — دولت خواہد ببر از ما سلامے سوئے او

آں زماں کانجا رسی آہستہ باش و دم مزن — تا نشور د خوابِ خوش بر نرگس جادوئے او

حلقۂ زلفش مجنباں جز بہ انگشتِ ادب — ہاں ہاں ترکی مکن با طرّہ گیسوئے او

نرم نرم آں برقعہ مشکیں بر انداز رُخش — ور گمانِ بد نداری بوسہ زن بر روئے او

نے غلط گفتم من ایں طاقت ندارم زینہار — گر رسولِ خاص باشی تیز منگر سوئے او

قاصد رقیب بود و من غافل از فریب ——— بیدرد مدعائے خود اندر میانہ ساخت

رحم است بر کسے کہ دراں کوئے میرود — شیفتہ — در دست نامۂ من و بر لب سلامِ ما

میرا پیغامِ وصل اے قاصد — مضمون — کہیو سب سے اُسے جدا کر کے

خط دیجیو چھپا کے ملیں وہ اگر کہیں — فغاں — لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں

یہی پیغام درد کا کہنا — میر درد — گر صبا کوئے یار میں گذرے

کون سی رات آن ملئے گا — دن بہت انتظار میں گذرے

حال اسے قاصد میرا جو کچھ کہ تو جاتا ہے دیکھ
اِس طرح سے اُس سے مت کہیو کہ وہ محجوب ہو
— میر باقر حزیں

قاصد تو لئے جاتا ہے پیغام ہمارا — نواب آصف الدولہ — ڈرتے ہوئے لیجیو واں نام ہمارا

پیامبر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا — آتش (آصف) — زبان غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے

اے پیک تیز رو تجھے اللہ کی قسم — دینا خطِ مریض مسیحا کے ہاتھ میں

دیکھینگے گر رقیب تو پرزے اڑائینگے (قاصد) — ہرگز نہ دینگے اُس بتِ رعنا کے ہاتھ میں

اُس کو یقین ہے کہ میں زندہ نہ پاؤں گا — احسان — مڑ مڑ کے دیکھتا ہے مرا نامہ بر مجھے

دیا ہے دل اگر اُس کو بشر ہے کیا کہئے — غالب — ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہئے

صبا تو اُن سے یہ کہنا مرے سلام کے بعد — آسی غازیپوری — کہ اُن کے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

حضرت آسی اللہ والوں میں سے تھے، اُن کا کلام شاہد ہے، مولوی شعیب صاحب مرحوم اُن کے مرید تھے، اکثر بڑے لُطف کے ساتھ فرماتے تھے، ایک دفعہ یہ شعر میں نے حضرت کو سُنایا، پوچھا کس کا شعر ہے، میں نے عرض کیا حضرت ہی کا ہے، فرمایا بھئی شعر یوں پڑھو: ؎

صبا تو اُن سے یہ کہنا مرے سلام کے ساتھ — کہ اُن کے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے ساتھ

اس مختصر سی ترمیم نے شعر کو کس قدر بلند کر دیا، صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں کہ سلام دربارِ رسالت میں پہونچایا جا رہا تھا،

نہ کہتے ہوئے اُن سے سب حال کہہ دے ـــــ میں ایسا کوئی نامہ بر چاہتا ہوں

کوئی نام و نشان پوچھے تو اے قاصد بتا دینا — داغ — تخلص داغ ہے اور عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

کہاں سے لائیگا قاصد بیاں میرا زباں میری — ولہٗ — مزہ جب تھا کہ خود سنتے وہ مجھ سے داستاں میری

یہ جا کر پوچھ آ تو اُن سے قاصد — ولہٗ — کہ وہ خانہ خراب آئے نہ آئے

اس پتے سے پوچھنا قاصد مرے دلدار کو — ولہٗ — چشم نرگس، چال متوالی شباب آنے کو ہے

نامہ بر یہ آخری پیغام ہے   باغ سنبھلی   بس یہی کہنا کہ صبح و شام ہے

رو کے اُس شوخ سے قاصد مرا رونا کہنا ——— ہنس پڑے اس پہ تو پھر حرفِ تمنا کہنا

لے تو چلا ہے قاصدِ ناداں پیامِ وصل ——— میں شرط باندھتا ہوں جو بے آبرو نہ ہو

کر کانپت پتیاں لکھت جل بھر آوے نین ——— کورو کاگج ہاتھ میں دے کے کہیو بین
ہاتھ   خط

کاگا نین نکاس دوں پیا پاس لے جائے ——— پہلے درس دکھائے کے پاچھے لیجو کھائے
کوا   آنکھ

انجامِ خط

بر دیگراں نوشت بسے نامۂ وفا ——— بر حاشیہ سلام ہم از من دریغ داشت

خط پڑھ کے اور بھی وہ ہوا پیچ و تاب میں   ذوق   کیا جانے لکھ دیا اُسے کیا اضطراب میں

صدقے جاؤں میں ترے اس ناز کے انداز کے ——— خط مرا دیکھا، اُٹھایا، مُسکرا کر رکھ دیا

خط کے پرزے کبوتروں کے پر ——— اُڑتے آتے ہیں کچھ بگولوں میں

واپسی پیامبر

اے صبا رازیکہ داری در سرِ یارے بگو   مولانا روم   ورنہ گوئی با کسے با عاشقاں بارے بگو

قصہ کُن در گوشِ ما گر دیگراں نامحرم اند ——— بادلِ پُرخونِ ما پیغامِ دلدارے بگو

ہم بجانِ سرِ جاناں کہ کم و بیش مگو   خسرو   گو ہمیں یک سخنے راست کہ جاناں چو نیست

قاصد آمد گفتمش آں ماہِ سیمیں بر چہ گفت ——— گفت با ہجراں بساز و گفتمش دیگر چہ گفت

گفت دیگر نگزرد و در خاطرش یادِ کسے ——— گفتمش دیگر بگو گفتا مگو دیگر چہ گفت

یہ قطعہ آٹھ شعروں کا ہے، یہاں صرف دو شعر درج کیے جا رہے ہیں،

بسکہ خوشنود می آید بسویم قاصدش گویا — میلی — کہ غیر از نامہ حرفے از زبان یار ہم دارد
قاصد رسید، نامہ رسید و خبر رسید —— در حیرتم کہ جاں بکدامے کنم نثار
اتنا تو نامہ بر سے نہ ہونا ہیں شرمسار — نظیر اکبرآبادی — اے کاش بھیجتا وہ بُرا یا بھلا جواب
ہم بزمِیِ دشمن کا چھپانا ہی تھا قاصد — نزاکت — کہتا ہے کسی سے کوئی ناداں خبر ایسی

جوابِ خط

عنایت نامہ را چوں برکشادم —— گہے بر دیدہ گہ بر سر نہادم
نمیدانم حدیثِ نامہ چوں است — سعدی — ہمیں بینم کہ عنوانش بخون است
دل تو نے عبث لکھا تھا نامہ — سودا — جو اُس نے دیا جواب دیکھا
کیا تو نے لکھا تھا کہ تیرے خط کے تئیں دیکھ — میر شبیر علی افسوس — آنسو لگے افسوس کی آنکھوں سے ٹپکنے
کانٹوں میں نہ ہو اگر اُلجھنا — پنڈت دیا شنکر نسیم — تھوڑا لکھا بہت سمجھنا
پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا — غالب — جاں نذرِ دلفریبیِٔ عنواں کئے ہوئے
کیسی حیا، کہاں کی وفا، پاسِ خلق کیا — انور — ہاں یہ سہی کہ آپ کو آنا یہاں نہ تھا
خط وہ بھیجے رقیب کا لکھا —— یہ بھی اپنے نصیب کا لکھا
خط کسی کا جب سے آیا ہے ہیں ہوں اس شغل میں — جلال — گاہ پڑھنے کو اُٹھایا گاہ پڑھ کر رکھ دیا
خط آنے لگے شکوہ آمیز اُن کے — حالی — ملاپ اُن سے گویا ہوا چاہتا ہے

وعدہ

رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند — حافظ — چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

وعدۂ وصل بہ فردا نہی ومی ۔ نی ——— ہر کہ امروز ترا دید بفردا نہ رسد

بیم از وفا مدار وبدہ وعدۂ کہ من ملّا پیامی از ذوق وعدۂ تو بفردا نمی رسم

چوں وعدۂ دیدار تو افتاد بہ محشر زیب النسا کارم ہمہ افتاد بہ فردائے قیامت

ہر روز قیامت گذرد بر دلِ مخفی تا چند تواں وعدہ بہ فردائے قیامت

اے جانِ سراج آج دکھا تو درس اپنا سراج ہے وعدۂ فردا مجھے فردائے قیامت

اُس کے ایفائے عہد تک نہ جیئے میر عمر نے ہم سے بیوفائی کی

وعدہ پہ تم نہ آئے تو ہم کچھ نہ مر گئے رند کہنے کو بات رہ گئی دن تو گذر گئے

ابھی کہوں تو کریں لوگ شرمسار مجھے شیفتہ کہ کس کے وعدے پہ اتنا ہے اعتبار مجھے

کل کا وعدہ کیا پھر اُس نے نظام نظام ایک دن اور بھی جیئے ہی بنی

ایفائے وعدہ آپ سے اے یار ہو چکا ——— اس کا تو امتحان کئی بار ہو چکا

ترے وعدے کو بُتِ حیلہ جو نہ قرار ہے نہ قیام ہے

داغ کبھی شام ہے کبھی صبح ہے کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

تسلیم کس کے واسطے بیٹھے ہو گھر چلو تسلیم کیا اعتبار وعدۂ بے اعتبار کا

وہ اُمید کیا جس کی ہو انتہا حالی وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا

فریبِ وعدۂ دلدار کی قدر ولہٗ شہیدِ خنجرِ انکار سے پوچھ

یقین اُس کے وعدے پہ لانا پڑیگا آہی یہ دھوکا تو دانستہ کھانا پڑیگا

آتے آتے وہ ترے لب پہ تبسم بن جائے ریاض اس ادا سے کبھی ہم سے بھی ہو پیماں کوئی

جھوٹے وعدوں پر تھی اپنی زندگی عزیز اب تو وہ بھی آسرا جاتا رہا

میرے اصرارِ پیہم سے عیاں ہے میری بیتابی حسرت ترے اقرارِ آساں سے ترا انکار پیدا ہے

مبارک ہو مجھے موقع فریبِ تازہ کھانے کا وحشت کیا ہے پھر مرے پیماں شکن نے وعدہ آنے کا

دل آزاری کی لذت کے لئے دل رکھ بھی لیتے ہیں
ستمگر وعدہ کر لے پھر تری مرضی مکر جانا آثر لکھنوی

صاحبزادہ عبدالشکور خان صاحب شکور

آپ وعدہ پر نہ آتے یہ مجھے منظور تھا آپ کو وعدے پہ دشمن کی قسم کھانی نہ تھی
وفائے وعدہ نہیں وعدۂ دگر بھی نہیں فیض وہ مجھ سے روٹھتے تھے لیکن اس قدر بھی نہیں

انتظار

عزمِ دیدارِ تو دارد جان بر لب آمدہ حافظ باز گردد یا بر آید چیست فرمانِ شما
چشم بر راہِ تو داریم شد ایامے چند مرزا کامران وقت آں شد کہ نہی جانبِ ما گامے چند
اگرچہ وعدۂ خوباں وفا نمی دارد ـــــ خوش آں حیات کہ در انتظار می گذرد
شبم بگریہ و روزم در انتظار گذشت ـــــ خوشم کہ روز و شبِ من بفکرِ یار گذشت
دیدۂ انتظار را دامِ امید کردہ ام بیدل اے قدمت بچشم من خانہ سفید کردہ ام
مہتاب و شراب و انتظارت مظہر جان جاناں ایں روزِ قیامت است شب نیست
بہ شغلِ انتظارِ مہوشاں در خلوتِ شبہا غالب سرِ تارِ نظر شد رشتۂ تسبیح کوکبہا
تیز یوں ہی نہ تھی شب آتشِ شوق میر تھی خبر گرم اُن کے آنے کی
کون سی رات آن ملئے گا میر درد دن بہت انتظار کے گذرے
آنکھیں سحر تلک مری در سے لگی رہیں لالہ بیکا رام تسلی کیا پوچھتے ہو حالِ شبِ انتظار کا
یاں انتظار ہی میں کٹی میری ساری رات تسکین واں وعدہ کیا کیا تھا اسے یاد بھی نہیں

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا غالب اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

واکردہ چشمِ دل صفتِ نقشِ پا ہوں میں امیر ہر رہگذر میں راہ تری دیکھتا ہوں میں

تھک گئے ہم کرتے کرتے انتظار ——— اک قیامت ان کا آنا ہو گیا

ترا راستہ شام سے تکتے تکتے ——— مری آس ٹوٹی سحر ہوتے ہوتے

کیا حسرت سے رخصت صبح کے تاروں کو یہ کہ کر

کہ جس کا شام سے تھا آسرا اب تک نہیں آیا ریاض

تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی ——— ہاں مگر چین سے بسر نہ ہوئی

یارب یہ سچ ہے بات کہ محشر کی صبح سے ——— دامن ملا ہوا ہے شبِ انتظار کا

آدھی سے زیادہ شبِ غم کاٹ چکا ہوں ثاقب لکھنوی اب بھی اگر آجاؤ تو یہ رات بڑی ہے

کرتا ہوں یاد شام سے ابروئے یار کو جلیل خنجر سے کاٹتا ہوں شبِ انتظار کو

اب تو اُٹھ سکتا نہیں آنکھوں سے بارِ انتظار حسرت کس طرح کاٹے کوئی لیل و نہارِ انتظار

اُن کی اُلفت کا یقیں ہو اُن کے آنے کی امید ہوں یہ دونوں صورتیں تب ہے بہارِ انتظار

اُن کے خط کی آرزو ہے اُن کے آنے کا خیال کس قدر پھیلا ہوا ہے کاروبارِ انتظار

اُن کی آمد کا بھروسہ ہو نہ ہو وحشت راہ اُن کی ہم مگر دیکھا کریں

تمام عمر اثر جس کی راہ دیکھی تھی اثر لکھنوی اِدھر سے آج وہ گذرا تو مثلِ بیگانہ

کچھ روز یہ بھی رنگ رہا انتظار کا ولہٗ آنکھ اُٹھ گئی جدھر بس اُدھر دیکھتے رہے

اس کے وعدے کو ہو گئے برسوں مرزا فرحت اللہ بیگ اور مجھے انتظار ہے اب تک

اپنے کمالِ شوق پہ حشر کا دن ہے منحصر فانی وعدۂ دید چاہیے زحمتِ انتظار کیا

میں ہوں رہینِ انتظار آئیے یا نہ آئیے ولہٗ اپنے یقین کو کیا کروں آپ کی ہاں نہیں سہی

کھنچی ہے سامنے تصویرِ یار کیا کہنا — جگر مرادآبادی — نظر ہے وقفِ غمِ انتظار کیا کہنا

حریمِ حُسن کے پردے اُٹھے ہوئے ہیں جگر — یہی اگر ہے غمِ انتظار کیا کہنا

کوئی آتا نظر نہیں آتا — امجد — ہو گئی ختم انتظار میں عمر

وہ گھر سے چل چکے ہیں آ رہے ہیں — بسمل الہ آبادی — ہم اپنے دل کو یوں بہلا رہے ہیں

وہ گھڑی بھی عجیب تھی صبا — مشرف بی فلیس جو گھڑی انتظار میں گذری

محملِ یار

ناقہ را می راند لیلیٰ سوئے خلوت گاہ ناز ——— ساربان در رہ حُدی می خواند و مجنوں می گریست

ناتوانِ قیس نازنینِ لیلیٰ — بیباک — کون پردہ اُٹھائے محمل کا

دیکھ لیتی جو اُٹھا کر ترے کیا ٹوٹے ہاتھ — شاہ نصیر — لیلیٰ اتنا تو نہ تھا پردۂ محمل بھاری

کیوں روکتا ہے اس میں ضرر کیا ہے پاسباں — شیفتہ — دیوانہ اک اگر پسِ محمل لگا چلے

اک ذرا پردۂ محمل کو اٹھا دے لیلیٰ — امیر — پھر کوئی حالتِ بینائیِ مجنوں دیکھے

ساتھ ناقہ کے دیکھ تو لیلیٰ — جلیل — کوئی مثلِ غبار آتا ہے

آمدِ یار

شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ

مسلمانان دلِ و دین را نگہدارید چوں تیغی — کہ می گویند باز آں دلبرِ عیار می آید

رواقِ منظرِ چشمِ من آشیانۂ تست — حافظ — کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

مسیحا یار و خضرش رہنما و ہم عناں یوسف — قاآنی — قاآنی آفتابِ من بدیں اعجاز می آید

ایک دفعہ یہ شعر کسی نے شہنشاہ اکبر کو سنایا، شہنشاہ نے دوسرے مصرعے پر برجستہ اصلاح دی اور کہا کہ بجائے "آفتاب" کے "شہسوار" ہونا چاہیئے،

خیز اے ہمدم کہ افتاد آتشے در خانہ ام — ہمدمی — جامہ گلگونے در آمد مست در کاشانہ ام

چو آفتاب بر آمد چراغ راچہ کنم —— نمود روے تو گلہائے باغ راچہ کنم

رخصت اے تقوی کہ یار آید بسامانے دگر — فرد — لغزشِ مستانہ در رفتار و جامِ مے بکف

عطا پر عطا ہے کرم پر کرم — میر — کئی بار آیا اِدھر لطف سے

بے خبر آصف وہ آجائے ادھر جب کیا کروں — نواب آصف الدولہ آصف — جانؔ و دل نیار میں رکھوں نثار اُس کا ولے

لایا ہوں اپنے گھر اُسے قول و قسم کے ساتھ — مصحفی — اے فرطِ شوق تو مجھے رسوا نہ کیجیو

گدا کے گھر بھی کہیں بادشاہ آتا ہے — ولہ — کب اِس طرف وہ بُتِ کج کلاہ آتا ہے

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے — پنڈت دیا شنکر نسیم — لائے اُس بُت کو التجا کر کے

مرے دل میں تھا کہ کہوں گا میں جو یہ دل پہ رنج و ملال ہے
وہ جب آگیا مرے سامنے تو نہ رنج تھا نہ ملال تھا — ظفر

کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں — غالب — وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے

میں گُل بچھاؤں کہ کلیاں بچھاؤں بستر پر — عارف — وہ جلد آئینگے یا دیر میں خدا جانے

یہ مجمع پریشاں ہوا چاہتا ہے — سالک — وہ زیبِ شبستاں ہوا چاہتا ہے
گلستاں گلستاں ہوا چاہتا ہے — خراماں خراماں چلے آئے ہیں وہ

غیر کے گھر سے یار آتا ہے — آتشی — غصہ آتا ہے پیار آتا ہے

ہر قدم اُٹھتا ہے سو سو ناز سے — میر مجروح — وہ یہاں آتے ہیں کس انداز سے

حسرتوں کا ہجوم ہے دل میں —— تیرے آنے کی دھوم ہے دل میں

کل وہ آئے خُدا خُدا کر کے ــــــ ابتدا کی تو انتہا کر کے

وہ آئے خندہ پیشانی کہیں سے داغ تبسم ہے عیاں چین جبیں سے

وہ اور میرے گھر میں چلے آئیں خود بخود منّی بائی حجاب سر پر مرے حجاب مگر آسماں نہیں

کدھر سجدہ کروں کعبہ کدھر ہے جلیل زہے قسمت وہ آئے میرے گھر آج

تمام عمر اثر جس کی راہ دیکھی تھی اثر لکھنوی اِدھر سے آج وہ گذرا تو مثلِ بیگانہ

اس شعر میں عاشق کی نامرادی اور معشوق کا تغافل چند الفاظ میں بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، عرصہ ہوا یہ شعر راقم الحروف نے مرزا ثاقب مرحوم کو سُنایا تو اُنھوں نے اس کی داد دی،

کہیں شرما کے وہ نہ پھر جائیں بیدل ہم نظر سوئے در کریں کیونکر

خراماں خراماں معطّر معطّر ساغر نظامی نسیم آرہی ہے کہ وہ آرہے ہیں

دل کی دھڑکن آج سوا ہے فضلی شاید ہے وہ آنے والا

لبوں پر تبسم نگاہوں میں مستی خمار اداؤں کے جھرمٹ میں وہ آرہے ہیں

ساجن آویں اے سکھی توڑوں نو سر ہار
نو لڑی والا ہار
سب جائیں موتی چُگے جُھک جُھک کروں جہار
جُھک جُھک کر پاؤں پڑوں

مکانِ عاشق

عجب کہ شمع شبے در سرائے من سوزد اہلی من آں نیم کہ کسے از برائے من سوزد

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی غالب آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے ولہٗ دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

جائیں وحشت میں سوئے صحرا کیوں　ولہٗ　کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق　ولہٗ　نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالبؔ　ولہٗ　ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

فوقِ ظلمات پہ ہے میرے سیہ خانے کو　آرزو لکھنوی　شمع ہے اور نظر آتی نہیں پروانے کو

حسرتیں دل کی ہوئی جاتی ہیں پامالِ نشاط　حسرت　ہے جو وہ جانِ تمنا رونقِ کاشانہ آج

اشکِ مژگاں پہ رہ گیا ہوگا　اثر لکھنوی　میرے غمخانے میں چراغ کہاں

اب تک نہ خبر تھی مجھے اُجڑے ہوئے گھر کی　جوش　وہ آئے تو گھر بے سر و ساماں نظر آیا

مہمان عاشق

گر بر سر و چشمِ من نشینی　سعدی　نازت بکشم کہ نازنینی

رشکِ خورشید میہمان من است　سلیمان　آسماں رتبہ آستان من است

برسوں میں کبھی ایدھر تم ناز سے آتے ہو　میر　پھر برسوں تئیں پیارے دل سے نہیں جاتے ہو

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے　غالب　کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

کدھر کا چاند ہوا مہر کے جو گھر آئے　مہر　تم آج بھول پڑے کس طرف کدھر آئے

یوں ہی کچھ دل میں آگیا ہوگا　مجروح　ورنہ میرے بٹھائے بیٹھے ہیں

بات کرنے میں گذرتی ہے ملاقات کی رات　بیخود دہلوی　بات ہی کیا ہے جو رہ جاؤ یہیں رات کی رات

اُن کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں　حالی　دیکھئے آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

علی گڈھ کالج میں داؤد نامی ایک طالب علم تھا، شاعری سے اُسے طبعی مناسبت تھی،
اُس نے خواجہ حالی کی غزل تضمین کی، مقطع کی تضمین کچھ ایسی برجستہ اور چسپاں ہوئی،

کہ مقطع خواجہ صاحب کا نہ رہا، داؤد کا ہوگیا، تضمین ملاحظہ ہو: ــــ

جب کسی کام کا کرتا ہے ارادہ انساں
دیکھ لیتا ہے کہ اس کام کے ہے بھی شایاں

سُن کے لوگوں سے کہ کل آئے تھے داؤد کے یاں
اُن کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں

دیکھئے آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

چند روز بعد خواجہ صاحب علی گڈھ آئے، چونکہ مقطع کی تضمین میں شوخی سے کام لیا گیا تھا اور ایک طرح کا گستاخانہ پہلو نکلتا تھا، داؤد نے اپنے دوستوں سے تاکید کر دی تھی کہ اس تضمین کا ذکر خواجہ صاحب سے نہ کریں، لیکن کسی نے ذکر کر دیا، خواجہ صاحب کو جوں ہی یہ بات معلوم ہوئی، بہت خوش ہوئے اور اصرار کرکے داؤد کو بلوایا اور مجبور کیا کہ تضمین سنائے، پھر تعریف کی اور اُس کا دل بڑھایا، یہی نہیں دیوان حالی کی ایک جلد عطا فرمایا، افسوس داؤد کا انتقال جوانی ہی میں ہوگیا،

بدگمانی نہ کرو آج یہیں رہ جاؤ
آسی غازیپوری
رات اندھیری بھی ہے بادل بھی ہے گھر دور بھی ہے

بعد مدت کے ملی ہے یہ ملاقات کی رات
جگر گورکھپوری
اب کہاں جاؤ گے رہ جاؤ یہیں رات کی رات

آپ آئیں تو نہیں روکنے والا کوئی
آپ چاہیں تو ہے ہر روز ملاقات کی رات

تو کہاں یہ غریب خانہ کہاں
جگر مرادآبادی
وہم ہے یا گماں ہے پیارے

پیہم ہجومِ یاس سے آتا نہیں یقین
ولہٗ
تم میرے سامنے ہو کہ دھوکا نظر کا ہے

اب شام مری شامِ سحر میری سحر ہے
اثر صہبائی
معمور ترے حسن سے دامانِ نظر ہے

محفلِ عاشق

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا
میر
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

کل شب کو بے نقاب جو محفل میں آ گئے ـــ وحید ـــ اللہ رے نور شمع کو پروانہ کر دیا

یہ چرچے یہ صحبت یہ عالم کہاں ـــ امیر ـــ خدا جانے کل تم کہاں ہم کہاں

تمہیں انصاف سے کہہ دو یہ آنا کوئی آنا ہے

نہ کچھ کہنا نہ کچھ سننا اِدھر آنا اُدھر جانا ـــ اثر لکھنوی

مُنہ چھپائے ہوئے بیٹھو نہ مری بزم میں تم ـــ لوگ سمجھینگے کہ ناخواندہ ہے مہمان کوئی

دیدنی تھا میری محفل کا سماں کل رات کو ـــ جوش ـــ مہرباں تھا وہ بتِ نامہرباں کل رات کو

دستِ رنگیں میں تھا جامِ زرفشاں کل رات کو ـــ گر رہی تھیں بجلیوں پر بجلیاں کل رات کو

لوٹتی تھی کس تکلف سے ہوا کے دوش پر ـــ چاندنی میں کاکلِ عنبر فشاں کل رات کو

کاکلیں لہرا رہی تھیں روئے عالمتاب پر ـــ سنبلستاں کا تھا گُل پر سائباں کل رات کو

رخصتِ یار

دلے از سنگ بباید بہ سرِ راہ وداع ـــ سعدی ـــ کہ تحمّل کند آں لحظہ کہ جاناں برود

گرچہ آرام از دلِ من میرود ـــ ولہٗ ـــ ہم چنیں می رو کہ زیبا میروی

کس بہ ایں شوخی و رعنائی نہ رفت ـــ ہم چنینی یالعمدا میروی

دیدۂ سعدی و دل ہمراہِ تست ـــ تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

ابر و باران و من و یار ستادہ بوداع ـــ خسرو ـــ من جُدا گریہ کناں ابر جُدا یار جُدا

می روی و گریہ می آید مرا ـــ ولہٗ ـــ ساعتے بنشیں کہ باراں بگذرد

من نمی گویم گُل و باغ و بہار از دست رفت

یک بہشتِ آرزو یعنی کہ یار از دست رفت ـــ امید

تو عزمِ سفر کردی رفتی ز برِ من ـــ بستی کمرِ خویش شکستی کمرِ من

خاطرِ آباد ویراں کرد و رفت میر غلام علی آزاد شہر را بر من بیاباں کرد و رفت

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے یکرنگ میرا صبر و قرار جاتا ہے

جاتا ہے یار کچھ تو بیاں منہ سے بول لے بیان اے بے نصیب مانع گفتار کون ہے

آئے تو ولے آن کے اک آن نہ ٹھہرے تنہا میں کتنا کہا وہ کسی عنوان نہ ٹھہرے

اس کے اُٹھتے ہی جی پہ آن بنی افسوس دیکھیے آگے آگے کیا ہووے

سحر اُن کا ارادہ ہے سفر کا شیفتہ قیامت آنے میں شب درمیاں ہے

جرأت بھی دشتِ شوق کی ٹھہرا کے رہ گئی رشید دامن کچھ اس ادا سے چھڑا کے چلے گئے

نہیں بھولتا اُن کی رخصت کا وقت حالی وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا

سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا

اُس کے جاتے ہی ہوئی کیا مرے گھر کی صورت ولی وہ نہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

وقتِ رخصت تسلیاں دے کر دل شاہجہانپوری اور بھی تم نے بے قرار کیا

اُن کی رخصت کا دن تو یاد نہیں —— یوں سمجھیے کہ روزِ محشر تھا

دل پر رہیں گی نقش یہ بے مہریاں تری مائل دہلوی جانا اور اس طرح سے کہ مُڑ کر نہ دیکھنا

نہ بھولے گا وہ وقتِ رخصت کسی کا حسرت مجھے مُڑ کے پھر اک نظر دیکھ لینا

گئے ہیں جب سے وہ اپنے بھی آئے غیر بھی آئے
ناطق گلاوٹھی
سب آئے بھی گئے بھی گھر کی ویرانی نہیں جاتی

وقتِ رخصت اُن کو تا حدِ نظر دیکھا کئے —— جس طرف دیکھا نہ جاتا تھا اُدھر دیکھا کئے

پھر نہ آئے جو وعدہ کر کے گئے اثر لکھنوی آج کا دن ہے اور وہ دن ہے

اُن کے جاتے ہی یہ حیرت چھا گئی جگر مرادآبادی جس طرف دیکھا کیا دیکھا کیا

اُف یہ کہنا جا رہے ہیں اب آئینگے کبھی — فراقؔ گورکھپوری — روٹھنے میں بھی ادائے عہد و پیماں دیکھئے

کون دے دے نہ اِس ادا پر جان — نشترؔ خانقاہی — وقتِ رخصت سلام ارے توبہ

وقتِ رخصت یاد ہے اُن کا ہمیں اب تک شمیمؔ — شمیمؔ — آنکھ میں آنسو بھرے آواز بھرّائی ہوئی

نہیں بھولتا مست کہنا کسی کا — مستؔ بنارسی — ہمیں روز اک خط لکھا کیجیے گا

سجن سکارے جائینگے کہ نین مرینگے روے — ـــــــ — بدھنا ایسی رین کر کہ بھور کبھو نا ہوئے

صبح

عاشق کا دیارِ یار کی طرف روانہ ہونا

اے نسیمِ سحر آرامگہِ یار کجاست — حافظؔ — منزلِ آں مہِ عاشق کُش و عیار کجاست

شکوۂ آبلہ ابھی سے میرؔ — میرؔ — ہے پیارے ہنوز دلّی دور

چلا ہے اوّلِ راحت طلب کیا شادماں ہو کر — وزیرؔ — زمینِ کوئے جاناں رنج دیگی آسماں ہو کر

وائے دیوانگیٔ شوق کہ ہر دم مجھ کو — غالبؔ — آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا

آج ہم اپنی پریشانیٔ خاطر اُن سے — ولہٗ — کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

بے وہاں جائے بھلا ہم سے رہا جائے کہاں — نظامؔ — دل سے اُس بزم میں جانے کا مزہ جائے کہاں

جاتا تو اس کے کوچے میں ہے بار بار دل — ـــــــ — کھلئے نہ چوٹ یاس کی پروردگار دل

اللہ کس قدر رہِ مقصود دور ہے — ـــــــ — پیکِ خیال راہ میں تھک تھک کے رہ گیا

قاصد

قدم کیا خاک اُٹھتے قیس کے بیچارہ حیراں تھا
کہ ہر ذرّہ غبارِ نجد کا تصویرِ جاناں تھا

کتنے کعبے ملے رستے میں کئی طور ملے
ان مقامات سے ہم کو وہ بہت دور ملے — ریاضؔ

شہر یار

خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہر شما | خسرو | باشد کہ از بہر خدا سوے غریباں بنگری

کہ در شہر شما رسوائے الفت را نمی دانند | وحشت | من آں کس را نمی دانم کہ وحشت را نمی داند

اک خلش ہوتی ہے محسوس رگِ جاں کے قریب | حسرت | آن پہونچے ہیں مگر منزلِ جاناں کے قریب

رہگذرِ یار

ز تو بود چشم آنم کہ نظر کنی نہ کردی | ایجاد | بہ رہ تو خاک گشتم کہ گذر کنی نہ کردی

آج اِس راہ دل رُبا گذرا | میر سوز | دل پہ کیا جانئے کہ کیا گذرا

زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی | غالب | کیوں ترا راہگذر یاد آیا

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں | ولہ | بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم کوئی ہمیں اُٹھائے کیوں

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار | ولہ | اے کاش جانتا نہ تری رہگذر کو میں

اُن کی محفل میں کہاں ہم سے غریبوں کا گذر | ناز | دیکھ لیتے ہیں مگر راہ میں آتے جاتے

دلچسپ ہو گئی ترے چلنے سے رہگذر | جلیل | اُٹھ اُٹھ کے گردِ راہ لپٹتی ہے راہ سے

آستاں بوسیِ دلدار نہیں قسمت میں | اثر لکھنوی | آؤ اک سجدۂ سرِ راہگذر ہو جائے

میر عثمان علی خان نظام دکن

تھوڑی سی اگر خاک ترے راہگذر کی

مل جاتی تو بن جاتی دوا دردِ جگر کی

کوچۂ یار

مستِ آں ذوقم کہ شب در کوے خویشم دید و گفت
کیست ایں ؟ گفتند مسکینے گدائی میکند — خسرو

ذرۂ خاکم و در کوئے توام وقتِ خوش است — حافظ — ترسم اے دوست کہ بادے ببرد ناگاہم
پایم بہ پیش از سرِ ایں کو نمی رود — نظیری — یاراں خبر کنید کہ ایں جلوہ گاہ کیست
شادم کہ داغم سگِ کوے تو میکشد — عشقی کاشی — ویں شادیِ دگر کہ بسوئے تو میکشد
دیوانگی و مستی از بوئے تو می خیزد — آفرین لاہوری — ہر فتنہ کہ می خیزد از کوئے تو می خیزد
زائری بہرِ طوافِ حرمِ کوے کسے — زائری — صبح خیزی ز نسیمِ سحر آموختہ ام
سخن ز روضۂ رضواں بکوے یار کشد — غالب — چو جادۂ کہ ز صحرا بہ لالہ زار کشد

وہ تیری گلی کی قیامتیں کہ لحد سے مُردے نکل پڑے
یہ میری جبینِ نیاز تھی کہ جہاں دھری تھی دھری رہی — سراج

کل عجب طرح سے تڑپے تھا ترے کوچے میں — احسن — دیکھ کر حال کے احسن کو بھر آئیں آنکھیں
ہر قدم کوئے بُتاں کارگہِ مینا ہے — قائم — دیکھ بچ بچ کے سنبھالے ہوئے ہشاری سے
بوئے گل، بادِ صبا کوچے کو کس کے یارب — سودا — دوڑے ہیں دونوں ہم باندھ کے دامن دامن
نسیم بھی ترے کوچے میں ہے صبا بھی ہے — ولہ — ہماری خاک سے کچھ دیکھیو رہا بھی ہے
عمر بھر کوچۂ دلدار سے جایا نہ گیا — میر — اُس کی دیوار کا سر سے میرے سایہ نہ گیا
چلا نہ اُٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو میر — ولہ — ابھی تو اُس کی گلی سے پکار لایا ہوں
اُس کے کوچے میں نہ کر شورِ قیامت کا ذکر — ولہ — شیخ یاں ایسے تو ہنگامے ہوا کرتے ہیں

بہت آرزو تھی گلی کی تیری ولہٗ سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے

کل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے ننگِ خلق ضیاؔ اس کے کوچے ضیاؔ تو آج پھر جانے لگا

کل میں پوچھا یہ ضیاؔ سے دل کو کیدھر کھو دیا ولہٗ اُن نے کوچے کو ترے بتلا کے ٹپ ٹپ رو دیا

اس کے کوچے کی طرف میں تو نہ جاؤں سرسبزؔ سرسبزؔ کششِ دل ہے کہ کھینچے لئے جاتی ہے مجھے

دن میں سو سو بار کوچے میں ترے آنا مجھے جوششؔ اس میں سودائی کہے کوئی کہ دیوانہ مجھے

بتوں کی گلی میں شب و روز آصفؔ نواب آصف الدولہ آصفؔ تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

تیرے کوچے میں نقشِ پا کی طرح ولہٗ ایسے بیٹھے کہ پھر نہ واں سے اُٹھے

اوّل تو ترے کوچے میں آنا نہیں ملتا مصحفیؔ آؤں تو کہیں تیرا ٹھکانا نہیں ملتا

تو ملے یا نہ ملے اس سے تو کچھ کام نہیں ولہٗ ہم کو کوچے میں تیرے روز میاں ہو جانا

ترے کوچے اس بہانے ہمیں دن سے رات کرنا ولہٗ کبھی اِس سے بات کرنا کبھی اُس سے بات کرنا

گلی کو یار کی سمجھے ہے اپنا وہ کعبہ ولہٗ یہ مصحفیؔ سے نہ پوچھو کدھر ہے سجدہ درست

کبھی در کو تک کے کھڑے رہے کبھی آہ بھر کے چلے گئے
ولہٗ
ترے کوچے میں جو ہم آئے بھی تو ٹھہر ٹھہر کے چلے گئے

نواب مرزا محمد تقی خاں ، ہوسؔ

کبھی دیر میں تھے کسی بت پہ فدا، کبھی کعبے میں کرتے تھے جا کے دعا
ترے کوچے میں بیٹھے تو خوب ہوا کہ کشاکشِ دیر و حرم سے چھٹے

جامِ شرابِ عشق سے دونوں ہیں بے خبر آتشؔ بلبل چمن میں مست ہے ہم کوئے یار میں

کوچۂ یار میں ہم نے تسکینؔ تسکینؔ پاؤں رکھا تھا کہ سر یاد آیا

غدر کے بعد بھی دلّی میں کبھی کبھی مشاعرے ہوا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک مشاعرے

ہیں مرزا غالب بھی تھے اور تسکین بھی، تسکین کے سامنے شمع لائی گئی، اُنھوں نے
وہ غزل پڑھی جس کا مقطع اوپر درج ہے، مقطع پڑھا گیا تو مرزا غالب بے چین ہو
گئے، بے اختیار منہ سے واہ نکلی، تسکین جھک کر آداب بجالائے، مرزا غالب کو
پھر بھی صبر نہ آیا اور کہا کہ اب ہماری غزل کی کیا ضرورت ہے، مرزا غالب کی
غزل کا مقطع ہے ؎

✓ ہم نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

کوچے میں ترے تنہا ہر شب مجھے ہو جانا — ظفرؔ — دو چار گھڑی اپنا دل کھول کے رو جانا
نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن — غالبؔ — بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے
حسرت سے اُس کے کوچے کو کیوں کر نہ دیکھئے — شیفتہؔ — اپنا بھی اس چمن میں کبھی آشیانہ تھا
مٹی خراب ہے ترے کوچے میں ورنہ ہم — انورؔ — اب تک تو جس زمیں پہ رہے آسماں رہے
جب اُس کوچے کی حاصل تھی گدائی — آسیؔ غازیپوری — خداوندِ زمین و آسماں تھے
دنیا سے ہاتھ دھو کے چلے کوئے یار میں — — جائز نہیں طوافِ حرم بے وضو کئے
محو ہیں اپنی جگہ آسودگانِ کوئے دوست — شادؔ عظیم آبادی — آرزو دل میں ہے دل آنکھوں میں آنکھیں سوئے دوست

'اپنی اپنی جگہ' محاورہ ہے، اس لئے پہلا مصرعہ کھٹکتا ہے، دوسرے مصرعے کے
حسنِ تغزّل کا کیا کہنا، اس کی خاطر پہلا مصرعہ بھی لکھنا پڑا،

ذرّہ ذرّہ آفتابِ حشر ہے — ریاضؔ — حشر اچھا وہ گلی اچھی نہیں
گلی سے تری رُک کے بڑھتے ہیں آگے — آرزوؔ لکھنوی — اِدھر آنے والے اُدھر جانے والے
ہوئیں نا کامیاں بدنامیاں رسوائیاں کیا کیا — حسرتؔ — نہ چھوٹی ہم سے لیکن کوئے جاناں کی ہواداری

کوئے جاناں کے تصدق کوئے جاناں اور ہے — ندرت میرٹھی — ہم نے دیکھا ہے کلیسا بھی حرم بھی دیر بھی

مجھ کو یہ حیرت کہ کیونکر شکل پہچانی مری — آسی الدنی — اُن کو یہ غصہ کہ میں اُن کی گلی میں کیوں گیا

کیا ساری زمیں کوچۂ جاناں کی زمیں ہے — ولہٗ — جو ذرّہ ہے اس ذرّہ پہ اک نقش جبیں ہے

گلگوں ہے خاکِ کوچۂ قاتل جگہ جگہ — فانی — اب یادگارِ فانیٔ بسمل ہے اس قدر

اشک بھر آئے آنکھ میں کوچۂ یار دیکھ کر — جگر مرادآبادی — ہائے وہ جوشِ ربط و ضبط ہائے یہ بے تعلّقی

وہ آنکھیں اشکبار اس کی وہ باتیں دلفگار اُسکی — اختر شیرانی — انہی کوچوں میں کل اختر کو رُسوا ہوتے دیکھا تھا

کیا گزری سچ بتاؤ عیاں کوئے یار میں — عیاں — چہرہ اُداس آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے

گلی میں نے کہی تھی تم تو دُنیا چھوڑے جاتے ہو —— جنازہ دیکھ کر میرا وہ کس انداز سے بولے

پاسبان

فرستاد است نزدیکت پیامے — نظامی — دروں شو گو بہ شاہنشہ غلامے

چہ فرمائی بیاید یا نیاید — کہ مہمانے بخدمت می گراید

کہ امشب عاشقاں را حکم بار است — کنور جسونت سنگھ — بگو حاجب بہ آں شمعِ دل افروز

غریبے، بیکسے، پروانہ نامے — برونِ در زِ دیرہ اُمیدوار است

جھک جھک کے سلام ہو رہے ہیں — افسوس — درباں کی خوشامدیں ہیں منظور

وگرنہ خواب کہاں چشمِ پاسباں کے لئے — مومن — ہے اعتماد مرے بختِ خفتہ پہ کیا کیا

ایک روز منشی بہاری لال مشتاق اپنے دوست لالہ رامچند قمر کے ساتھ وحید العصر مفتی صدر الدین خاں آزردہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شعر و شاعری کا ذکر چلا' قمر نے غالب کی نکتہ سنجی اور نازک خیالی کی بہت تعریف کی، مفتی صاحب نے

چین بجبیں ہوکر فرمایا نہایت مشکل کہتا ہے اور پھر زانو پر ہاتھ مار کر شگفتہ جبیں ہوئے اور فرمایا کہ ہائے ! اچھا کہتا ہے تو ایسا کہتا ہے'

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا جو میری شامت آئے   غالب   اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

یہ انتہا ہے کہ سر رکھ دیا ہے قدموں پر   ریاض   کسی طرح نہیں سنتا ہے پاسباں میری

کاشانۂ یار

ہر شب منم فتادہ بگرد سرائے تو   خسرو   ہر روز آہ و نالہ کنم از برائے تو

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے   آتش   زمیں جس کی چہارم آسماں ہے

جتنی عالی ہے ترے قصرِ معلّٰی کی زمیں   آسی الدنی   اتنی ہی سجدوں میں میرے قوتِ پرواز ہے

دیوارِ کاشانہ

سر پھوڑنا وہ غالبِ آشفتہ حال کا   غالب   یاد آگیا مجھے تیری دیوار دیکھ کر

مر گیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی ہے ہے   ولہٗ   بیٹھنا اُس کا وہ آکر تیری دیوار کے پاس

بامِ کاشانہ

بجرمِ عشقِ توام میکشند غوغائیست   مظہر جانجاناں   تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

مدّت سے لگ رہی تھی لبِ بام ٹکٹکی ——— تھک تھک کے گر گئی نگہِ انتظار آج

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس   غالب   زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے

آخرِ شب دید کے قابل ہے بسمل کی تڑپ   اقبال   صبحدم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

یہ ٹکٹکی ہے سوے بام و در جگر کیسی جگر گورکھپوری ادھر تو دیکھیے حضرت کدھر کو دیکھتے ہیں

دربار و آستانِ یار

هر سحر گہ بر درت سر می‌زنم بابا فرید گنج شکر بر طریقِ دوستاں در می‌زنم

از دربار چہ گویم بچہ عنواں رفتم عرفی ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم (نا امیدی)

اے خاکِ درت صندلِ سرگشتہ سراں را نظیری بادا مژہ جاروبِ رہت تاجوراں را

اے ولی غیر آستانۂ یار ولی جبہہ سائی نہ کر خدا سے ڈر

ہمیں بس جا کہ کل غش آ گیا تھا میر وہیں شاید کسی کا آستاں تھا

جہاں سجدے میں ہم نے غش کیا تھا وہیں شاید کہ اُس کا آستاں تھا

سجدہ کرتے ہی سر کٹیں ہیں جہاں ولہ سو تیرا آستاں ہے پیارے

سریرِ سلطنت سے آستانِ یار بہتر ہے یقین ہمیں ظلِ ہما سے سایہ دیوار بہتر ہے

تو در کو شوق سے رکھ بند پر نہ اتنا بھی مصحفی کہ آوے جو کوئی وہ ہو کے بدگماں پھر جائے

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا غالب جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے ولہ آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا

ملا یہ مرتبہ نامِ خدا تجھ کو حسیں ہو کر
فلک کرتا ہے مجرا تیری چوکھٹ کا زمیں ہو کر امیر

کسی در پہ پڑا رو رو کے آسی رات کہتا تھا
کہ آخر میں تمہارا بندہ ہوں تم بندہ پرور ہو آسی غازیپوری

بس اک آستانہ ہے سجدے کے قابل مولانا محمد اسمٰعیل میرٹھی زمانے میں گو آستانے بہت ہیں

جبینِ عجز پہنچی آسماں پر — دل شاہجہانپوری — سر اپنا ہے کسی کے آستاں پر

آستانِ یار سے ہم آج اُٹھ جائینگے کیا — فراق گورکھپوری — یہ نہیں ہوتی تھی حالت جانبِ در دیکھ کر

اللہ رے اضطرابِ جبینِ نیاز کا — احسان اعظم گڑھی — اُس آستاں پہ سجدے کا بھی کچھ رہا نہ ہوش

بیگانہ وار گذرے ہر اک آستاں سے ہم — اثر صہبائی — سجدے کے داغ سے نہ ہوئی آشنا جبیں

اُٹھنے کو اُٹھ تو آئے ترے آستاں سے ہم — مجروح — اب سوچتے ہیں لائینگے تجھ سا کہاں سے ہم

سنگِ آستاں

تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو — غالب — وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا

وہ سنگِ در کہاں یہ ہماری جبیں کہاں — ریاض — مدت ہوئی رسائیِ قسمت کو رو چکے

اُس سنگ آستاں پہ ذرا سر جھکا کے دیکھ — تسکین قریشی — ہے عرش تک بلند مقامِ نیازِ عشق

خاکِ در

لطفہا میکنی اے خاکِ درت تاجِ سرم — حافظ — منکہ باشم کہ بر آں خاطرِ عاطر گذرم

کاش خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا — ظفر — خاکساری کے لئے مجھ کو بنایا تھا اگر

کوئے یار میں عاشق کی صدا

غنیمت است مرا نکہت گلستانش —— کجا نصیب کہ چینم گلے ز بستانش

اُسی خانہ خراب کی سی ہے — میر — میں جو بولا کہا کہ یہ آواز

میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے — میر درد — فقیرانہ آئے صدا کر چلے

یہ تیری خوشی بھیک دے یا نہ دے — تیرے در پہ سائل صدا کر چلے

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب — غالب — تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا — ولہٗ — اور درویش کی صدا کیا ہے

وہ اپنے در کے فقیروں سے پوچھتے بھی نہیں — تعشق — کہ تم لگائے ہوئے کس کی آس بیٹھے ہو

ہاں جلوہ گر ہو تجھ پہ نچھاور کے واسطے — اثر لکھنوی — صبح دمیدہ پھول بھرے ہے کنار میں

اُن کی طرف بھی دیکھ ذرا اے گدا نواز — طالب جے پوری — دامن جو تیرے سامنے پھیلا کے رہ گئے

محفلِ دوست

سوئے اغیار ہمی دید نہانی دیدم — نسبتی — من خجل گشتم و اغیار خجل یار خجل

پس از عمرے کہ در بزمش بصد تقریب بنشینم — سخن از مدعائے من کند تا زود برخیزم

بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغ محفل — بیدل — ہر کہ از بزم تو برخاست پریشاں برخاست

پاس خاطر ہا چہ باشد؟ احتیاطِ شیشہ ہا — بیخبر بلگرامی — درد سر بسیار دارد صاحب محفل شدن

نواب شاہجہان بیگم شاہجہان والیٔ بھوپال

فدائے طالع خویشم شبے در انجمنش — کہ مست بودم و از بیم سخن میرفت

رات محفل میں ترے حسن کے شعلے کے حضور — میر درد — شمع کے رُخ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

شمع کے مانند ہم اس بزم میں — ولہٗ — چشم تر آئے تھے دامن تر چلے

یوں اُٹھے وہ بزم میں تعظیم کو غیروں کی ہائے

جرأت

ہم نشیں تو بیٹھ یاں ہم سے نہ بیٹھا جائے گا

جو کوئی آئے ہے نزدیک ہی بیٹھے ہے ترے — ولہٗ — ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جائیں

ایسی مجلس میں گذر اپنا ہوا ہے کہ جہاں — مصحفی — بات تو کیا کہ اشارات کا مقدور نہیں
کیا قیامت ہے کہ وہ سامنے بیٹھے ہیں مرے — اور مجھے حرف وحکایات کا مقدور نہیں
آگیا محفل میں جب وہ شعلہ رُو — نظیر اکبر آبادی — شمع تو بس ہو گئی جل کر تلف
ساقی بھی یوں جام لے کر رہ گیا — جس طرح تصویر ہو ساغر بکف
بزم میں اس کی نہ ہنستے ہیں نہ رو سکتے ہیں — افسوس — چپکے بیٹھے ہوئے ہر ایک کا منہ تکتے ہیں
آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ بھی کھڑے ہوئے — آتش — میں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا
کوئی تو ہے گُل چہرہ کوئی سروِ رواں ہے — عشقی — دیکھا تو یہاں ایک سے ایک آفتِ جاں ہے
دئے ساقی نے مجھ کو چند جام آہستہ آہستہ — ہوئی یہ بزمِ مے مجھ پر تمام آہستہ آہستہ
یہ نہ جانا تھا کہ اس محفل میں دل رہ جائیگا — ممنون — ہم یہ سمجھے تھے چلے آئینگے دم بھر دیکھ کر
آپ کی کون سی بڑھی عزت — مومن — میں اگر بزم میں ذلیل ہوا
محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے — ولہٗ — منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو
ہم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو دیکھتے ہیں — ذوق — وہ پہلے بزم میں دیکھیں کدھر کو دیکھتے ہیں
وہ دیکھیں بزم میں پہلے کدھر کو دیکھتے ہیں — محبت آج ترے ہم اثر کو دیکھتے ہیں
بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی — ظفر — جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی
گر نہیں ہے ربط کچھ باہم تو پھر محفل میں شب — ولہٗ — تم اُنھیں اور وہ تمہیں کیوں اے ظفر دیکھا کئے
بوئے گُل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل — غالب — جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا
نہ پوچھو میرے آنے کا سبب تم — نظام — میں خود حیراں ہوں اس محفل میں آکر
کیا جانیئے کیا لُطف ہے چلمن کے اُدھر آج — منیر — جاتی ہے تو پھر کر نہیں آتی ہے نظر آج
بزم میں رات کو غیروں سے اشارے دیکھے — نساخ — دیدۂ یار کرشمے ترے سارے دیکھے

حشر کو مانتا ہوں بے دیکھے انور ہائے ہنگامہ اس کی محفل کا

اے اہلِ بزم مجھ کو اٹھاؤ نہ بزم سے امیر شمعِ سحر ہوں عمر بپایاں رسیدہ ہوں

اس شان سے ہم آئے تری جلوہ گاہ میں ولہٗ مشعل دکھائی برقِ تجلی نے راہ میں

اپنی محفل سے عبث ہم کو اُٹھاتے ہیں حضور ولہٗ چُپکے بیٹھے ہیں بھلا آپ کا کیا لیتے ہیں

آج محفل سے تم آئے ہو اُٹھانے مجھ کو ولہٗ ہائے وہ دن کہ جب اُٹھتے تھے بٹھانے مجھ کو

پہلے تو مجھے کہا نکالو ولہٗ پھر بولے غریب ہے بلا لو

مقامِ وجد ہے اے دل کہ بزمِ یار میں آئے ولہٗ بڑے دربار میں پہونچے بڑی سرکار میں آئے

ترکِ موالات کا زمانہ تھا، راقم الحروف علی گڑھ میں زیرِ تعلیم تھا، مہاتما گاندھی کالج میں تشریف لائے، مقصد یہ تھا کہ طلبا کالج کو چھوڑ دیں کیونکہ کالج گورنمنٹ سے مدد لیتا تھا اور اس میں اس قسم کی تعلیم نہ دی جاتی تھی جس قسم کی تعلیم مہاتما جی چاہتے تھے، یونین میں جلسہ ہوا، جوش و خروش سے بھرے ہوئے طلبا کو علاوہ مہاتما جی کے اوروں نے بھی مخاطب کیا، مولانا شوکت علی کی تقریر کا سب سے زیادہ اثر ہوا، کیونکہ اُنھوں نے اپنی تقریر کا آغاز امیر کے اس شعر سے کیا : ؎

بزمِ عشاق ہے کیا جانے کدھر دیکھیں گے
دل تو دیتا ہے گواہی کہ اِدھر دیکھیں گے

جب وہ "اِدھر دیکھیں گے" کے ٹکڑے کو ادا کرتے تھے تو کبھی مہاتما جی کی طرف اشارہ کرتے تھے کبھی اپنی طرف، وہ سماں بھی دیکھنے کا تھا،

اٹھنا ہی تیری بزم سے دشوار تھا مجھے داغ اس پر سنبھالنا دلِ بے اختیار کا

اب بزم میں اُس کو بھی نہیں دیکھتا کوئی خلش آپس میں سب اک اک کی نظر دیکھ رہے ہیں

غیر نکلا نہ تیری محفل سے ــ خنجر ــ کیا یہ ارمان تھا مرے دل کا

محفل میں تیری آ کے یہ بے آبرو ہوئے ـــــ پہلے تھے آپ، آپ سے تم، تم سے تو ہوئے

ہاں اے نگاہِ شوق مناسب ہے احتیاط ـــــ ایسا نہ ہو کہ بزم میں چرچا کرے کوئی

یہ تلچھٹ اور یہ ہم قدرت خدا کی ــ تسلیم ــ ذرا او ساقیٔ محفل سمجھ کر

حالی سرورِ نغمہ و مے چاہتے ہو تم ــ حالی ــ آئے ہو وقت صبح رہے رات بھر کہاں

بہت لگتا ہے دل محفل میں اُس کی ــ ولہٗ ــ وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے

انگریزی میں ایک مثل ہے "ہی ایز ان انسٹیٹیوشن بائی ہم سلف" قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ خواجہ حالی نے اس مثل کا ترجمہ کس خوبی سے کیا ہے، ممکن ہے اس شعر میں روے سخن سرسید کی طرف ہو، وہ خوبیوں کے مجموعہ تھے،

سلام آج سے بس ہمارا ہے صاحب ــ ولہٗ ــ تمہارا اگر رنگ محفل یہی ہے

ہم گرے جب لڑکھڑا کر بزم میں ــ ریاضؔ ــ سر سبو پر ہاتھ ساغر پر گرا

وہ کن انکھیوں سے کسی کا دیکھ لینا بزم میں ــ مولوی عبد الحمید آزادؔ ــ وہ تڑپ کر ہائے رہ جانا کسی ناشاد کا

نتیجہ تم نے دیکھا دل جلوں پر ظلم کرنے کا ــ جلیلؔ ــ تمہاری بزم پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

کسی کا وہ اترا کے چلنا کہیں ــ بے نظیر شاہ ــ کسی کا وہ گر کر سنبھلنا کہیں

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام ــ حسرتؔ ــ دہکا ہوا ہے آتشِ گل سے چمن تمام

ستم اغیار کا سہنا مجھے چنداں نہ مشکل تھا ــ وحشتؔ ــ اُٹھایا جس نے محفل سے مجھے وہ تیرا تیور تھا

اپنا اپنا ذوق اپنی اپنی طرزِ زندگی ــ سرشار کسمنڈوی ــ ہم کو خاموشی اُنھیں ہنگامۂ محفل عزیز

آلودۂ عتاب سہی پر زہے نصیب ــ ظفر علی خان ــ محفل میں مجھ پہ پڑ تو رہی ہے نظر تری

سکوت بے محل تقریر بے موقع کی تہمت کیوں ــ رواںؔ ــ اُٹھانا ہے تو یوں ہم کو اُٹھا دو اپنی محفل سے

آوارگانِ دشتِ بلا پر بھی اک نظر   محروم   چشمِ اُمید لے کے جو محفل میں آگئے

لبریز تموج تھا اک اک خطِ پیمانہ   فانی   محفل سے جو وہ اُٹھے لیتے ہوئے انگڑائی

ہمیں جب نہ ہونگے تو کیا رنگِ محفل   جگر مرادآبادی   کسے دیکھ کر آپ شرمائیگا

کوئی آتا ہے تو آئے کوئی جاتا ہے تو جائے   ولہٗ   تری محفل میں کسی کا نہیں پرساں کوئی

ہائے بیچارگیٔ عشق کہ اُس محفل میں   ولہٗ   سر جھکائے نہ بنے آنکھ اُٹھائے نہ بنے

اُس نے یوں دیکھا مجھے گویا کہ دیکھا ہی نہیں   منیر   پھر بھی مجھ تک اک پیامِ ناتمام آ ہی گیا

چلے تھے ایک نظر تیری بزم دیکھ آئیں   رضا لکھنوی   یہاں جو آئے تو بے اختیار بیٹھ گئے

لے کے پہنچا اضطرابِ دل کہاں   نشتر تہگامی   میں کہاں اُس شوخ کی محفل کہاں

میں تو خود اُٹھنے کو ہوں بدلو نہ اندازِ نظر   احسان دانش   تم جو کہتے ہچکچاتے ہو وہ میرے دل میں ہے

نہیں تخصیص محفل میں کسی کی   انجم فوقی بدایونی   مگر تاکید ہے انجم نہ آئیں

شمع و پروانہ

غنیمتے شمر اے شمع وصلِ پروانہ   حافظ   کہ ایں معاملہ تا صبحدم نخواہد ماند

دیدی کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را   ولہٗ   چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

سوزِ او در کعبہ و بتخانہ یکساں دیدہ ام   ———   من نمیدانم کہ ہندو یا مسلمانست شمع

پروانہ نیک رفت کہ در پیشِ شمع سوخت   شکیبی   آگہ نشد کہ سوختنِ غائبانہ چیست

کارِ پروانہ کارِ آساں نیست   نسبتی   بلبلاں فکرِ سوختن مکنید

راز پوشیدن نباید دانش از بیتابِ عشق   رضی دانش   درمیانِ انجمن پروانہ خاکستر شود

احوالِ شب از شمعِ سحرگاہ چہ پرسی   بیگانہ   از سوختگاں قصۂ جانکاہ چہ پرسی

بہ لوحِ مشہدِ پروانہ ایں رقم دیدم ...... کہ آتشے کہ مرا سوخت خویش را ہم سوخت

ہر تارِ زیرِ پیراہنِ فانوس کمند یست ...... گستاخیِ پروانہ نہ از بال و پرِ اوست

رات پروانہ کی اُلفت ستی رونے روتے سراج الدین خاں آرزو شمع نے جان دیا صبح کے ہوتے ہوتے

رات بھر شمع سر کو دھنتی رہی میر کیا پتنگوں نے التماس کیا

پھر نہ دیکھا کچھ بجز اک شعلۂ پُر پیچ و تاب ولہٗ شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروانہ گیا

گر پتنگوں کے جلانے کا سبب ہوتی ہے شمع بیان تو اُنھوں کے غم میں اپنی جان بھی کھوتی ہے شمع

سوزِ پروانہ ہویدا ہے سبھوں پر سبقت سبقت پر کسی پر نہیں ظاہر غمِ پنہانِ شمع

شوخ (گنا بیگم محل نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر)

شمع کی طرح کون رو جانے جس کے جی کو لگی ہو سو جانے

محفل کے بیچ سُن کے مرے دردِ دل کا حال تاباں بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

گستاخ بہت شمع سے پروانہ ہوا ہے آتش سر چڑھتا ہے موت آئی ہے دیوانہ ہوا ہے

اے شمع تیری عمرِ طبیعی ہے ایک رات ذوق ہنس کر گذار یا اِسے رو کر گذار دے

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج غالب شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہلِ بزم ولہٗ ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کریں

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی ولہٗ اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے عیش تھوڑی سی رہ گئی ہے اُسے بھی گذار دے

پھونک دیتی کیوں نہ پروانے کو شمع امیر پیار کرنے کو سرِ محفل گیا

شب کو یہ جذبِ محبت کا تماشا دیکھا محسن کاکوروی شمع پروانے کے ساتھ اُڑ گئی جگنو ہو کر

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا آسی غازیپوری یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

نہ شمعِ انجمن سمجھی نہ اہلِ انجمن سمجھے ـــــ کہ جب پہلی کرن پھوٹی تو پروانے پہ کیا گذری

جان دے کر نہ کرے آہ بہت مشکل ہے ـــــ عشق کرنے کو جگر چاہیئے پروانے کا

فروغِ شمع جو ہے وہ رہیگا صبحِ محشر تک ـــــ مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

چند گھڑیاں شمع و پروانے کی اچھی کٹ گئیں ـــــ جلوہ تیرے حُسن کا جب تک سرِ محفل نہ تھا

بدگمانی جو ہوئی بزم میں پروانے کو ـــــ شمع نے آگ رکھی سر پہ قسم کھانے کو

دیکھ لو شمع پہ جلتے ہوئے پروانے کو ـ جلیلؔ ـ ایسے ہوتے ہیں جو ہوتے ہیں محبّت والے

انداز ہیں جذب اس میں سب شمعِ شبستاں کے ـ اصغرؔ ـ اک حُسن کی دنیا ہے خاکسترِ پروانہ

اے شمع تجھ پہ رات یہ بھاری ہے جس طرح ـ ناطقؔ لکھنوی ـ میں نے تمام عمر گذاری ہے اس طرح

دمِ طوف کرمکِ شمع نے یہ کہا کہ وہ اثرِ کہن

نہ تیری حکایتِ سوز میں نہ میری حدیثِ گداز میں ـ اقبالؔ

فنا ہونے میں سوزِ شمع کی منّت کشی کیسی ـ منشی نوبت رائے نظرؔ ـ جلے جو آگ میں اپنی اُسے پروانہ کہتے ہیں

وہ سوز و سازِ محبّت کا آخری منظر ـ اثرؔ لکھنوی ـ کنارِ شمعِ فسردہ مزارِ پروانہ

فانوس کے پردے میں لو شمع کی تھرّائی ـ ولہٗ ـ اللہ رے اندازِ جاں سوزیِ پروانہ

خاکسترِ پروانہ میں اک آگ دبی ہے ـ ولہٗ ـ اے بادِ صبا دیکھ کے دامن کی ہوا دے ✓

خاکسترِ پروانہ میں جو سوز نہاں ہے ـ سیمابؔ ـ جب چاہے پھر اس خاک کو پروانہ بنا دے ✓

اب جفا ہے نہ وفا یادِ وفا باقی ہے ـ فانیؔ ـ تھی جہاں شمع وہاں خاک ہے پروانے کی

کچھ کھیل نہ تھا یوں بھی پروانے کا جل بجھنا ـ ولہٗ ـ جل کر نہ بجھے ایسے پروانے کو کیا کہیئے

اور ہی کچھ کہہ رہا ہے رنگِ بیتابی آج ـ جگرؔ مرادآبادی ـ اُڑ نہ جائے شمع کو لے کر کہیں پروانہ آج

رو رو کے گذاری شبِ غم شمع نے لیکن ـ فہمیؔ ـ نیند آہی گئی جنبشِ دامانِ سحر سے

یوں خاک کیا پھونک کے پروانوں کو جس نے جعفر سہارنپوری اُس آگ سے خود شمع بھی محفوظ نہیں ہے

دیوانہ نہیں جان پر اپنی جو نہ کھیلے اثیم خیرآبادی چومے جو نہ منہ شمع کا پروانہ نہیں ہے

مل گئی دادِ غمِ زیست کی دیوانے کو خمار شمع کی گود میں موت آئی ہے پروانے کو

وصل

خوش آں زماں کہ بروئش نظر نهفته کنیم خسرو چو سوئے من نگرد من نظر بگردانیم

ہر کس خُمے کشیدہ در مجلسِ وصالش ولہٗ چوں دورِ خسرو آمد جام و سبو نہ ماند

متاعِ وصلِ جاناں بس گرانست ولہٗ گر ایں سودا بجاں بودے چہ بودے

دیدار شد میسر و بوس و کنار هم حافظ از بخت شکر دارم و از روزگار هم

بفراغِ دل زمانے نظرے بہ ماہرُوے ولہٗ بہ از آنکہ چترِ شاہی ہمہ روز ہاے و ہُوے

خوشا وقتے و خرّم روزگارے جامی کہ یارے برخورد از وصلِ یارے

با خود آں شوخ ہم شرابم کرد ایجاد ذرّہ بودیم آفتابم کرد

عہدِ وصلِ سروِ قد سے ہیں مرے گھر شادیاں سراج عالمِ بالا سے آتی ہیں مبارکبادیاں

میں ہوں اور خلوت ہے اور پیشِ نظر معشوق ہے

مصحفی

ہے تو بیداری و لے کچھ دیکھتا ہوں خواب سا

میرا اور اُس کا اختلاط ہو گیا مثلِ ابر و برق نظیر اکبرآبادی اُس نے مجھے رُلا دیا میں نے اُسے ہنسا دیا

یہ چرچے یہ صحبت یہ عالم کہاں امیر خدا جانے کل تم کہاں ہم کہاں

وصل کا دن اور اتنا مختصر ولہٗ دن گنے جاتے تھے اس دن کے لئے

یا رب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر حالی تھا اُن کو مجھ سے ربط مگر اس قدر کہاں

آسی گریاں ملا محبوب سے آسی غازیپوری گُل سے رو کر جس طرح شبنم ملے

جب ہم آغوشِ یار ہوتے ہیں ——— سب مزے درکنار ہوتے ہیں

اُٹھ کے پہلو سے چلے جائینگے وہ عزیز دل سے ہم سے گفتگو رہ جائیگی

آپ ہیں، ہم ہیں، مے ہے، ساقی ہے نوح ناروی یہ بھی اک امرِ اتفاقی ہے

آنکھوں میں روئے یار ہے آنکھیں ہیں روئے یار پر
ذرّہ ہے آفتاب پر، ذرے میں آفتاب ہے جوش

خوشا نظارۂ رخسارِ یار کی ساعت فیض خوشا قرارِ دلِ بیقرار کا موسم

شبِ وصل

مرا راحت از زندگی دوش بود سعدی کہ آں ماہ رویم در آغوش بود

بہ دیدار و گفتار جاں پرورش سراپائے من دیدہ و گوش بود

مؤذّن غلط گفت بانگِ نماز مگر ہم چو من مست و مدہوش بود

نگویم اے فلک از ہجر و بہایت تو بر گردی فیضی شبِ وصل امشب اند کے آہستہ تر گردی

ز مہتابِ رخش کاشانہ ام روشن شدست امشب اگر وقتِ طلوعت آیدا اے خورشید بر گردی

نماند گریہ شبِ وصل بے قراراں را دلہٗ سہیلِ طلعت آں ماہ بُرد باراں را

می شنیدم یارِ من فردا رود راہِ شتاب ——— یا الٰہی تا قیامت بر نیاید آفتاب

سرودِ نالۂ دل بود شب جائیکہ من بودم نکیں بہر سو رقصِ بسمل بود شب جائیکہ من بودم

پری پیکر نگارے سرو بالا لالہ رخسارے سراپا آفتِ دل بود شب جائیکہ من بودم

کٹی رات حرف و حکایات میں میر حسن سحر ہو گئی بات کی بات میں

ہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں — غالب — اُٹھیے بس اب کہ لذّتِ خوابِ سحر گئی

آشفتہ زلف، چاک قبا، نیم باز چشم — شیفتہ — ہیں صحبتِ شبانہ کے ظاہر نشاں ہنوز

شبِ وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو — امیر — کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شبِ جُدائی کا

بہت ہی مختصر ہے وصل کی شب کچھ تو بڑھ جائے

مری خاطر سے دم بھر کھول دو زلفِ پریشاں کو — ولہٗ

شبِ وصل کیا مختصر ہو گئی — ولہٗ — کہ آتے ہی آتے سحر ہو گئی

شبِ وصل ضد میں بسر ہو گئی — داغ — نہیں ہوتے ہوتے سحر ہو گئی

چونکا رہا ہوں وصل کی شب چونکتے نہیں — جلال — کچھ نیند ہے شباب کی کچھ خوابِ ناز ہے

ہم بھی پئیں تمہیں بھی پلائیں تمام رات — ریاض — جاگیں تمام رات جگائیں تمام رات

مُرغِ سحر

آثارِ سحر مرغِ سحر کو نہیں معلوم — لپٹے رہو سینے سے ابھی رات بڑی ہے

مؤذّن

دی مؤذّن نے اذاں وصل کی شب پچھلی رات — ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

رُخصت

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد — روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

یہ کس کو خبر ہے اب کے بچھڑے — میر حسن — کیا جانیے اُس سے کب ملیں گے

جان و دل ہیں اُداس سے میرے — ولیؔ — اُٹھ گیا کون پاس سے میرے

شاید اُٹھنے کا تم نے قصد کیا — اُڑ چلے کچھ حواس سے میرے

گئے تھے ملنے کو شاید جھڑک دیا اُس نے — نظیر اکبرآبادی — میاں نظیر تو کچھ شرمسار آتے ہیں

پیہم سجود پائے صنم پر دمِ وداع — مومن — مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

تھام لوں دل کو ذرا ہاتھوں سے — وزیر — ابھی پہلو سے نہ اُٹھ جائیگا

وہ چھٹے ہم سے جس کو پیار کریں — مرزا شوق — جبر کیوں کر یہ اختیار کریں

پھر ملاقات دیکھیں ہو کہ نہ ہو — آج دل کھول کر گلے مل لو

حشر تک پھر یہ ہوگی بات کہاں — ہم کہاں تم کہاں یہ رات کہاں

یاد اتنی تمہیں دلاتے جائیں — پان کل کے لئے لگاتے جائیں

چین دل کو نہ آئیگا تجھ بن — اب کے بچھڑے ملینگے حشر کے دن

کسی صورت تو دل کو شاد کرنا — نسیم دہلوی — ہمیں دشمن سمجھ کر یاد کرنا

جان پر ہم بھی کھیلے بیٹھے ہیں — مثنوی — اُٹھ کے پہلو سے جائیے تو سہی

میں کچھ اس طرح ترے در سے پلٹ کر آیا — محمود رامپوری — کہ مجھے دیکھ کے غیروں کا بھی جی بھر آیا

وقت رخصت آنسوؤں کا تار رہنے دیجئے —— آپ جھوٹے موتیوں کا ہار رہنے دیجئے

وقت رخصت موتیوں کا ہار رہنے دیجئے —— آنسوؤں میں گیسوؤں کا تار رہنے دیجئے

تم سے بچھڑا رہا ہے زمانہ بہار میں

کیا دخل ہے مشیتِ پروردگار میں

ہجر

بشنو از نے چوں حکایت می کُند مولانا رومؔ وز جدائیہا شکایت می کند

درد ما را نیست درماں الغیاث حافظؔ ہجر ما را نیست پایاں الغیاث

زبانِ خامہ ندارد سرِ بیانِ فراق ولہٗ وگرنہ شرح دہم با تو داستانِ فراق

فراق و ہجر کہ آورد در جہاں یا رب کہ روزِ ہجر سیہ باد و خانمانِ فراق

مباد کس چو منِ خستہ مبتلائے فراق ولہٗ کہ عمرِ من ہمہ بگذشت در بلائے فراق

عمرِ فراقِ یار بہ پایاں نمی رسد ــــــ دردم زحد گذشت و بدرماں نمی رسد

ہجرت زِ وصلِ غیر خبر می دہد مرا ــــــ مرگم نویدِ مرگِ دگر میدہد مرا

گر بمانیم زندہ بر دوزیم ــــــ دامنے کز فراق چاک شدہ

ور بمیریم عذر ما بپذیر ــــــ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

نمی گویم کہ از زندانِ ہجر آزاد کُن مارا شاپور طہرانیؔ اگر جائے گرفتارے بہ بینی یاد کن مارا

از ہجر گرچہ نیست بلائے بتر و لے صیدیؔ بدتر زِ ہجر از غمِ ہجراں نہ مُردن است

ناگفتہ است مرا بختِ بد از یار جُدا عصمتیؔ غم جدا می کُشدم چرخِ ستمگار جُدا

نازکبدن ایک سحر طراز رقاصہ تھی، صاحبِ "طرزِ دانش" کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شاہجہان آباد میں محفلِ رقص آراستہ ہوئی، نازکبدن نے وہ وجد آفرین غزل گائی جس کے چند اشعار حسبِ ذیل ہیں: ۔

ما را بہ غمزہ کُشت و قضا را بہانہ ساخت خود سوے ما ندید و حیا را بہانہ ساخت

زاہد نہ داشت تاب جمالِ پری رُخاں — کُنجے گرفت و یادِ خدا را بہانہ ساخت
رفتم بہ مسجدے پئے نظارۂ رخش — دستے بر و کشید و دُعارا بہانہ ساخت
دستے بدوشِ غیر نہاد از رہِ کرم — مارا چو دید لغزشِ پا را بہانہ ساخت

آخری شعر کچھ اس ادا سے ادا کیا کہ محفل تڑپ اُٹھی، محفل میں ایک غریب الوطن نوجوان بھی تھا، اس پر بیخودی طاری ہوئی، تڑپا اور تڑپ کر رقاصہ کے قدموں کے قریب گرا اُس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، اس کے جنازے کے ساتھ جمِ غفیر تھا، نازک بدن سب سے پیچھے تھی، بعد تدفین اُس نے شرکا رجنازہ سے دعا رمغفرت کی اجازت مانگی، اجازت پا کر مزار کے پہلو میں بیٹھ گئی، رسمی دُعا کے بعد پُرسوز لہجہ میں یہ شعر پڑھا: ؎

بے تو غم تلخ شادمانی تلخ ۴۴
مرگ ہم تلخ زندگانی تلخ

اور اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دی، حاضرین نے اُس کی بھی تجہیز و تکفین کی اور اُسے نوجوان کے مزار کے پہلو میں دفن کیا،

بے تو بر فرشِ گُل زبیتابی — غنی — مُرغ درخوں تپیدہ را مانم
بیا کہ بے تو زِ سرمایۂ حیات مرا — زیب النساء — زِ دیدہ ماند نگاہے و بر زباں سخنے
زاہد مگو عذاب عذابِ قیامت است — ہجراں ندیدہ کہ بدانی عذاب چیست
ز ہجرِ غم ہجرِ تو بجاں کارگر افتاد — حزیں — امیدِ وصالِ تو بعمرِ دگر افتاد
پیا باج پیالہ پیا جائے نا — محمد قلی قطب شاہ (بادشاہ گولکنڈہ) — پیا باج یکتل جیا جائے نا
کہے تھے بغیر پیا بن صبوری کرو — کہا جاے اما کیا جائے نا
جدائی میں تیری اے صندلی رنگ — یکرنگ — مجھے یہ زندگانی دردِ سر ہے

گو ہم سے تم ملے نہ تو ہم کچھ نہ مر گئے ۔ قائم ۔ کہنے کو بات رہ گئی دن تو گذر گئے

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کی ان دنوں ۔ سودا ۔ تو بھی تو اُس کو جا کے ستمگار دیکھنا

نے حرف، نے شکایت و نے شعر و نے سخن ۔ نے سیرِ باغ و نے گل و گلزار دیکھنا

خاموش اپنے کلبہ احزان میں روز و شب ۔ تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

سحر گہ عید میں دورِ سبو تھا ۔ میر ۔ پر اپنے جام میں تجھ بن لہو تھا

گذرے ہے شب خیال میں خوباں کے جاگتے ۔ ولہٗ ۔ آنکھیں لگا کے اُن سے میں ترسوں ہوں خواب کو

کہنے سے میرا اور بھی ہوتا ہے مضطرب ۔ سمجھاؤں کب تک اس دلِ خانہ خراب کو

ایک شب بیٹھے تھے جس گھر میں کبھی یار سے مل

درویش

روز روتے ہیں وہاں کے در و دیوار سے مل

اُس کو مجھ سے جدا کیا تو نے ۔ رستم ۔ اے فلک ہائے کیا کیا تو نے

روتے ہی اس کو گذرے ہے ہجر میں تیرے رات دن

مرزا جعفر علی حسرت

حال میں کیا بیاں کروں حسرتِ بے قرار کا

تجھ بن تو چاہتا نہیں جی سیرِ باغ کو ۔ ہدایت ۔ لگتی ہے ٹھیس نکہتِ گل سے دماغ کو

اس بن جہان کچھ نظر آتا ہی اور ہے ۔ جرأت ۔ گویا وہ آسماں نہیں وہ زمیں نہیں

بن دیکھے جس کے پل میں آنکھیں بھر آئیاں ہوں

مصحفی

کیا قہر ہے جو اُس سے برسوں جدائیاں ہوں

ہجر میں وصل جاودانی ہے ۔ ولہٗ ۔ ہجر عاشق کی زندگانی ہے

دن بھی دراز رات بھی ہو گئے ہجر یار میں ۔ مومن ۔ کاہے سے فرق آ گیا گردشِ روزگار میں

نہ بناتا جو دن جدائی کا ۔ بیمار ۔ کیا بگڑتا تری خدائی کا

صبح رو رو کے شام ہوتی ہے — ظفر — شب تڑپ کر تمام ہوتی ہے

فرقت میں کیوں نہ تھا کسی کروٹ مجھے قرار — امیر — کیا دونوں پہلوؤں میں دلِ ناصبور تھا

کرنی پڑیں فراق میں تیمارداریاں — داغ — ہاتھوں میں ساری رات دلِ ناصبور تھا

فرہاد نہ پوچھ سختیِ ہجر — محسن — دن آج پہاڑ سا کٹا ہے

وہی صدمہ رہا فرقت کا دل پر — اکبر الہ آبادی — بہت روئے مگر اس سے ہوا کیا

دن رات کی یہ بےچینی ہے یہ آٹھ پہر کا رونا ہے

ولہٗ

آثار بُرے ہیں فرقت میں معلوم نہیں کیا ہونا ہے

ہم اور سیرِ لالہ و گُل ہجرِ یار میں — شاد — کیسی بہار آگ لگا دو بہار میں

کرتے تھے کبھی حوصلۂ ترکِ محبت — حسرت — اب صدمۂ دوری بھی اُٹھایا نہیں جاتا

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں — جوہر — اب ہونے لگیں اُن سے خلوت کی ملاقاتیں

اب جدائی میں یاد آتی ہے — آسی الدنی — گفتگو بات بات پر تیری

غمِ فرقت ہے ابتدا دل کی — فانی — مالکِ علم ابتدا کی قسم

ترے فراق میں حالت تباہ سی ہے تباہ — ولہٗ — نہ دل پہ ہاتھ نہ اب سوئے آسماں ہے نگاہ

ہجر میں ہم تڑپ تو لیتے ہیں ——— کیا خبر اُن پہ کیا گزرتی ہے

ہجر میں اُن کے پیار کی باتیں — علی — ہیں خزاں میں بہار کی باتیں

شامِ ہجر

مرزا محمد سلیمان شکوہ سلیمان

اب خدا پھر ہمیں نہ دکھلائے — شبِ ہجراں کی شام کا عالم

سرِ شوریدہ پائے دشت پیما شامِ ہجراں ہے ناسخ بیاباں ہیں کبھی گھر ہے کبھی گھر میں بیاباں ہے

شام ہی سے دلِ بیتاب کا ہے ذوق یہ حال ذوق ہے ابھی رات پڑی چار پہر کاٹنے کو

ہمیں تو شامِ غم میں کاٹنی ہے زندگی اپنی ـــــ جہاں وہ ہوں وہیں اے چاند لے جا چاندنی اپنی

نالہ کیا ہاں اک دھواں سا شامِ ہجر فانی بسترِ بیمار سے اُٹھا کیا

تم شامِ شبِ فرقت بے ساختہ آ نکلے ـــــ یا کفر کے پردے سے ایمان نکل آیا

شبِ ہجر

شبِ تنہائیم در قصدِ جاں بود حافظ خیالش لطفہائے بیکراں کرد

مرزا عسکری (برادر شہنشاہ ہمایوں)

چناں بے خود شدم از دوریٔ آں گلعذار امشب

کہ ہر دم گریہا رومید ہد بے اختیار امشب

عرفی مگو بہ تیرہ شبِ ہجر حرفِ مے عرفی حرفے است آنکہ در شبِ مہتاب گفتنی ست

ہر نگاہش بہ من سوختہ در روزِ وصال ـــــ در شبِ ہجر بلائیست کہ من می دانم

گو یند روزِ حشر بپایاں نمی رسد ـــــ صد روزِ آں بیک شبِ ہجراں نمی رسد

بر ما مگر تو رحم کنی ورنہ آفتاب ـــــ شبہائے ہجر را نتواند سحر کند

بر زباں دارم شبِ ہجراں پئے تسکینِ دل عہدی گفتگو ہائے کہ روزِ وصل با ما کردۂ

بہ چیزے کز شبِ ہجراں دلِ خود شاد می کردم عاشقی جفا ہائے کہ بر ما کردہ بودی یاد می کردم

کس طرح کوہکن پہ گذریں گی سجاد ہجر میں یہ پہاڑ سی راتیں

میر نے اس شعر پہ اصلاح دی اور یوں کر دیا: ـــ

ہجرِ شیریں میں کیونکہ کاٹے گا　　کوہکن یہ پہاڑ سی راتیں

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے　شاہ حاتم　رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

شاہ حاتم نے یہ شعر خواب میں کہا تھا، بیدار ہوئے تو شعر یاد رہا، وہ روزانہ تکیۂ شاہ تسلیم میں جایا کرتے تھے جہاں اُن کے شاگرد جمع ہوتے تھے، شاگردوں کو انھوں نے یہ شعر سنایا، رنگین نے دنیائے شاعری میں حال ہی قدم رکھا تھا، مگر طبیعت میں شوخی تھی اُنھوں نے کہا اگر دوسرا مصرعہ یوں ہو تو بہتر ہے: ؎

ہم نے شبِ ہجر کی دولت سے مزہ لوٹا ہے

جلوت میں شاہ صاحب نے رنگین کی تعریف کی مگر خلوت میں کہا کہ تمہاری یہ حرکت آداب کے خلاف تھی، (ملاحظہ ہو مجالس رنگین)، جو لطف شاہ صاحب کے مصرعے میں ہے وہ رنگین کے مصرعے میں کہاں!

مت پوچھ مجھ سے رات کٹی کیونکہ تجھ بغیر　سودا　اس گفتگو سے فائدہ پیارے گذر گئی

کسی کی شبِ وصل سوتے کٹے　میر　کسی کی شبِ ہجر روتے کٹے

ہماری یہ شب کیسی شب ہے کہ یارب　　نہ سوتے کٹے اور نہ روتے کٹے

مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی　بیان　جس طرح کٹا روز گذر جائے گی شب بھی

نہیں ٹلتی کسی عنوان سر سے　بہو بیگم　شبِ غم بھی کوئی کالی بلا ہے

دن کٹا جس طرح کٹا لیکن　میر اثر　رات کٹتی نظر نہیں آتی

کل شبِ وصل کی کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں　محبت　آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے

یار کا صبح تک ہے وعدۂ وصل　مصحفی　ایک شب اور بھی جئے ہی بنی

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے　ناسخ　آج آتی شبِ فرقت میں تو احساں ہوتا

صبح ہوتی نظر آتی نہیں ہرگز آتش — آتش — بڑھ گئی روزِ قیامت سے مگر آج کی رات

پُر درد کوئی شعر پڑھا آہِ سرد کی — میر ممنون — اس مشغلہ میں رات ہماری گذر گئی

آگے آنکھوں کے اندھیرا ہے سرِ شام سے گرم — گرم — دیکھئے ہوتی ہے کس طرح سحر آج کی رات

تا نہ پڑے کہیں خلل آپ کے خوابِ ناز میں — مومن — ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شبِ دراز میں

تو کہاں جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے — ولہٗ — کل تو ہم خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہونگے

شبِ ہجراں بسر نہیں ہوتی — ذوق — نہیں ہوتی سحر نہیں ہوتی

ہجر کی شب ایک تو یوں ہی نہیں آتی ہے نیند
اور بک بک سے تری ناصح اُڑی جاتی ہے نیند — امیر

شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری — داغ — غیر کی ہو کے رہے یا شبِ فرقت میری

عمر شاید نہ کرے آج وفا — حالی — کاٹنا ہے شبِ تنہائی کا

رات ہے رات تو بس مردِ خوش اوقات کی رات
گریۂ شوق کی یا ذوقِ مناجات کی رات — آسی غازیپوری

نہیں کٹتی نہیں کٹتی شبِ غم ——— نہیں ہوتی نہیں ہوتی سحر آج

تڑپا ہے کیسا کیسا دلِ بیقرار رات — ناز — گذرے کسی پہ ایسی نہ پروردگار رات

یوں ہی فسانۂ شبِ ہجراں طویل تھا ——— پھر اس پہ پیچ پیچ میں یہ داستانِ دل

خیالِ شبِ غم سے گھبرا رہے ہیں — ریاض — ہمیں دن کو تارے نظر آ رہے ہیں

سحر تک کیا ہمارا حال ہوگا — نوح ناروی — خدا جانے ابھی ہے رات کتنی

کیونکر بسر ہوئی شبِ فرقت نہ پوچھئے — ولہٗ — سب مجھ سے پوچھئے یہ مصیبت نہ پوچھئے

جو مجھ پہ گذری شبِ غم وہ دیکھ لے ہمدم — اصغر — چمک رہا ہے مژہ پر ستارۂ سحری

شبِ غم کیا خبر دیتی ہیں پیہم ہچکیاں میری
خدا وندا انھیں کیوں یاد آئی ناگہاں میری — حسرت

شبِ فراق کا عالم ارے معاذ اللہ — فرحؔ — چراغ شام ہی سے جھلملائے جاتے ہیں

یار کے وعدۂ فردا کی قسم سچ کہنا — مقصد مرزا پوری — کل ترے ٹھاٹھ کہاں اے شبِ ہجراں ہونگے

اپنے گھر سے تجھے تنہا تو نہ جانے دینگے —— صبح کو ساتھ ترے ہم شبِ ہجراں ہونگے

ہاں شبِ ہجر آج صبح نہ ہو — فانی — ہاں چلی جائے یادِ زلفِ دراز

کٹے گی مری شب بڑی راحتوں سے — جگر مراد آبادی — تری یاد ہوگی ترا دھیان ہوگا

بھلا کیونکر نہ ہوں راتوں کو نیندیں بیقرار اُسکی — اختر شیرانی — کبھی لہرا چکی ہوں جس پہ زلفیں مشکبار اُس کی

ترے فراق کی راتیں ارے معاذ اللہ — احسان دانش — کبھی کبھی تو ستاروں میں روشنی نہ رہی

چارہ گر

نہ کر چارہ گر فکرِ بخیہ گری —— یہ چاکِ جگر ہے سیا جائے نا

درد ہے جاں کی عوض ہر رگ و پے میں ساری — مومن — چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

کر علاجِ وحشتِ دل چارہ گر — ولہ — لا دے اک جنگل مجھے بازار سے

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح — غالب — کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائینگے کیا — ولہ — زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئینگے کیا

اے چارہ ساز اتنی ہی مدت ہے زیست کی — محشر — جب تک کہ دردِ عشق ہمارے جگر میں ہے

عشق کی ناکامیوں نے اس قدر کھینچا ہے طول — عشقی — نوبت آئی اتفر میرے غمخواروں کو اب یارائے غمخواری نہیں

فانی دوائے دردِ جگر زہر تو نہیں — فانی — کیوں ہاتھ کانپتا ہے مرے چارہ ساز کا

حالت پہ میری چھوڑ دے اے چارہ گر مجھے — بیخودؔ موہانی — مرنے نہ دیگی لذتِ دردِ جگر مجھے

بیمار

جانؔ لب از ضعف نتواند رسید — بیگیؔ — ما بزورِ ناتوانی زندہ ایم

رفتہ رفتہ تا بحالم مہرباں گردد طبیب — زہرہؔ — ایں جراحتہا کہ من دارم کہن خواہد شدن

جو طبیب اپنا ہے دل اُس کا کسی پر زار ہے — سوداؔ — مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

یوں خدا کی خدائی برحق ہے — میر آثرؔ — پر اثر کی ہمیں توقع نہیں

خوشی نہ ہو مجھے کیونکر قضا کے آنے کی — مومنؔ — خبر ہے لاش پہ اُس بیوفا کے آنے کی

ہوئے سبھی طرح سے جو ناچار کیا کرے —— گر موت بھی نہ آئے تو بیمار کیا کرے

حسرت اے طاقتِ ایامِ وصالِ جاناں —— آج مجبور ہیں کروٹ بھی بدلنے کے لئے

ہوئی صورت نہ کچھ اپنی شفا کی — رمزؔ (ولیعہد بہادر) — دوا کی مدتوں برسوں دُعا کی

اب عمر بھی تمام ہے روزِ دفن بھی سیر ہے
~~دل زندگی سے تنگ ہے جینے سے سیر ہے~~ — انیسؔ — پیمانہ بھر چکا ہے چھلکنے کی دیر ہے

دکھا دیں تم کو کیا یہ عشق کا آزار ہوتا ہے — شفقؔ — کلیجہ تھام لو گے دیکھ کر بیمار کی صورت

کل خدا جانے کہ کیا ہونے کو ہے — عبرتؔ گورکھپوری — آج بھاری رات ہے بیمار پر

مرگ فانیؔ کو ہے یارب آہ اب کیا انتظار — فانیؔ — دیر سے پیمانۂ عمرِ وفا لبریز ہے

چمن سے رخصتِ فانیؔ قریب ہے شاید — ولہٗ — کہ اب کی بوئے کفن دامنِ بہار میں ہے

بسترِ بیمار

ببیں بیمارِ اُلفت را کہ بر بستر نمی ماند —— اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

مریضِ عشق او بیمار بر بستر نمی ماند ـــــ اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے غالبؔ مرا سر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے

بیمار کا خطاب حکیم سے

از سرِ بالینِ من برخیز اے نادان طبیب خسروؔ دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

نل گفت کہ اے طبیبِ ناداں فیضیؔ رنجم مفزاے بامداداں

آگاہ نۂ تپِ دروں را نشتر چہ زنی رگِ جنوں را

عیادت

می نوازی بندہ را یا می کُشی سعدیؔ می نشینی یک نفس یا میروی

چہ بناز رفتہ باشد زِ جہاں نیازمندے ـــــ کہ بوقتِ جاں سپردن بہ سرش رسیدہ باشی

وحشیؔ یزدی اپنے محبوب کی جدائی میں مرض الموت میں گرفتار ہوا، محبوب کو اطلاع ہوئی تو وہ بے حد متاثر ہوا اور عیادت کو آیا، وحشیؔ یزدی نے انتہائے شوق وحسرت میں اپنا سر اس کے قدموں پر رکھا اور اپنا یہ شعر پڑھا: ؎

بہ بالیں آمدی در وقتِ مُردن ناتوانے را

ازیں زحمت بہ مُردن ساختی مائل جہانے را

بے حِسیٔ کس تمنا پہ بیمارِ غم میر حسنؔ حسینوں میں رسم عیادت نہیں

حال کیا پوچھ پوچھ جاتے ہو میرؔ کبھی پاتے بھی ہو جو جاں ہیں

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم ولہٗ سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آئے ہو — غالب — فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق — ولہٗ — وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

اک بار اور میری عیادت کو آئیے — رنج میرٹھی — اچھی طرح سے میں ابھی اچھا نہیں ہوا

وہ عیادت کو مری آتے ہیں لو اور سنو — داغ — آج ہی خوبیٔ تقدیر سے حال اچھا ہے

آج تک صورت مریضِ غم کو دکھلائی نہیں — قوی — یہ تو لے جانِ جہاں شانِ مسیحائی نہیں

آتا ہے ایک رنگ تو جاتا ہے ایک رنگ — آثر لکھنوی — لو آئے تھے وہ پرسشِ بیمار کے لئے

ہچکیاں بھی مری سن لو مرے نالے تو سنے

ٹھہرو اک نغمہ ابھی اور مرے ساز میں ہے — جگر مراد آبادی

انجام

وعدۂ فردا

چوں وعدۂ دیدارِ تو افتاد بہ محشر — زیب النسا — کارم ہمہ افتاد بفردائے قیامت
ہر روز قیامت گذرد بر دلِ مخفی — تا چند تواں وعدۂ بفردائے قیامت

جیتے جی آئے قیامت تو مزہ ہے ثاقب — ثاقب لکھنوی — دیکھ لیں وعدۂ فردا کا وفا ہو جانا
ہائے وہ وعدۂ فردا کی مدد وقتِ اخیر — فانی — ہائے وہ مطلبِ دشوار کا آساں ہونا

نگاہِ واپسیں

عجب حسرت سے دیکھا ہے سوئے جاناں دمِ آخر
رہے گی یاد اُس کو بھی نگاہِ واپسیں سوں — نواب کلب علی خاں نواب

جو ہنستے آئے تھے بالیں پہ وہ رونے لگے آخر — کچھ اس حسرت سے تو نے اے نگاہِ واپسیں دیکھا
ہے ہے وہ ضبطِ شوقِ نظارہ دمِ اخیر — اثر لکھنوی — دل چاہتا کدھر تھا کدھر دیکھتے رہے

تمنائے آخر

روزیکہ ذرہ ذرہ شود استخوانِ من — خسرو — باشد ہنوز در دلِ ریشم ہوائے تو

ہچکی

آنا یہ ہچکیوں کا مجھے بے سبب نہیں — حکیم ثناء اللہ خاں فراق — بھولے سے اُس نے یاد کیا ہو عجب نہیں

مجھے یاد کرنے سے یہ مدّعا تھا ——— نکل جائے دم ہچکیاں آتے آتے

ہچکیوں پر ہو رہا ہے زندگی کا راگ ختم — ناطق گلاؤٹھی — جھٹکے دے کر تار توڑے جا رہے ہیں ساز کے

دو نہیں ہچکیوں میں دمِ نزع کہہ گیا — فانی — شرحِ درازِ زندگیِ مختصر کو میں

یہ مانا بے نیازِ عاشقی وہ بے مروت ہے — ہادی مچھلی شہری — مگر کچھ آج مجھ سے کہہ رہی ہیں ہچکیاں میری

دمِ واپسین و وقتِ نزع

بلبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم — خسرو — پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

در بیابانِ فنا گرچہ بہر سو خطر است — حافظ — می رود حافظِ بیدل بہ تولائے تو خوش

دمِ مردن بہ بالینم ہجوم بود می گفتند ——— دمِ آخر ببر نامِ خدا، نامِ تو می بُردم

رہِ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ ——— بہت اُس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ

مرحلے طے ہو چکے ہستی کے سب قصہ تمام ——— خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

نزع میں بھی ذوق کو تیرا ہی ہے بس انتظار — ذوق — جانبِ در دیکھ لے ہے جبکہ ہوش آجائے ہے

کہتا تھا وقتِ نزع ہر اک سے یہ شیفتہ — شیفتہ — دینا کسی کو دل تو وفادار دیکھ کر

اُن کا زانو میرا سر مت پوچھ لطفِ جانکنی — قیس — آہ یہ لذّت نہ جینے میں نہ مرجانے میں ہے

کہہ دے نہ اُن سے کوئی کہ خالی نہ جا سکا ——— وہ چپکے چپکے آٹھوں پہر کو سنا مجھے

دمِ آخر ہی کیا نہ آنا تھا ——— اور بھی وقت تھے بہانے کے

نہ کھولی آنکھ وقتِ نزع بیمارِ محبت نے — بیاں — کسی کا پردہ رکھنا تھا کوئی آنکھوں میں پنہاں تھا

افسوس ہے کہ درد بھی اب چھوڑتا ہے ساتھ — یہ بھی اخیر وقت کہیں ہے کہیں نہیں

کوئی مریضِ غم کا دمِ واپسیں نہیں — عزیز — اک جان ہے سو وہ بھی کہیں ہے کہیں نہیں

نزع میں یار سے پیمانِ وفا کرتے ہیں — ریاض — اُس دغا باز سے ہم آج دغا کرتے ہیں

اک طرف کچھ سوچ کر رونے لگے تیماردار — اک طرف بیمارِ غم کچھ کہہ کے غافل ہو گیا

سُن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی — فانی — آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا

باقی رہا نہ کوئی گلہ وقتِ واپسیں — سہیل — کیا کہہ گئے وہ اک نگہِ شرمسار میں

آنسو بھرے ہیں آنکھ میں اُس مستِ حُسن کی — محمود — لبریز کس کی عمر کا پیمانہ ہو گیا

بات اب امتحان پر آئی — مرزا عسکری — قصہ کوتاہ جان پر آئی

دمِ نزع آخر نکل آئے آنسو — بیتاب عظیم آبادی — کہاں جا کے چوکے وفا کرنے والے

موت

مگر در من نشانِ مرگ ظاہر شد کہ می بینم
عزیزاں را نہانی آستیں بر چشمِ تر امشب
— وحشی یزدی

زہر نیست زہرِ مرگ کہ شیریں نمی شود — صائب — ہر چند تلخ می گذرد روزگارِ عمر

در روزگارِ عشقِ تو ما ہم فنا شدیم — افسوس از قبیلۂ مجنوں کسے نماند

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیرِ عشق یافت — مرگے کہ زاہداں بہ دعا آرزو کنند

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید — اقبال — نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارے ایں فقیرے — دگر دانائے راز آید کہ ناید

اُس کو پہونچی خبر کہ جیتا ہوں عزلت کسی دشمن سنی سُنا ہوگا

اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
آخر اِس بیماریِ دل نے اپنا کام تمام کیا میر

سب ہوئے رُسوا پئے تدبیر ہو جاناں سمیت ولہٗ تیر تو نکلا مرے سینے سے لیکن جاں سمیت

وائے ناکامی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا میر درد خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

شمع کے مانند ہم اس بزم میں ولہٗ چشم تر آئے تھے دامن تر چلے

یقیں کے واقعے کی سُن خبر وہ بدگماں بولا یقین دیوانہ تو کچھ ایسا نہ تھا بیمار کیا کہیے

تا خواب مرگ ذکر تھا اُن کا زبان پر راسخ نیند آگئی ہمیں تو اسی داستان پر

جان لب تک آچکی ہے اب گئی اور اب گئی نجم دیکھیے کب تک ہمارا آنے والا آئے ہے

شاید اُن کے درد کی سب منزلیں طے ہوگئیں دل ہے اب ٹھہرا ہوا سینے میں دم گھبرائے ہے

اُٹھ گیا وہ آج سب ہستی کا ساماں چھوڑ کر ذوق تم گئے تھے کل جسے بیمارِ ہجراں چھوڑ کر

قابلِ عفو میں آلودۂ عصیاں ہو لوں امیر اے اجل صبر کر اتنا کہ پشیماں ہو لوں

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی [illegible] بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

قدم کیوں نہ لوں بڑھ کے پیکِ قضا کے شاکر کہ قاصد یہ بھیجا ہوا ہے کسی کا

لو صبح ہوئی بیمارِ شبِ غم رخصت سب سے ہوتا ہے
اب سونے والے جاگ رہے ہیں جاگنے والا سوتا ہے

دیارِ شوق میں ماتم بپا ہے مرگِ حسرت کا حسرت وہ وضعِ پارسا اُس کی وہ عشقِ پاکباز اُس کا

ہے رشک ایک خلق کو جوہر کی موت پر جوہر یہ اُس کی دین ہے جسے پروردگار دے

مولانا محمد علی مرحوم کی موت واقعی ویسی ہوئی جیسی اُنھوں نے پیشین گوئی کی تھی کہاں

مرے اور کہاں دفن ہوئے اور کس شان سے، ایسی موت پر کون رشک نہ کرے گا اور ایسی موت کو کون پروردگار کی دین نہ کہے گا!

مرگِ عاشق تو کچھ نہیں لیکن (جگرؔ مراد آبادی) اک مسیحا نفس کی بات گئی

یا وہ تھے خفا ہم سے یا ہم ہیں خفا اُن سے
(ولہٗ) کل اُن کا زمانہ تھا، آج اپنا زمانہ ہے

شریکِ دورِ بزمِ غیر کوئی جاں بلب کوئی (فضاؔ) کہیں ساغر چھلکتا ہے کہیں لبریز پیمانہ

وہ سر اُٹھائے موجِ فنا آرہی ہے آج (فراقؔ گورکھپوری) موجِ حیات موت سے ٹکرا رہی ہے آج

جان اس بے تعلقی پر بھی —— بربنائے تعلقات گئی

موت کے بعد

خواہی کہ دگر حیات یابم (سعدیؔ) یک بار بگو کہ کشتۂ ماست

رفتم و از رفتنِ من عالمے تاریک شد —— من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

عاشقی اور عشق کی باتیں (میرؔ اثر) سب جہاں سے اثر کے ساتھ گئیں

جان دی راہِ محبت میں الٰہی صد شکر (مرزا سلیمان شکوہ سلیمانؔ) بات جو ہم نے کہی تھی سو نباہی صد شکر

کہتے ہیں آج ذوقؔ جہاں سے گذر گیا (ذوقؔ) کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

یہ شعر ذوقؔ نے مرنے سے تین گھنٹے پہلے کہا تھا،

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں (غالبؔ) روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی (ولہٗ) امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا (ولہٗ) کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط ـــــ بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

مرنے کا لطف زیست سے مجھ کو سوا ہوا نظام گھبرا کے اُس کا کہنا کہ ہے ہے یہ کیا ہوا

تھا بُرا مجروح پر اتنا نہیں مجروح جس کے مرنے کی مبارکباد ہو

سانس تھی جب تک آتی جاتی آس تھی تم سے ملنے کی

بال سا رشتہ ایک تھا باقی اب تو وہ بھی ٹوٹ گیا

تھا جنھیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہو گئے اقبال لے کے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا

خیر تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے ولہٗ اب نہ وہ میکش رہے باقی نہ میخانے رہے

مری موت سن کر کیا اس نے ضبط جگر مرادآبادی مگر رنگ چہرے کا فق ہو گیا

لاش

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب مومن تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے غالب حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

اس بدگمان نے یہ کہا میری لاش پر حسن بریلوی اللہ رے فریب کوئی جانے مر گئے

شاید کہ آج حسرتِ جوہر نکل گئی جوہر اک لاش تھی پڑی ہوئی گور و کفن سے دور

وہ اُٹھا شورِ محشر آخری دیدارِ میت پر فانی اب اُٹھا چاہتی ہے لاشِ فانی دیکھتے جاؤ

اب خبر لیجئے لاش اٹھتی ہے مجبور ہوں میں جدید لکھنوی سب مجھے آپ کے کوچے سے لئے جاتے ہیں

یارب پڑی رہے مری میت اسی طرح [illegible] بیٹھے رہیں وہ بال پریشاں کئے ہوئے

کاگا سب تن کھائیو اور چُن چُن کھائیو ماس

دونوں نیناں چھانڑ کے کہ پیا ملن کی آس

تجہیز و تکفین

آفریں بر دلِ نرمِ تو کہ از بہرِ ثواب — حافظ — کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدۂ

جن نے نہ دیکھی ہو شفقِ صبح کی بہار — سودا — آ کر ترے شہید کو دیکھے کفن کے بیچ

انکارِ قتل سے تو کرے ہے سجن ہنوز — ولہ — میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

چل ساتھ کہ حسرت دلِ مرحوم سے نکلے — مرزا محمد علی فدوی — عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

اک خونچکاں کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں — غالب — پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

اس رنگ سے اُٹھائی کل اُس نے اسدؔ کی نعش — ولہ — دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

کہا کسی نے نہ اتنا ہمارے دفن کے وقت — بحر — کہ ان پہ خاک نہ ڈالو یہ ہیں نہائے ہوئے

سئے جاتے ہیں کفن آپ کے دیوانوں کے — پیارے صاحب رشید — تار دامن کے ہیں ٹکڑے ہیں گریبانوں کے

اب تو پھولے نہ سمائینگے کفن میں آسی — آسی غازیپوری — آج ہے اُس بتِ بد خو سے ملاقات کی رات

دوسرا مصرعہ یوں بھی دیکھا ہے: ع — ہے شبِ گور بھی اُس گُل سے ملاقات کی رات

کفن سے منہ چھپاتے ہیں گناہوں کی ندامت سے — مہاراجہ کشن پرشاد — خُدا کے سامنے جاتے ہوئے شرمائے جاتے ہیں

سُنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے — فانی — کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

کچھ نہ کہنا وہ کسی مجبور خاموشی کا ہائے — ولہ — وہ جنازے پر ترا کہنا خفا کیوں ہو گئے

سوگ

تنہا میرے ماتم میں نہیں شام سیہ پوش — سودا — رہتا ہے سدا چاک گریبان سحر بھی

پڑھینگے لوگ رو رو شعر بیٹھے — میر — رہے گا دیر تک ماتم ہمارا

شہیدِ حُسن کی بزمِ عزا ہے ـــــ وہ حوریں آ رہی ہیں بال کھولے

یہ کیسے بال ہیں بکھرے یہ کیوں صورت بنی غم کی
تمہارے دشمنوں کو کیا پڑی ہے میرے ماتم کی — مضطر خیرآبادی

اس کی شامِ غم پہ ہو صدقے مری صبحِ نشاط — عزیز — جس کے ماتم میں تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

مرے ماتم میں یوں روتے ہوئے آنے سے کیا مطلب — شاعر — تمہارے دشمنوں کو میرے مرجانے سے کیا مطلب

اثر جذبِ محبت کا ہوا بعدِ فنا ظاہر — اظہار — ہمارے سوگ میں رویا بہت وہ ماہرِ بے سود

الٰہی کون ایسا مر گیا ہے جس کا ماتم ہے ـــــ حسینانِ جہاں پہنے ہوئے ہیں پیرہن کالے

کس کی زلفیں سوگ میں میرے پریشاں ہو گئیں — اثر لکھنوی — جو رگیں تھیں جسمِ بیجاں میں رگِ جاں ہو گئیں

اک عمر پرستارِ شبِ ہجر رہا تھا — فانی — اے زلفِ سیہ ماتمِ فانی میں بکھر جا

آنکھوں میں نمی سی ہے چپ چپ سے وہ بیٹھے ہیں
نازک سی نگاہوں میں نازک سا فسانہ ہے — جگر مرادآبادی

مرگِ عاشق پہ یوں بھی روتے ہیں — سہا اکبرآبادی — ہنس بھی دو اب تمہیں صبا کی قسم

پھولوں کی محفل

سراج الدین خاں آرزو

رکھے سیپارۂ گُل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

حنا ہاتھوں میں ہونٹوں پہ تبسم گدگدی دل میں
وہ آئے پھول برسانے مری پھولوں کی محفل میں — ریاض

عبرت

بسا ماہرویانِ نوخاستہ — سعدی — بسا نوعروسانِ آراستہ

بسا نامدار و بسا کامگار — بسا سرو قد و بسا گلعذار

کہ کردند پیراہنِ عمر چاک — کشیدند سر در گریبانِ خاک

چناں خرمنِ عمرِ شاں شد بباد — کہ ہرگز کسے زاں نشانے نداد

منہ دل بریں دیرِ ناپائدار — ز سعدی ہمیں یک سخن یادگار

ایک دن اک استخواں پہ جا پڑا میرا جو پانوں — نظیر اکبرآبادی — کیا کہوں اس وقت میرے دل میں کیا کیا دھیان تھے

پانوں پڑتے ہی غرض اس استخواں نے آہ کی — اور کہا ظالم کبھی ہم بھی تو رکھتے جان تھے

ایسی بیرحمی سے مت رکھ پانوں ہم پر اے نظیر — او میاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں — غالب — خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

جائے عبرت سرائے فانی ہے — مرزا شوق — موردِ مرگِ نوجوانی ہے

اونچے اونچے مکان تھے جن کے — آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے

جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم — آج اس جا ہے آشیانۂ بوم

موت سے کس کو رستگاری ہے — آج وہ کل ہماری باری ہے

دل کے داغوں میں نظر اُن کی جھلک آتی ہے اب

پھول ہی جو صورتیں آنکھوں سے پنہاں ہو گئیں

زِندگی

زندگی در گرو نم افتاد بیدل چارہ نیست　　بیدل　　شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

یک دل آزاد دریں دامگہِ فانی نیست　　——　　یوسفے نیست دریں مصر کہ زندانی نیست

نے بکارِ خویش ایم نے بکارے دیگرے　　——　　چوں چراغ روز می سوزد مرا ایں زندگی

در جہاں مثلِ چراغ لالۂ صحرا ستم　　——　　نے نصیبے محفلے نے قسمتِ کاشانۂ

آں نکتہ کہ عارف را آورد بوجد این است　　گرامی　　جاں ہست بجسم اندر دریا بہ حباب اندر

آدمی بلبلہ ہے پانی کا　　میر　　کیا بھروسہ ہے زندگانی کا

زندگانی بھی ایک وقفہ ہے　　ولہٗ　　یعنی آگے چلینگے دم لے کر

یہ جو مہلت جسے کہیں ہیں عمر　　ولہٗ　　دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے　　ولہٗ　　عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے　　میر درد　　ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

جاتی ہے عمر ہر دم ہم کو خبر نہیں ہے　　تاباں　　کیا جانئے کہ کب تک ہم بے خبر رہینگے

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے　　ذوق　　اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

زیست کا اعتبار کیا ہے امیر　　امیر　　آدمی بلبلہ ہے پانی کا

قیامِ جسمِ خاکی ہے نفس پر　　ارشد　　ہوا پر ہے بنا اپنے مکاں کی

رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ　　حالی　　زندگی موت ہے حیات نہیں

نظر کر غور سے آئینۂ اسرارِ ہستی پر — ثاقب لکھنوی — جسے تو زندگی سمجھا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے

ٹھہر ٹھہر کے چل او جلد باز عمرِ رواں — احسن — روا روی میں قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

دن زندگی کے چشمِ زدن میں گذر گئے — منتظر — جھونکے ہوا کے تھے اِدھر آئے اُدھر گئے

برائے نام یہ نام و نمودِ نقشِ فانی ہے — آرزو لکھنوی — وگرنہ موج کیا گرداب کیا جو کچھ ہے پانی ہے

فنا کا ہوش آنا زندگی کا دردِ سر جانا — چکبست — اجل کیا ہے خمارِ بادۂ ہستی اُتر جانا

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب — [illegible] — موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

یہ شعر لاجواب ہے، کم از کم اردو شاعری میں اُس کا جواب نہیں !

زندگی اور زندگی کی یادگار — ولہٗ — پردہ اور پردہ پہ کچھ پرچھائیاں

زندگی ناکامیوں کی اک مسلسل داستاں — تلوک چند محروم — موت کیا ہے زندگی کی داستاں کا خاتمہ

تجلّیاتِ وہم ہیں مشاہداتِ آب و گِل — فانی — کرشمۂ حیات ہے خیال وہ بھی خواب کا

اک معمّہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا — ولہٗ — زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

ہر نفس عمرِ گذشتہ کی ہے میّت فانی — زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

فانی کی زندگی بھی کیا زندگی تھی یارب — ولہٗ — موت اور زندگی میں کچھ فرق چاہیے تھا

ہر نفس آہ او رانفاس پہ جینے کا مدار — ولہٗ — زندگی آہِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں

صبح و شامِ زندگی خوابِ پریشاں ہی سہی — یاس — کچھ حقیقت کا بھی جلوہ جلوۂ باطل میں ہے

اس شعر میں جو خیال ظاہر کیا گیا ہے وہ بیشتر اصحاب کے دل میں گذرا ہوگا، میرے دل میں بھی بارہا گذرا، میں کیا نظم کرتا، بہر حال یہ شعر مجھے پسند آیا، مگر "صبح و شامِ زندگی" کا ٹکڑا قدرے کھٹکا، کیونکہ اس کے اندر پوری زندگی نہیں آتی، اس خیال کے ماتحت یہ شعر میں نے مرزا ثاقب مرحوم کے پاس لکھ بھیجا، انھوں نے یوں درست کردیا: ؎

؎ روئدادِ زندگی خوابِ پریشاں ہی سہی
کچھ حقیقت کی جھلک بھی جلوۂ باطل میں ہے

قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ شعر کہاں سے کہاں پہنچ گیا' دوسرے مصرعے میں "جھلک" کے لفظ کا کیا کہنا !

زندگی کی حقیقت آہ نہ پوچھ اخترشیرانی موت کی وادیوں میں اک آواز

یہی زندگی مصیبت یہی زندگی مسرت جذبی یہی زندگی حقیقت یہی زندگی فسانہ

ہستی و نیستی

این ہستیِ تو ہستیِ ہست دگر است   خیام   این ہستیِ تو ہستیِ مستِ دگر است
این سر بگریبانِ تفکّر درکش   کاین دستِ تو آستینِ دستِ دگر است

این کوزه چو من عاشقِ زارے بوده است   ولہ   و اندر طلبِ روئے نگارے بوده است
این دسته که در گردنِ وے می بینی   دستے ست که در گردنِ یارے بوده است

خاکے که بزیرِ پائے ہر حیوانیست   ولہ   زلفِ صنمے و عارضِ جانانیست
ہر خشت که بر کنگرۂ ایوانیست   انگشتِ وزیرے و سرِ سلطانیست

در کارگہِ کوزه گرے رفتم دوش   ولہ   دیدم دو ہزار کوزه گویا و خموش
ناگاه یکے کوزه بر آورد خروش   کو کوزه گر و کوزه خر و کوزه فروش

دوش دیدم که ملائک درِ میخانه زدند   حافظ   گلِ آدم بسرشتند و بہ پیمانه زدند

کس ندانست که منزلگہِ مقصود کجاست   ولہ   این قدر ہست که بانگِ جرسے می آید

من ملک بودم و فردوسِ بریں جایم بود   ولہ   آدم آورد دریں دیرِ خراب آبادم

وجودِ ما معمّائیست حافظ   ولہ   که تحقیقش فسون است و فسانه

ما ز آغاز و ز انجامِ جہاں بے خبریم   کلیم   اوّل و آخرِ این کہنه کتاب افتاده ست

چو وسعتِ عدمم در خیال می آید   مطیع تبریزی   ز تنگنائے وجودم ملال می آید
گماں مبر که تو مُردی و شد جہاں خالی —— ہزار شمع بکشتند و انجمن باقیست

در عدم بودیم و آخر در عدم خواہیم رفت —— این تماشائے جہاں رامُفت می بینیم ما

دشواری ئی ندارد راہِ فنا و لیکن　　صائب　　راہے کہ بے رفیق است دشوار می نماید

سرگرانی لازمِ ہستی بود بیدل کہ صبح　　بیدل　　تا نفس باقیست صندل بر جبیں مالیدہ است

میر دنیا رہگذارے بیش نیست　　میر　　آسماں گرد و غبارے بیش نیست

وقت آنکس خوش کہ گلزارِ جہاں را دید و رفت

ولہٗ

ہم چو گُل بر بے ثباتیہائے خود خندید و رفت

دو غنچہ ہست دو عالم زگلشنِ صنعش　　عزیز　　یکے شگفتہ یکے ناشگفتہ است ہنوز

چوں نور کہ از مہر جدا ہست جدا نیست　　عبرت　　عالم ہمہ آیاتِ خدا ہست و خدا نیست

رمز یست حکیمانہ می خوانم و می رقصم　　گرامی　　خواب است بمرگ اندر مرگ است بخواب اندر

جو دیکھتے ہو اس میں خیالات و خواب ہے　　قائم　　دُنیا بھی اک نمونۂ موج سُراب ہے

عالم کسی حکیم کا باندھا طلسم ہے　　میر تقی میر　　کچھ ہو تو اعتبار بھی ہو کائنات کا

جو کچھ نظر پڑے ہے حقیقت میں کچھ نہیں　　ولہٗ　　عالم میں خوب دیکھو تو عالم ہے خواب کا

یہ جو کچھ قیل و قال ہے اپنا　　ولہٗ　　وہم ہے اور خیال ہے اپنا

یہ تو ہم کا کارخانہ ہے　　ولہٗ　　یاں وہی ہے جو اعتبار کیا

کہا میں نے گُل کا ہے کتنا ثبات　　ولہٗ　　کلی نے یہ سُن کر تبسم کیا

رہِ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ　　ولہٗ　　بہت اُس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ

وقفۂ مرگ اب ضروری ہے　　ولہٗ　　عمر طے کرتے تھک رہے ہیں ہم

کچھ نہیں اور دیکھے ہیں کیا کیا　　ولہٗ　　خواب کا سا ہے یاں کا عالم بھی

سیر کی ہم نے ہر کہیں پیارے　　ولہٗ　　پر جو دیکھا تو کچھ نہیں پیارے

اپنی ہستی حباب کی سی ہے ولہٗ یہ نمائش سراب کی سی ہے

ں ہستی خراب سے کیا کام تھا ہمیں میر درد اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

ھ لے اس چمنِ دہر کو دل بھر کے نظیر نظیر اکبرآبادی پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہوگا

جواہر خانۂ دنیا جو ہے با آب و تاب ولہٗ اہلِ صورت کا ہے دریا اہلِ معنی کا سراب

جہاں بھی خواب ہے اور ہم بھی خواب ہیں اے دل
ولہٗ
عجب بہار کا دیکھا ہے ہم نے خواب میں خواب

نگاہِ دیدۂ بے ہوش ہیں ہم ——— صدائے نالۂ خاموش ہیں ہم

قیامِ جسمِ خاکی ہے نفس پر ——— ہوا پر ہے بنا اپنے مکاں کی

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
ذوق
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

ظفر دنیائے فانی خواب کا سا ایک عالم ہے
ظفر
مگر اس خواب میں دیکھا کچھ ایسا ہے کہ کیا کہیئے

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
غالب
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
ولہٗ
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور ولہٗ جز وہم نہیں ہستیِ اشیا مرے آگے

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ ولہٗ عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی ولہٗ ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

یہ دنیا بھی ہے اِک دریائے مواج — منیرؔ — ہوئی ہیں کشتیاں لاکھوں کی تاراج

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز کس کی ہے
ہزاروں اُٹھ گئے پھر بھی وہی رونق ہے محفل کی — امیرؔ

نہیں یاں جز غبارِ نیستی اور — انورؔ — یہی خاک اُڑ رہی ہے آسماں تک

یہ زمانہ عالمِ خواب ہے پئے تشنہ مثلِ سراب ہے
جو مکیں ہے نقش بر آب ہے جو مکاں ہے مثلِ حباب ہے — مشتریؔ

عزیز احباب ساتھی دم کے ہیں سب چھوٹ جاتے ہیں
جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں — امیرؔ

ریت کی سی دیوار ہے دنیا — حالیؔ — اوچھے کا سا پیار ہے دنیا
بجلی کی سی چمک ہے اُس کی — پل دو پل کی جھلک ہے اس کی
ساتھ سوہاگ اور سوگ ہے یاں کا — ناؤ کا سا سنجوگ ہے یاں کا
ہار کبھی اور جیت کبھی — اس نگری کی ریت یہی

کاش یو۔پی کے خداوندانِ سیاست اس قسم کی ہندی کے رائج کرنے کی کوشش کرتے!

بزمِ ہستی میں مرے پیشِ نظر کیا کیا نہ تھا — شبلیؔ — دیکھتے ہی دیکھتے لیکن جو دیکھا کچھ نہ تھا
ملنے کی بھی ہے راہ نہ ملنے کی بھی ہے راہ — آسیؔ غازیپوری — دُنیا جسے کہتے ہیں عجب راہگذر ہے
سُنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سُنی — شادؔ عظیم آبادی — نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

دو ورق کا صحیفۂ ہستی — وفاؔ — کتنی بے ربطیوں کا دفتر ہے
دنیا کا ورق بینشِ اربابِ نظر میں — صفیؔ — اک تاش کا پتہ ہے کفِ شعبدہ گر میں
اک قطرۂ شبنم یہ خورشید ہے عکس آرا — اصغرؔ — یہ نیستی و ہستی افسانہ ہے افسانہ

نقش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے — ولہٗ — پردے پہ مصور ہی تنہا نظر آتا ہے

سنتا ہوں بڑے غور سے افسانہ ہستی — ولہٗ — کچھ خواب ہے کچھ اصل ہے کچھ طرزِ ادا ہے

تو بہت سمجھا تو کہہ گزرا فریبِ رنگ و بو — ولہٗ — یہ چمن لیکن اسی کی جلوہ گاہِ ناز ہے

نہ ہونا ہائے ہو گا کیا ہمارا — نظیر شاہ — کہ ہونے پر نہ ہونے کا گماں ہے

گلزارِ ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ — اقبال — ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

ہنگامۂ ہستی کی بس اتنی حقیقت تھی — اثر لکھنوی — اک موج تھی جو اٹھ کر پھر مل گئی دریا سے

ہستی مجھے خود اپنی معمہ ہے اک رواں — رواں — آزاد بھی نہیں ہوں گرفتار بھی نہیں

سمجھ تو لی ہے دنیا کی حقیقت — آسی الدنی — مگر اب اپنا دل بہلا رہا ہوں

دنیا اسیر ہے مرے دامِ خیال میں — ولہٗ — اے بے خبر مقیدِ دنیا نہیں ہوں میں

سمجھ میں آیا نہ رازِ صنعت ذرا بھی صورتگرِ ازل کا

بنا رہا ہے مٹا مٹا کر مٹا رہا ہے بنا بنا کر — تلوک چند محروم

کہاں افسانۂ ہستی کا آغاز — ولہٗ — سنانے آتے ہیں سب درمیاں سے

سفر کرتے ہوئے منزل بمنزل جا رہے ہیں ہم — ولہٗ — ہمیں یہ ساری دنیا کارواں معلوم ہوتی ہے

کبھی عالم کی ہستی اصل پر مبنی سمجھتا ہوں — آزاد انصاری — کبھی بالکل نمود سیمیا معلوم ہوتی ہے

فریبِ جلوہ اور کتنا مکمل اے معاذ اللہ — فانی — بڑی مشکل ہے دل کو بزمِ عالم سے اٹھا لینا

دنیا جسے کہتا ہے زمانہ فانی — ولہٗ — ہے ایک طلسم اجتماعِ اضداد

ہوں مگر کیا یہ کچھ نہیں معلوم — ولہٗ — میری ہستی ہے غیب کی آواز

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم — ولہٗ — رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قیدِ حیات — ولہٗ — مگر اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

کچھ نہیں کھلتا جگر رازِ طلسمِ کائنات   جگر مرادآبادی   مجھ میں یہ آباد ہے یا اس میں آباد ہوں

سرِّ ہستیٔ دو عالم کچھ نہ پوچھ   ولہٗ   ابتدا سے انتہا تک راز ہے

بلائے جاں جو نہ ہوتی کشاکشِ ہستی   سہیل   سکونِ عیش میں جینا بلائے جاں ہوتا

بزمِ ازل سے جھاڑ کے دامن چلا جو میں   ولہٗ   ذرّوں نے اُڑ کے عالمِ امکاں بنا دیا

رازیہ حل نہ کر سکا کوئی بھی کائنات میں   شاداں   کس کی تجلّیات ہیں کس کے مشاہدات ہیں

مختصر ہے فسانۂ ہستی ——— اک ورق کی کتاب ہے دنیا

مقام اور بھی ہیں دانش آزما لیکن   اختر   طلسمِ ہستیٔ فانی ترا جواب نہیں

عجب مقام ہے دنیا کہ جس میں اے جعفر   جعفر سہارنپوری   شمارِ عیش کا ہے رنج کا حساب نہیں

یہ خواب ہے کہ حقیقت نہ ہو سکا معلوم   اثر صہبائی   رہی یہ بات کہ کچھ ہے سو وہ بھی کیا معلوم

اثر فسانۂ ہستی بھی کیسا فسانہ ہے   کچھ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

قہر ہے قہر یہ دنیا طالب   طالب   اس پہ طرّہ کہ قیامت ہوگی

لحد

کشتۂ کہ عشق دارد نگذاردت بدینساں خسرو بہ جنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

ز پسِ مرگ اگر بر سرِ خاکم گذری ولہ بانگ پایت شنوم نعرہ زناں بر خیزم

بر سرِ تربتِ ما چوں گذری ہمت خواہ حافظ کہ زیارت گہِ رندانِ جہاں خواہد بود

بر سرِ تربتِ من با مے و مطرب بنشیں ولہ تا بہ بویت ز لحد رقص کناں بر خیزم

چوں شوم خاک بہ خاکم گذرے کن چو صبا سلمان تا بہ بویت ز زمیں رقص کناں بر خیزم

پسِ مردن گر آئی بے مروت بر مزارِ من —— بہ تعظیم تو بے تابانہ بر خیزد غبارِ من

بر مزارِ ما غریباں نے چراغے نے گلے —— نے پرِ پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزارِ مرا —— کہ قبر پوشِ غریباں ہمیں گیاہ بس است

آہستہ برگِ گل بفشاں بر مزارِ ما —— بس نازک است شیشۂ دل در کنارِ ما

معلوم نہیں مندرجہ بالا تین اشعار کس کے ہیں، پہلا شعر نور جہاں کی مزار پر اور دوسرا جہاں آرا کی مزار پر لکھا ہوا ہے، تیسرے شعر کی تعریف آسان نہیں، کیسی نازک خیالی ہے، اور کس خوبی سے اس کا اظہار کیا گیا ہے!

نظام الدولہ ناصر جنگ ناصر

از داغِ خویش لالہ نسوزد اگر چراغ شمعِ دگر بخاکِ شہیداں کہ می برد

ناصر جنگ شہید ہوئے تھے، گویا یہ شعر انھوں نے اپنی خاک کے متعلق کہا تھا،

بر خاکِ ما نہ شمع فرستاد نے گُلے مظہر جانجاناں مردیم و سینہ صاف نہ شُد بدگمانِ ما

سرِ لوحِ مزارش یافتند از غیب تحریرے ولہٗ کہ ایں مقتول را جز بیگناہی نیست تقصیرے

حزیں از پائے رہ پیما بسے آشفتگی دیدم حزیں سرِ شوریدہ بر بالینِ آسائش رسید اینجا

رفتم اندر تہِ خاک اُنس بہ نانم باقیست نیاز عشق جانم بربود آفتِ جانم باقیست

سر و سامانِ وجودم شررِ عشق بسوخت زیرِ خاکسترِ دل سوزِ نہانم باقیست

طمعِ فاتحہ از خلق نداریم نیاز عشقِ من از پسِ من فاتحہ خوانم باقیست

زِ من بجرمِ تپیدن کنارہ میکردی غالب بیا بہ خاکِ من و آرمیدنم بنگر

وا گفت حالِ شوق زِ دیدارِ یارِ ما ——— بشگفت نرگسے چو زِ خاکِ مزارِ ما

دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر سودا لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا

جہاں پر اب مزاریں ہو گئی ہیں میر وہاں پہلے بہاریں ہو گئی ہیں

بھیج دو خاک پر شہیدوں کی آشفتہ پھینکتے کیوں ہو فرشِ خواب کے پھول

فرشِ گُل بستر تھا اپنا خاک پر سوتے ہیں اب
آتش
خشت زیرِ سر نہیں یا تکیہ تھا زانوے دوست

لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل ——— شہیدِ ناز کی تربت کہاں ہے

ڈھیر دیکھے گُلرخوں کی خاک کے صبا واہ کیا نیرنگ ہیں افلاک کے

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں غالب خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم ولہٗ تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے

جنت میں روح جسم ہے نیچے مزار کے امیر کشتی ہماری ڈوب گئی پار اُتار کے

ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں ولہٗ پھر اس قدر بھی ہمارا نشاں رہے نہ رہے

غبار آلودہ ہے پائے حنائی ——— مٹا کر آئے ہو مدفن کسی کا

کہاں صحنِ عالم کہاں کنجِ مرقد ——— بسر کرنیوالے بسر کر رہے ہیں

ہم بھی گئے تھے آج مزارِ ریاض پر   ریاض   پژمردہ چند پھول تھے اک اشکبار شمع

کل ہم گئے تھے دیکھ کے آنسو نکل پڑے   ولہٗ   بے شمع و گل ریاض کی تربت چمن میں تھی

مری قبر پر آ کے میکش پئیں   ولہٗ   گھٹا حسرتوں کی ہے چھائی ہوئی

جب کبھی گورِ غریباں پہ چراغاں کرنا   عزیز   ایک ٹوٹی ہوئی تربت پہ بھی احساں کرنا

دامنِ تربت کا سبزہ نرم و نازک ہے بہت   برہم   تاب لا سکتا نہیں یہ گرمیٔ رفتار کی

ناز اپنی تیرگی پہ ہے شامِ مزار کو   ثاقب لکھنوی   لاؤں کہاں سے ہجر کی شبہائے تار کو

دن کو اک نور برستا ہے مری تربت پر   حفیظ جونپوری   شب کو اک چادرِ مہتاب تنی ہوتی ہے

محبوب کا مزار پر آنا

پا نہادی بہ سرِ تربتِ من بعد از قتل   خسرو   مشت خاکے بہ جبیں لطف سزاوار نبود

گذشتی بر مزارم شورشے انداختی رفتی   لامع   کفِ خاکِ مرا صحرائے محشر ساختی رفتی

سرِ مزار پئے سیر لالہ زار آمد   قتیل   تپیدنِ دلِ پُر خون ما بکار آمد

افتاد بخاکم گذر آن سروِ رواں را   نواب شاہجہاں بیگم شاہجہان   من مردہ خوشم زیست مبارک دگراں را

انکار قتل سے تو کرے ہے سجن ہنوز   سودا   میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

بعد مرنے کے مری قبر پہ آیا وہ میر   میر   یاد آئی میرے عیسیٰ کو دوا میرے بعد

گور پر میری پس از مدت قدم رنجہ کیا   ولہٗ   خاک میں مجھ کو ملا کر مہرباں بارے ہوئے

قیامت آ گئی اے خفتگانِ خاک اٹھ بیٹھو   مہر   کہ وہ آتے ہیں سر کھولے ہوئے گورِ غریباں پر

بھرے ہیں آنکھ میں آنسو اُداس بیٹھے ہیں — نقش — یہ کس غریب کی تربت کے پاس بیٹھے ہیں

بہت رویا وفائیں یاد کر کے ——— ستمگر دیکھ کر مدفن ہمارا

نہ چلا کے رو قبر پر رونے والے — جلال — بدلنے لگے کروٹیں سونے والے

آئے ہیں بعد مرگ چڑھانے وہ قبر پر — ولہٗ — چشم کرم میں چادر گوہر لئے ہوئے

جمع ہوئے ہیں کچھ حسیں گرد مری مزار کے — آرزو لکھنوی — پھول کہاں سے کھل گئے دن تو نہ تھے بہار کے

نیرنگ حسن و عشق کی وہ آخری بہار ——— تربت تھی میری اور کوئی اشکبار تھا

وہ شام کو لحد پہ ہماری ہجوم یاس — اثر لکھنوی — وہ ڈر کے دیکھنا کسی کمسن کا دور سے

دیر سے کیوں مری تربت پہ کھڑے روتے ہیں — یاس عظیم آبادی — آخری وقت بھی تشریف نہ لانے والے

شمع مزار

شمع بر خاک شہیداں گر نباشد گو مباش — صائب — لالہ در کوہ بدخشاں گر نباشد گو مباش

جی بھر کے رو تو لینے دے اس اشکبار کو ——— کیوں اے صبا بجھاتی ہے شمع مزار کو

لحد پہ مری کوئی پردہ پوش آتا ہے ——— چراغ گور غریباں صبا بجھا دینا

ہیں لاکھ دست حنائی سے اہتمام ——— جلتا نہیں چراغ ہمارے مزار کا

نسیم آئی ہے شمع مزار گل کرنے — ریاض — وہ اس کے آنے سے پہلے ہی جل بجھی ہو گی

مہاراجہ محمود آباد نے ایک مرتبہ ریاض سے کہا کہ اگر اس وقت امیر زندہ ہوتے تو تم پہ فخر کرتے، ریاض نے کہا ایسا نہ فرمائیے وہ استاد تھے، مہاراجہ اس جواب پر بھی اپنی رائے پر قائم رہے، تو ریاض نے شعر مذکرہ بالا سنا کر کہا کہ اس شعر میں استاد نے کوئی لفظ گھٹایا یا بدلا نہیں، صرف ایک لفظ "اب" کو مصرعۂ اول میں بڑھا کر زمین کو آسمان کر دیا یعنی

پہلا مصرعہ یوں کر دیا ع

نسیم اب آئی ہے شمعِ مزار گُل کرنے

دیدنی تھی اس اُداسی کی بہار اختر مینائی ہو کے گُل جب شمعِ تربت رہ گئی

وہ گذرا اُدھر سے جو بیگانہ وار آثر لکھنوی چراغِ لحد جھلملانے لگا

سحر ہوئی کہ وہ یادش بخیر آتا ہے فانی چراغ ہیں مری تربت کے جھلملائے ہوئے

مُشتِ غبارِ عاشق

مکدّر گر نہ گردی با تو گویم ــــــ کہ با مُشتِ غبارِ ما چہ کردی

محبت کے رود گر استخوانم توتیا گردد ‏ ناصر علی ‏ کہ از سائیدنِ صندل کجا نقصان رسد بو را

مشتِ خاکِ خویش را فرشِ رہِ او ساختم ‏ افتخار ‏ تا بہ ایں تقریب یابم دولتِ پابوس را

اگرچہ خاک شدم اضطرابِ من باقیست ‏ میر غلام علی آزادؔ ‏ کہ پیچ و تابِ رسن بعد سوختن باقیست

ندیدم میرؔ را در کوئے او لیک ‏ میرؔ ‏ غبارے ناتوانے با صبا بود

رسید نہائے منقارِ ہما بر استخوانِ غالبؔ ‏ غالبؔ ‏ پس از عمرے بیادم داد راہ و رسم پیکاں را

ہم خاک بھی ہوگئے پر اب تک ‏ بیدارؔ ‏ دل سے نہ ترے غبار نکلا

دامن کو ترے نہ پہنچے اب تک ‏ ولہٗ ‏ ہر چند غبار ہوگئے ہم

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا ‏ میرؔ ‏ یک سر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر ‏ ‏ میں بھی کبھو کسی کا سرِ پُر غرور تھا

نہ دیکھا میرِؔ آوارہ کو لیکن ‏ ولہٗ ‏ غبار اک ناتواں سا کو بکو تھا

✓ آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم ‏ ولہٗ ‏ اب ہوئے راکھ انتہا یہ ہے

کیا مجال اُس کی کہاں تو اور کہاں میرا غبار ‏ حسرتؔ ‏ لگ چلا دامن سے تیرے مہربانی کے سبب

قاتل سے خوں بہا کو ہمارے نہ کہیو کچھ ‏ بلیغؔ ‏ اتنا مگر کہ خاک پہ میری گذر کرے

اُڑا کے ساتھ یہ مُشتِ غبار لیتا جا ‏ ناسخؔ ‏ مجھے رکاب میں او شہسوار لیتا جا

یہ مشتِ خاک ہو مقبولِ درگاہ　　آتش　　صبا کی چاہتا ہوں مہربانی

میں خاک بھی ہوا تو ہوا اُن کے در کی خاک　　امیر　　چھوٹا نہ دستِ عجز سے دامن غرور کا

مری خاک بھی لحد میں نہ رہی امیر باقی　　ولہٗ　　اُنھیں مرنے ہی کا اب تک نہیں اعتبار ہوتا

اب نہ آبادی کی مٹی ہے نہ ویرانے کی خاک　　منوّر　　اور ہی کچھ ہو چلی ہے تیرے دیوانے کی خاک

ہماری خاک میں اتنی کہاں رسائی ہے　　صابر　　نہ جانے دل میں ترے کس طرح غبار آیا

سرمہ بنا ہے چشمِ ملائک فریب میں　　برہم　　اللہ رے عروج ہمارے غبار کا

تم کریدوگے اگر خاک دھواں اُٹھے گا　　وسیم　　کچھ ابھی دل کی لگی ہم نے دبا رکھی ہے

لے چلی بادِ صبا ساتھ مرا مُشتِ غبار　　جوہر　　کس گلستاں کی ہے قسمت میں بیاباں ہونا

کس نظر سے اُس نے دیکھا اپنے دامن کی طرف　　فانی　　کانپ اُٹھا ہر ذرہ میری خاکِ دامنگیر کا

ہماری خاک کا ہر ذرہ اب دوشِ صبا پر ہے　　سہیل　　شہیدانِ وفا رہتے نہیں بارِ زمیں ہو کر

نہ ہو کیوں ناز مجھ کو اپنی قسمت کی رسائی پر　　اسد گورکھپوری　　لبِ رنگیں ہیں اُن کے اور ساغر ہیں مری گِل کے

اخلاقیات

اطاعت

اطاعت بجز خدمتِ خلق نیست — سعدی — بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست
بہ نو بہارِ جوانی اطاعتِ حق کن — صائب — کہ چوبِ خشک چو گردید خم نمی گردد

قناعت

دنیا اگر دہند نہ خیزم زجای خویش — صائب — من بستہ ام حنائے قناعت بپای خویش
بہر یک جرعۂ مے منّتِ ساقی نکشیم — زیب النسا — اشکِ ما، بادۂ ما، دیدۂ ما شیشۂ ما
شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ — آتش — قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے

تسلیم و رضا

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — احمد جام زندہ پیل — ہر زماں از غیب جانے دیگر است

قطب صاحب (خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ) سماع کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ایک بار شیخ علی سجستانی کی خانقاہ میں محفلِ سماع تھی، قوال نے شعر مندرجۂ بالا گانا شروع کیا، قطب صاحب پر وجد طاری ہوا، تین دن تین رات لگاتار اسی حالت میں رہے، جب نماز کا وقت آتا

تو وضو کر کے فرض اور سنتیں ادا کر لیتے اور پھر اُسی حالت میں ہو جاتے ; یہاں تک کہ واصل بحق ہوئے' امیر حسن نے اس بیت پر ایک غزل کہی' اور ایک شعر میں قطب صاحب کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے' شعر یہ ہے : ؎

جاں برایں یک بیت داد است آن بزرگ
آرے ایں گوہر زِکانے دیگر است

اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا — مونس — سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

عادت تو امیر اچھی ہے فریاد و فغاں کی — امیر — پر شیوۂ تسلیم و رضا اور ہی کچھ ہے

سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم — حالی — ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے

ہر رنگ میں راضی برضا ہو تو مزا دیکھ — جوہر — دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

اسلام کے پیرو ہیں نہ ہیں کفر کے بندے — مؤلف — ہم شیوۂ تسلیم و رضا کے ہیں پرستار

صبر

صبر کن حافظ بہ سختی روز و شب — حافظ — عاقبت روزے بیابی کام را

حافظ از بادِ خزاں در چمنِ دھر مرنج — ولہٗ — فکر معقول بفرما گُلِ بیخار کجاست

حافظ صبور باش کہ در راہِ عاشقی — ولہٗ — ہر کس کہ جاں نداد جاناں نمی رسد

صبر تلخ است ولیکن برِ شیریں دارد

سر سید کا زمانۂ شباب رنگین صحبتوں میں بھی گذرا تھا' وہ زندہ دل' بذلہ سنج اور حاضر جواب تھے' اس زمانہ میں دہلی میں ایک مشہور طوائف شیریں تھی' حُسن میں یگانہ نہ تھی لیکن اس کی ماں بد شکل تھی' ایک مجلس میں شیریں معہ اپنی ماں کے گئی' سر سید بھی مجلس میں تھے

اور اس کا نتیجہ [illegible] دوست پیچھے ہو گئے تھے دوست شیریں کا

کو نتیجہ بہتر ہوتا ہے "مادرِ شیریں بار تلخ است" سرسید نے مصرعہ بالا تھوڑی سی تبدیلی

سے اپنا لیا اور پسند دیا :

گرچہ تلخ است ولیکن برِ شیریں دارد

دوستی

تا می توان شکست دلِ دوستاں مخواہ	قاآنی	کیں نامہ را بکعبہ مقابل نہادہ اند
اور سب کچھ جہاں میں ملتا ہے	مصحفی	لیکن اک آشنا نہیں ملتا
دوستوں سے اس قدر صدمے اٹھائے جان پر	آتش	دل سے دشمن کی شکایت کا گلہ جاتا رہا
خیالِ خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم	انیس	انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو
ہے تجسس شرطیاں ملنے کو کیا ملتا نہیں	امیر	گر نہیں ملتا تو صادق آشنا ملتا نہیں
کہیں کہیں دوسرا مصرعہ یوں دیکھا ہے :		پر کہیں دنیا میں صادق آشنا ملتا نہیں
ہے وہی دوست جسے جس سے محبت ہو جائے	امیر	یہ نہ اپنے پہ ہے موقوف نہ بیگانے پر
کسی نا آشنا کا کیا کہنا	ولہٗ	آشنا کی جب آشنا نہ سنے
دوستی کیا اسی کو کہتے ہیں	داغ	آشنا کی جو آشنا نہ سنے
غرض کے آشنا ہیں آشنا سب بزمِ عالم میں	جلیل	جہاں شیشہ ہوا خالی جدا پیمانہ ہوتا ہے

کسی اُستاد کا شعر ہے : ؎

بوقتِ تنگدستی آشنا بیگانہ میگردد

صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ میگردد

غالباً جلیل نے اس شعر کے مفہوم کو سامنے رکھ کر شعر کہا ہے، قارئین طے کریں کہ کون شعر بہتر ہے، مجھے تو فانی کا شعر زیادہ پسند ہے، وہ شعر ہی نہیں بلکہ مطلع بھی ہے

بڑا دکھ دیا گردشِ چرخ نے   آسی الدنی   کہ احباب کو آزمانا پڑا

کرم

کریماں را بدست اندر درم نیست ـــــــ خداوندان نعمت را کرم نیست

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب   غالب   تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

نصیحت

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند

حافظ

جوانانِ سعادتمند پندِ پیرِ دانا را

نوا را تلخ تر میزن چو ذوقِ نغمہ کم بینی   عرفی   حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

کرم کرم نہ سمجھ گر کسی غرض سے ہو   شیفتہ   ستم ستم نہ سمجھ گر ہو امتحاں کے لئے

دل جلوں سے دل لگی اچھی نہیں   ریاض   رونے والوں سے ہنسی اچھی نہیں

طریقۂ زندگی

دل بدست آور کہ حج اکبر است   شمس تبریزی   با ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

کعبہ بنگاہِ خلیلِ آذر است   ویں گذرگاہِ جلیلِ اکبر است

آسائشِ دو گیتی تفسیرِ ایں دو حرف است   حافظ   با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

ہنگامِ تنگ دستی در عیش کوش و مستی — ولہ — کیں کیمیائے ہستی قارون کند گدا را

ما ملکِ عافیت نہ بہ لشکر گرفتہ ایم — ولہ — ما تخت و سلطنت نہ بہ بازو نہادہ ایم

نہ نہادہ ایم بارِ جہاں بر دلِ ضعیف — ویں کار و بار بستۂ یک مو نہادہ ایم

نہ کسی کو کڑی کہی ہم نے ...... نہ کسی کی کڑی اٹھائی بات

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا — مولانا محمد اسمٰعیل — کہ جو تم سے کوئی کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

میر بھی

نہیں معلوم کیا واجب ہے کیا فرض — ولہ — میرے مذہب میں ہے نیری نساقر (نیں)

اخلاقیات کے مختلف پہلو

بزرگی سراسر بہ گفتار نیست — فردوسی — دو صد گفتہ چون نیم کردار نیست

عیب است عظیم برکشیدن خود را — عمر خیام — وز جملۂ خلق برگزیدن خود را

از مردمکِ دیدہ بباید آموخت — دیدن ہمہ کس را و ندیدن خود را

دورانِ جہاں چو باد صحرا بگذشت — ولہ — تلخی و خوشی و زشت و زیبا بگذشت

پنداشت ستمگر کہ جفا بر ما کرد — بر گردنِ او بماند و بر ما بگذشت

زاہد بہ نماز و روزہ خبطے دارد — ولہ — عاشق بہ مئے دو سالہ ربطے دارد

معلوم نشد کہ یار سرور یکیست — ہر کس بخیالِ خویش خبطے دارد

در دہر ہر آنکہ نیم نانے دارد — ولہ — وز بہر نشست آستانے دارد

نے خادمِ کس بود نہ مخدومِ کسے — گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

منعم کہ کباب می خورد میگذرد — ولہ — وز بادۂ ناب می خورد میگذرد

درویش بہ کاسۂ گدائی نان را — تر کردہ بہ آب می خورد میگذرد

آگے آپ کو سرمد کی رباعی تقریباً ایسی ہی ملیگی، فرق صرف اس قدر ہے کہ سرمد کی رباعی میں روانی زیادہ ہے،

در راہ چناں رو کہ سلامت نکنند — ولہ — در خلق چناں زی کہ قیامت نکنند
در مسجد اگر روی چناں رو کہ ترا — در پیش نخوانند و امامت نکنند

درد ہر کسے بہ گلعذارے نرسید — ولہ — تا بر دلش از زمانہ خارے نرسید
در شانہ نگر کہ تا بصد شاخ نہ شد — دستش بہ سر زلف نگارے نرسید

گر روئے زمیں بجملہ آباد کنی — ولہ — چنداں نہ بود کہ خاطرے شاد کنی
گر بندہ کنی بلطف آزادے را — بہتر کہ ہزار بندہ آزاد کنی

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر — اوحدی — تو چہ دانی کہ دراں گرد سوارے باشد

خود بینی و خویشتن پرستی — سعدی — رسمیست کہ در دیارِ ما نیست

تواضع زِ گردن فرازاں نکوست — ولہ — گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

منہ دل بریں دیر ناپائیدار — ولہ — زِ سعدی ہمیں یک سخن یاد دار

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند — ولہ — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرمانبردار — شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

ناخدا در کشتیِٔ ما گر نباشد گو مباش — خسرو — ما خدا داریم و ما را ناخدا در کار نیست

آں شد کہ بارِ منتِ ملاح بردمے — حافظ — گوہر چو دست داد بدریا چہ حاجت است

تا صد ہزار خار نمی روید از زمیں — ولہ — از گلبنے گلے بہ گلستاں نمی رسد

ہزار نکتۂ باریکتر زِ مو اینجاست — ولہ — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

مے خور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن — ولہ — ساکنِ بتخانہ باش و مردم آزاری مکن

ہر کسے ناصح برائے دیگراں .... ناصح خود یافتم کم در جہاں

ہمایوں ہندوستان سے پسپا ہوکر ایران جاتا ہے اور شاہ طہماسپ کا مہمان ہوتا ہے۔ ایک رات محفلِ رقص و سرود برپا ہوتی ہے، مغنیہ شاہِ ایران کے سامنے کھڑی ہوکر گاتی ہے: ؎

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
مبارک مملکت کاں ملک را شاہے چنیں باشد

کیسا مطلع ہے اور کیسے موقع سے گایا گیا! اس کے بعد مغنیہ آہستہ آہستہ ہمایوں کے سامنے جاتی ہے اور یہ شعر گاتی ہے: ؎

زِ رنج و راحتِ گیتی مرنجاں دل مشو خرم
کہ آئینِ جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

شعر مخاطب کے کس قدر حسبِ حال ہے۔ ارباب ذوق اندازہ کر سکتے ہیں کہ مغنیہ کا ذہن کس قدر رسا ہوگا۔ اب زمانہ بدل چکا ہے!

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند!

آہستہ خرام بلکہ مخرام ..... زیرِ قدمت ہزار جان است

دل کہ رنجید از کسے خرسند کردن مشکل است .... شیشۂ بشکستہ را پیوند کردن مشکل است

تا میتواں شکستِ دلِ دوستاں مخواہ فغانی کیں خانہ را بہ کعبہ مقابل نہادہ اند

اکبر اعظم

از بارِ گنہ خمیدہ پشتم چہ کنم
نے راہ بہ مسجد نہ کنشتم چہ کنم

نے در صفِ کافر نہ مسلماں جایم
نے لائقِ دوزخ نہ بہشتم چہ کنم

دوشینہ بکوے مے فروشاں ولہٗ پیمانۂ مے بزر خریدیم
اکنوں زِ خمار سر گرانیم زر دادم و دردِ سر خریدیم

ہم سمندر باش و ہم ماہی کہ در جیحونِ عشق عرفی روئے دریا سلسبیل و قعرِ دریا آتش است

درمیانِ کافراں ہم بودہ ام نظیری یک کمر شائستۂ زنّار نیست

زِ ہولِ روزِ جزا آذری چہ می ترسی آذری تو کیستی کہ دراں روز در شمار آئی

بے نیازانہ زِ ارباب کرم میگزرم طالب آملی چوں سیہ چشم کہ بر سرمہ فروشاں گذرد

بہر یک گل زحمتِ صد خار می باید کشید

جہانگیر کے دربار میں جامی کا یہ مصرعہ کسی نے پڑھا، اس کی برجستگی سے جہانگیر کو خیال ہوا کہ پوری غزل عمدہ ہو گی، دیوان نکلوا کر دیکھا، صرف یہی مصرعہ غزل کی کائنات تھی، جہانگیر نے خود جو مطلع کہا، وہ بھی خوب ہے، قارئین ملاحظہ فرمائیں :-

ساغرِ مے بر رُخِ گلزار می باید کشید
ابر بسیار است مے بسیار می باید کشید

روشندلاں خوشامدِ شاہاں نمی کنند کلیم آئینہ عیب پوش سکندر نمی شود

ہر کسے وارد دریں بازار سودائے دگر ——— ہر کسے بندد بر آئینِ دگر دستار را

گماں مبر کہ چو تو بگذری جہاں بگذشت ——— ہزار شمع بکشتند و انجمن باقیست

بعضے بہ تماشائے خط و خال خوش اند ——— بعضے بہ تماشائے زر و مال خوش اند

اینہا ہمہ اسبابِ پریشانیہاست ——— خوش حال کسانیکہ بہر حال خوش اند

ادب تاجیست از لطفِ الٰہی ——— بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

نہ شگوفہ ام نہ ثمرم نہ درخت سایہ دارم ——— ہمہ حیرتم کہ مارا بچہ کار کشت دہقاں

زمین شدیم چہ شد آسماں شدیم چہ شد ...... بہ نظرِ خلق سبک یا گراں شدیم چہ شد
بہیچ نوع دریں گلستاں قرارے نیست تو گر بہار شدی من خزاں شدیم چہ شد
بیک ساعت بیک لحظہ بیک دم ...... دگرگوں می شود احوالِ عالم

پہلا مصرعہ کہیں کہیں یوں بھی دیکھا ہے :- بہر ساعت بہ ہر لحظہ بہر دم

بر میوہ رسیدہ زدن سنگ ابلہی ست مرزا طاہر وحید زنہار از سوال مرنجاں کریم را
اگر حجاب کنی از خدا فرشتہ شوی صائب چنانکہ میکنی از مردماں حجابِ اینجا
وقتِ رفتن نیست در دنبال چشمِ حسرتش ولہٗ ہر کہ پیش از خود فرستاد دستِ مالِ خویش را
منہ بر دلِ زار بارِ جہاں را ولہٗ سبک ساز بر شاخِ گُل آشیاں را
چوں نشود ہموار دشمن احتیاط از کف مدہ ولہٗ مکر ہا در پردہ باشد آبِ زیرِ کاہ را
ممنوں شوم زِ ہر کہ بمن کج کند نگاہ ولہٗ تیرِ کج است آیۂ رحمت نشانہ را
رزقِ ما آید بہ پائے میہماں از خوانِ غیب ولہٗ میزبانِ ماست ہر کو می شود مہمانِ ما
بذوقِ مطرب و مے روزہا بشب کردی ولہٗ شبے بذوقِ مناجاتِ کردگار مخسپ
فردا چو غم زیادہ زِ امروز می رسد ولہٗ امروز خوردنِ غمِ فردا چہ حاجت است
چوں خطائے از تو سر زد در پشیمانی گریز ولہٗ از خطا نادم نگردیدن خطائے دیگر است
کاملِ ہنراں در وطنِ خویش غریب اند ولہٗ در پشتِ صدف گوہرِ شہوار یتیم است
راہ بسیار است مردم را بقربِ حق ولے ولہٗ راہ نزدیکش دلِ مردم بدست آوردن است
چوں رزقِ تو بر سفرۂ افلاک نوشت است ولہٗ اے سست یقیں ایں ہمہ اندیشۂ نان چیست
نقشِ پائے رفتگاں ہموار سازد راہ را ولہٗ مرگ را داغِ عزیزاں بر من آساں کردہ است
صائب نصیحت است زِ ما جبلان مرا ولہٗ تا صلح ممکن است مکن اختیار بحث

آشنائے حق شد آں کس کز جہاں بیگانہ شد — ولہ — ہر کہ زیں دریا برآید گوہر یکدانہ شد

دور دستاں را بہ احساں یاد کردن ہمت است — ولہ — ورنہ ہر نخلے بہ پائے خود ثمر می افگند

دوستی با ناتواں مایۂ روشن دلیست — ولہ — موم چوں با رشتہ سازد شمع محفل میشود

چوں سرو در مقامِ رضا پائدار باش — ولہ — آزاد ز انقلاب خزان و بہار باش

ز خار زارِ تعلق کشیدہ داماں باش — ولہ — بہر چہ میکشد دل ازاں گریزاں باش

دیدی از اخواں چہ خواریہا عزیزِ مصر دید — ولہ — چشم دلجوئی نمی باید ز اخواں داشتن

کسے کہ می نہد از حدِ خود قدم بیروں — ولہ — کبوتریست کہ می آید از حرم بیروں

بہ ہمت گوہرِ یکدانہ چوں مرداں بدست آور — ولہ — چو زاہد تا بکے در سبحہ صد دانہ آویزی

اعتمادے نیست بر شیرازۂ موجِ شباب — ولہ — دل منہ بر جلوۂ ناپائیدارِ زندگی

اگر نہفتہ نمی بود کارفرمائے — ولہ — جہاں چنانکہ تو میخواستی چناں بودے

در جہاں باش ولیکن ز جہاں فارغ باش — رائے چندربھان برہمن — ہر کہ فارغ ز جہانست جہانے با اوست

بر تواضع ہائے دشمن تکیہ کردن ابلہی ست — غنی — پائے بوسِ سیل از پا افگند دیوار را

سنگیں دل است ہر کہ بظاہر ملائم است — ولہ — پنہاں درونِ پنبہ نگر پنبہ دانہ را

اتفاقِ ناتواناں مایۂ دولت بود — ولہ — اوجِ موجِ جویبار از اجتماعِ قطرہاست

فکرِ روزی بر نمی دارد مرا از جائے خویش — ولہ — آبرو چوں شمع می ریزم ولے بر پائے خویش

اعتبارِ وعدہ ہائے مردمِ دنیا غلط — ولہ — ہاں غلط آرے غلط اکنوں غلط فردا غلط

آنکس کہ شراب می خورد می گذرد — سرمد — وآنکس کہ کباب می خورد می گذرد

سرمد کہ بکاسۂ گدائی ناں را — تر کردہ بہ آب می خورد می گذرد

چیں بر جبیں ز جنبشِ ہر خس نمی زنند — سالک یزدی — دریا دلاں چو آبِ گہر آرمیدہ اند

بس کن ز کبر و ناز کہ دیداست روزگار ـــــ چینِ قبائے قیصر و طرفِ کلاہِ کے

کارسازِ ما بفکرِ کارِ ما ـــــ کارِ ما در فکرِ ما آزارِ ما

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست ـــــ ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

کفر است در طریقۂ ما کینہ داشتن ـــــ آئینِ ماست سینہ چو آئینہ داشتن

بادہا خوردن و ہشیار نشستن سہل است ـــــ گر بدولت برسی مست نگردی مردی

اگر دشمن دوتا گردد بہ تعظیمش مشو غافل ـــــ کمر خم کردنِ صیاد آفتِ جانِ مرغاں است

دریں چمن کہ بہار و خزاں ہم آغوش است ـــــ زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش است

طبعے بہم رساں کہ بسازی بہ عالمے ـــــ یا ہمتے کہ از سرِ عالم تواں گذشت

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام ـــــ در ریاضِ آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

ہیچ کارے نیست بے تصدیع در زیرِ فلک   خالص   دردِ سر دارد اگر صندل بسر مالیدن است

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسبابِ جہاں   بیدل   آنچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا گفتن   ولہ   اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

ہر کہ شد خلوت گزیں کیفیتے پیدا کند   جرأت   خم نشینی شیرۂ انگور را صہبا کند

مدتِ شادی و غم نیست برابر بہ جہاں   ولہ   گریۂ شمع شبے خندۂ صبح است دمے

دور باید داشت از چینہا کشادہ جبہہ را   میر غلام علی آزاد   بابِ حسنِ خلق را زنجیر کردن خوب نیست

نہ رسد رنج خاکساراں را   زائر   سایہ را ہیم پائمالی نیست

خواہشِ ملکِ سلیماں الٰہی ست   یحییٰ بلگرامی   دولتِ پایندہ در دستِ تہی ست

بے تکلف در بلا بودن بہ از بیمِ بلاست   ناثر   قعرِ دریا سلسبیل و روئے دریا آتش است

ہمچہ باید مرد را طبعے بلندے مشربے نابے   اقبال   دلِ گرمے نگاہے پاکبازے جانِ بیتابے

دادار را بخدمتِ ما احتیاج نیست — لاہوتی — خدمت بخلق کن کہ بہ دادار میسکنی

مفلسی سب بہار کھوتی ہے — ولی — مرد کا اعتبار کھوتی ہے

سودا نگاہِ دیدۂ تحقیق کے حضور — سودا — جلوہ ہر ایک ذرّے میں ہے آفتاب کا

ہندو ہیں بُت پرست مسلماں خدا پرست — ولہٗ — میں پوجتا ہوں اُس کو جو ہو آشنا پرست

بھلا گُل تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر — ولہٗ — بنا روتی ہے کس کی ہستیٔ موہوم پر شبنم

غفلت میں زندگی کو نہ کھو گر شعور ہے — ولہٗ — یہ خواب زیرِ سایۂ بالِ طیور ہے

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام — میر — آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا

مجھ بے نوا کی یاد رہے میر یہ صدا — ولہٗ — اس میکدے میں رہیو بہت ہوشیار دوست

میر صاحب زمانہ نازک ہے — ولہٗ — دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے — ولہٗ — سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم

میر صاحب تم فرشتہ ہو تو ہو — ولہٗ — آدمی ہونا تو مشکل ہے میاں

رنگِ گُل و بوئے گُل ہوتے ہیں ہوا دونوں — ولہٗ — کیا قافلہ جاتا ہے تو بھی جو چلا چاہے

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا — بیان — سُرخ و سفید ماٹی کی مورت ہوئی تو کیا

یہ عجب مزہ ہے یارو کہ بروزِ عید قرباں — انشا — وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

کہیں کہیں پہلا مصرعہ یوں بھی دیکھا ہے:- یہ عجب ماجرا ہے کہ بروزِ عیدِ قرباں

یہ عجب رسم دیکھی کہ بروزِ عیدِ قرباں — مصحفی — وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

بھلا کرنے آئے بُرا کر چلے — رنگین — ہم آئے تجھے کیا کرنے کیا کر چلے

رنگِ عشرت باغِ عالم میں نظر آتا نہیں — ناسخ — گُل کو گلچیں کا خطر بلبل کو ڈر صیّاد کا

انسان کو انساں سے کینہ نہیں اچھا — ولہٗ — جس سینہ میں کینہ ہو وہ سینہ نہیں اچھا

ہے بُروں کو عیش اور اچھوں کو ہے دنیا میں رنج
توڑتا ہے گُل کو گلچیں چھوڑتا ہے خار کو — ولہ

سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے — ولہ — کہ تاریکی میں سایہ بھی جُدا رہتا ہے انساں سے

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر — شہیدی — تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

ایّام مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے — ولہ — دن عیش کے گھڑیوں میں گذر جاتے ہیں

اور کوئی طلب ابنائے زمانہ سے نہیں — آتش — مجھ پہ احساں جو نہ کرتے تو یہ احساں ہوتا

کُفر و اسلام کی کچھ قید نہیں ہے آتش — ولہ — شیخ ہو یا کہ برہمن ہو پر انساں ہوئے

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن — مومن — آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

بجا کہے جسے عالم اُسے بجا سمجھو — ذوق — زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

لیتے ہیں ثمر شاخ ثمرور کو جھکا کر — ولہ — جھکتے ہیں سخی وقتِ کرم اور زیادہ

اے ذوق تکلّف میں ہے تکلیف سراسر — ولہ — آرام سے وہ ہیں جو تکلّف نہیں کرتے

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن — ولہ — اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

نہ چھوڑ تو کسی عالم میں راستی کہ یہ شے — ولہ — عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جواں کے لئے

یوں پھریں اہلِ کمال آشفتہ حال افسوس ہے ——— اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

ظفر آدمی اُس کو نہ جانئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہے جسے ط[illegible]ف خدا نہ رہے — ظفر

دو دن کی زندگی پہ نہ اتنا مچل کے چل — ولہ — دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

نہیں ناداں کی دوستی بہتر — ولہ — بلکہ دانا کی دشمنی اچھی ہے

اے رشک مصیبت میں نہیں کوئی بھی اپنا — رشک — اپنا نہیں جب اپنا بیگانے کو کیا کہئے

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا — غالب — درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

غرّہ بر اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہ ہو — ولہٗ — اِن بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن

نغمہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانئے — بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو — ولہٗ — جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہیں

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج — ولہٗ — مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں — ولہٗ

نہ سنو گر بُرا کہے کوئی — ولہٗ — نہ کہو گر بُرا کرے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی — بخش دو گر خطا کرے کوئی

کیا کیا خضر نے سکندر سے — اب کسے رہنما کرے کوئی

غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے — ولہٗ — ایسا بھی ہے کوئی کہ سب اچھا کہیں جسے

بیگانگیٔ خلق سے بیدل نہ ہو غالب — ولہٗ — کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا — ولہٗ — ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب — ولہٗ — مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

جو مدعی بنے اس کے نہ مدعی بنئے — ولہٗ — جو نا سزا کہے اس کو نہ نا سزا کہئے

سفینہ جب کہ کنا[illegible]لب — خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہئے

نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے
سفر ہے دشوار خواب کب تک بہت بڑی منزلِ عدم ہے — نسیم دہلوی

آرام سے ہے کون جہانِ خراب میں — شیفتہ — گُل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں

تنگدستی اگر نہ ہو سالکؔ — سالک — تندرستی ہزار نعمت ہے

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیسؔ — انیس — عروجِ مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

صبح طالع ہوئی سو بھی اُٹھے سونیوالے — آفریں او میرے بیدار نہ ہونے والے

یوں ہم نے اپنے گھر میں بسر کی تمام عمر — جیسے کسی کے گھر میں کوئی میہماں رہے

اے داغؔ اپنی وضع ہمیشہ یہی رہی — داغ — کوئی کھنچا کھنچے کوئی ہم سے ملا ملے

میر محبوب علی خاں آصفؔ (نظام دکن)

دُنیا کی فکر تجھ کو اگر سو لگی رہے — آصفؔ یہ شرط ہے کہ اُدھر لو لگی رہے

بہت جی خوش ہوا حالیؔ سے مل کر — حالی — ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

بسانِ آسیا پائے توکل کو نہ لغزش دے — آسی غازیپوری — کہ منہ میں آ رہے گا خود بخود تقدیر کا دانا

کبھی تدبیر سے غیر از مقدر مل نہیں سکتا — جو ہے تقدیر کا دانا وہ ہے تدبیر کا دانا

حُسنِ صورت کے لئے خوبیٔ سیرت ہے ضرور — ولہٗ — گُل وہی حُسن ہیں کہ خوشبو بھی ہو رنگت کے سوا

زمانے میں جو چیز ہے دیکھنے کی — عبرت گورکھپوری — نہ تم دیکھتے ہو نہ ہم دیکھتے ہیں

دل کو امید و یاس کی دنیا نہ کیجئے — خلوت کدے کو بزمِ تماشا نہ کیجئے

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوں — ناطق لکھنوی — جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر — اقبال — مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

کب تلک طور پہ دریوزہ گری مثلِ کلیم — ولہٗ — اپنی ہستی سے عیاں شعلۂ سینائی کر

اس گلستاں میں نہیں حد سے گذرنا اچھا — ناز بھی کر تو باندازۂ رعنائی کر

برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں — ولہٗ — شمع گوتم جل رہی ہے خانۂ اغیار میں

ہو حسنِ طلب لاکھ مگر کچھ نہیں ملتا — جوہر — ہو صدقِ طلب پھر اثرِ آہِ رسا دیکھ

صورتِ موج ہو سرگرمِ سفر — اثر لکھنوی — ساحل آجائے تو کترا کے گذر

…ے انسان کی فطرت پہ کبھی غور کیا — ولہٗ — مئے سرجوش ابھی دردِ تہِ جام ابھی

…ام کر بلند ہو جس سے مذاقِ زیست — ولہٗ — دن زندگی کے گننے نہیں ماہ و سال سے

تم کو ہے فکرِ تن آسانی اثر — ولہٗ — زندگی قربانیوں کا نام ہے

…ور غم کہ عہدِ خوشی دونوں ایک ہیں — محروم — دونوں گذشتنی ہیں خزاں کیا بہار کیا

…ی گذشتنی ہے خوشی بھی گذشتنی — فانی — کر غم کو اختیار کہ گذرے تو غم نہ ہو

…نی اپنی جگہ اچھی ہے غم اپنی جگہ —— یعنی تم اپنی جگہ اچھے ہو ہم اپنی جگہ

…ہ میخوار گراں ہو جسے اندوہِ خمار — عباس سہارنپوری — کیا وہ گلچیں جسے تابِ خلشِ خار نہ ہو

…لاط ہے اس کو نہ احتراز پسند — فراق گورکھپوری — ابھی سمجھتے نہیں تم مزاجِ دنیا کو

جب اُسے سوچا ہے دل تھام لیا میں نے — ولہٗ — انسان کے ہاتھوں سے انساں پہ جو گذری

…م دے جو اپنے فرائض تو ہم نشیں — مؤلف — جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے

…لم ہے اُدھر لبریز ہے پیمانۂ ہستی — مسعود — اِدھر ہم نشۂ پندار میں سرشار بیٹھے ہیں

…عبرت کے لئے کیا کچھ نہیں — عزیز — یہ نہ سمجھے کوئی دنیا کچھ نہیں

صحرائے محشر

یک لحظہ نہ پرداخت مرا داورِ محشر	شفائی	این شکوۂ جانسوز بہ حشرِ دگر افتاد
یارب بہ زاہداں چہ دہی خُلد رائگاں	———	جورِ بتاں ندیدہ و دل خوں نکردہ کس
چوں بگذرد نظیری خونیں کفن بہ حشر	نظیری	خلقے فغاں کنند کہ ایں دادخواہ کیست
روزِ محشر چوں برآرم نالہ کاینک قاتلم	فغفور لاہجان	شور برخیزد کہ تہمت بر مسیحا بستۂ
روزِ قیامت ہر کسے در دست گیرد نامۂ	قدسی	من نیز حاضر می شوم تصویرِ جاناں در بغل
قدسی ندانم چوں شود سودائے بازارِ جزا		او نقد آمرزش بکف من جنسِ عصیاں در بغل
فتاد لرزہ براندام عاصیاں در حشر	قتیل	بہ مجمعے کہ قتیلِ سیاہ کار آمد
زِ عاشق نالۂ مستانہ در محشر چہ میخواہی	اقبال	تو خود ہنگامۂ ہنگامۂ دیگر چہ میخواہی
ہر زخمِ جگر داورِ محشر سے ہمارا	میر	انصاف طلب ہے تری بیدادگری کا
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز	غالب	پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا
حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے	ولہ	آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں
ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد	ولہ	یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
اب حشر میں ہو فیصلۂ جور و ستم بھی	نسیم دہلوی	اللہ بھی ہے غیر بھی ہے تُم بھی ہو ہم بھی
پھرتے ہیں دادخواہ ترے حشر میں خراب	سالک	تو پوچھتا نہیں تو کوئی پوچھتا نہیں
دھوم محشر میں ہوئی جب تری آمرزش کی	اسیر	بیگنہ چھپ گئے مل مل کے گنہگاروں میں

قدسی الگ کھڑے ہیں ترازو لئے ہوئے — پیارے صاحب رشید — میرے گنہ کو تولتی ہے رحمتِ خدا

پھر اُس کی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے — امیر — گناہگار یہ کہہ دے گناہگار ہوں میں

کہہ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی — ولہ — ہائے کیسی اس بھری مجلس میں رسوائی ہوئی

شورِ محشر امیر کو نہ جگا — ولہ — سو گیا ہے غریب سونے دے

سہواً ہوئی ہیں معصیتیں مجھ سے بیشمار — ولہ — یارب مرے حساب میں لاکھوں کی بھول ہے

اُن کی میری حشر کے میدان میں — ارشد — ہو گئی صاحب سلامت دور سے

اب کیوں نہ کریں نالہ ہمیں ڈر تو نہیں ہے — داغ — یہ عرصۂ محشر ہے ترا گھر تو نہیں ہے

بڑا مزہ ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ — ولہ — وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کیلئے

ہونے نہ پائی خشک بھی تر دامنی مری — محسن — محشر میں دھوپ ڈھلنے لگی آفتاب کی

کس سے محشر میں ہم کریں فریاد — جلال — داورِ حشر ہو تمہیں نہ کہیں

حشر میں چھپ نہ سکا حسرتِ دیدار کا حال — ولہ — آنکھ کمبخت سے پہچان گئے تم مجھ کو

وہ کاش اتنا قیامت میں تو پوچھیں — آسی غازیپوری — کہاں ہے آسیِ بیدل ہمارا

نہ ستاری کو شرم آئے نہ غفاری کو غیرت ہو

ولہ

قیامت میں ترا بندہ ترے آگے فضیحت ہو

حشر میں منہ پھیر کر کہنا کسی کا ہائے ہائے — ولہ — آسیِ گستاخ کا ہر جرم نابخشیدہ ہے

اکبر خدا کے سامنے یونہی چلے چلو — اکبر الہ آبادی — شکوہ ہو لب پہ ہاتھ میں دامن ہو یار کا

تیرے میکش حشر میں آئے کس انداز سے — احمد کسمنڈوی — سرگراں ہے پاؤں میں لغزش خمار آنکھوں میں ہے

اہلِ محشر دیکھ لوں قاتل کو تو پہچان لوں — منظر لکھنوی — بھولی بھولی شکل ہے اور کچھ بھلا سا نام ہے

آئے ہیں اس ادا سے وہ میدانِ حشر میں — حشمت — جی چاہتا ہے خون کا دعویٰ نہ کیجئے

جنت و دوزخ کا جھگڑا حشر میں درپیش ہے
مضطر خیرآبادی
آؤ یہ کر لیں کہ دامن باندھ لیں دامن سے ہم

کیا کروں شکوۂ بیداد کروں یا نہ کروں خواجہ امام الدین اثرؔ داورِ حشر سے فریاد کروں یا نہ کروں

اُمڈا ہوا جہان وہ میدانِ حشر میں ریاضؔ چلنا وہ جھوم جھوم کے مجھ بادہ خوار کا

ریاضؔ ایسی دیوانگی روزِ محشر وله اَرے چھوڑ کمبخت دامن کسی کا

یاں وہ لے دے ہوئی آکر کہ الٰہی توبہ وله ہم تو سمجھے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا

کچھ حد سے سوا حشر میں ہے رنگِ ترازو وله کچھ حد سے سوا آج ہے خونِ شہدا سرخ

مجھے ہے خون کا دعوےٰ مجھے ہے وله انھیں پر ہاں خداوندا انھیں پر

داد خواہوں میں دمِ حشر جو دیکھا ہے ریاضؔ وله پیار سے پوچھتے ہیں بھول گئے تم مجھ کو

پی کے آنا تھا کہ ہے روزِ حساب وله میکشو دیر میں فرصت ہوگی

مزے کی چیز ہے یہ مجمعِ حشر وله حسین کیا کیا گذرتے ہیں نظر سے

ریاضؔ آئے تو کیونکر حشر میں آ کے مرے مالک
وله
یہ اک دیوانہ ہے واقف نہیں آدابِ محفل سے

یہ ایک لطف لاکھ ستم کا جواب ہے وله محشر میں ہنس کے کہہ گئے کچھ داد خواہ سے

یہ محشر ہے یہاں اب ہوش میں دیوانہ آتا ہے
خداوندا مرے لب پر مرا افسانہ آتا ہے
وله
فرشتے عرصہ گاہِ حشر میں ہم کو سنبھالے ہیں
ہمیں بھی آج لطفِ لغزشِ مستانہ آتا ہے

نہ دیکھتے تھے کبھی جو نظر اُٹھا کے مجھے وله وہ دیکھتے ہیں دمِ حشر مسکرا کے مجھے

قربان اپنی کثرتِ عصیاں کے اے ریاض | ولہٗ | محشر میں سب سے پہلے ہماری پکار ہے

جا چکے دوزخ میں جانا تھا جنھیں باقی ہیں کچھ | ولہٗ | حشر کی اب گرمیٔ بازار کچھ یونہی سی ہے

شوخی سے چمک کر ادھر آئے اُدھر آئے | ولہٗ | محشر میں بھی دیکھا تو تمہیں تم نظر آئے

خوفِ محشر کس لئے آنکھوں کو دھوکا ہو گیا | ثاقب لکھنوی | ایک ہی صورت کے ہونگے میرا قاتل اور داور

حقیقت کھل نہ جائے اب کہیں بیدادِ دلبر کی | ولہٗ | نگاہیں پڑ رہی ہیں میری جانب اہلِ محشر کی

اے کردگارِ حشر مری داد مل گئی | ولہٗ | گردن جھکائے آج کوئی شرمسار ہے

ہیں سر جھکائے سوئے جہنم چلا ہی تھا | مرزا چپاتی | کچھ رحم آگیا مرے پروردگار کو

اب ساتھ نہیں چھوٹتے ہشیار بڑے ہیں | احسان شاہجہانپوری | وہ میرے برابر صفِ محشر میں کھڑے ہیں

مظلوم ہوں مگر نہیں ملتا کوئی گواہ | نواب امداد امام اثر | ہیں اہلِ حشر اس ستمِ ایجاد کی طرف

مری طرزِ خموشی کہتی ہے اے داورِ محشر | وفا | کہ میں دلدادۂ نیرنگِ پرسشہائے پنہاں ہوں

اِدھر میں ہوں اُدھر محشر میں تو ہو ——— جو ہونی ہو خدا کے روبرو ہو

میدانِ حشر میں بھی تھی اُمیدِ التفات | ثاقب کانپوری | دامانِ آرزو مرا کتنا دراز تھا

بن ٹھن کے پیشِ داورِ محشر چلے تو ہو | نواب جعفر علیخاں آرزو | ہو جائے سامنا نہ کسی دادخواہ کا

سُنا ہے حشر میں شانِ کرم بیتاب نکلیگی | اصغر | لگا رکھا ہے سینے سے متاعِ ذوقِ عصیاں کو

حشر میں نامۂ اعمال کی پرسش ہے اُدھر | ولہٗ | اور اِدھر ہاتھ میں ٹکڑے ہیں گریبانوں کے

نام اُن کا آگیا کہیں ہنگامِ بازپرس | ولہٗ | ہم تھے کہ اُڑ گئے صفِ محشر لئے ہوئے

حصولِ رحمتِ حق کے لئے کافی ہے محشر میں | حسرت | گُلِ عصیاں کو زیبِ طرۂ دستار کر لینا

پرسش ہے میرے حال کی یارب جو روزِ حشر | ولہٗ | اتنا بھی اب یہ قصۂ غم مختصر نہیں

میں کہہ چلا تھا داورِ محشر سے حالِ دل | رواں | اک شرمگیں نگاہ گلوگیر ہو گئی

محشر میں جبرِ دوست سے طالب ہوں داد کا — فانی — آیا ہوں اختیار کی تہمت لئے ہوئے

حشر بھی گذرا حشر میں بھی یہ سوچ کے ہم نے کچھ نہ کہا
غم کی حکایت کون سُنے گا غم کی حکایت کیا کہئے — ولہٗ

سہیلِ خستہ اپنا دامنِ تر لے کے آیا ہے — سہیل — ترا زورِ تپش خورشیدِ محشر آزمانا ہے

بھری محفل میں محشر میں کھلوائیں زباں میری — اسد گورکھپوری — لکھی ہے خون سے دامن پہ اُن کے داستاں میری

محشر میں جور و ظلم کا شکوہ نہ کر سکے — بسمل الٰہ آبادی — شرمندہ ہو گئے نگہِ شرمگیں سے ہم

مائلِ عجز قیامت میں وہ مغرور ہے آج — خورشید — رحم آتا ہے ستمگر پہ کہ مجبور ہے آج

بہشت

نصیبِ ماست بہشت اے خداشناس برو	حافظ	کہ مستحقِ کرامت گناہگارانند
جنّت چہ کند چارۂ افسردگیٔ دل	غالب	تعمیر باندازۂ ویرانیٔ ما نیست
بہشتے بہرِ پاکانِ حرم ہست	اقبال	بہشتے بہرِ اربابِ ہمم ہست
بگو ہندی مسلماں را کہ خوش باش		بہشتے فی سبیل اللہ ہم ہست
ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا	غالب	وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاقِ نسیاں کا
کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت	ولہٗ	یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں
سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست	ولہٗ	لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو
جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں	داغ	ایسی جنّت کو کیا کرے کوئی
لذّتِ معصیتِ عشق نہ پوچھ		خلد میں بھی یہ بلا یاد آئی
جنّت میں خاک بادہ پرستوں کا دل لگے	چکبست	نقشے نظر میں صحبتِ پیرِ مغاں کے ہیں
نشّہ شراب میں ہے نہ مستی شباب میں	حفیظ جالندھری	اس رنگ سے بہشت میں رہنا عذاب ہے

دوزخ

امیرؔ

نگاہِ گرم سے مجھ کو نہ دیکھ اے دوزخ
خبر نہیں ہے تجھے کِس کا گناہگار ہوں میں

کتبہ محمد سمیع اللہ مقیم الہ آباد

ملنے کا پتہ: کتابستان الہ آباد

قیمت ۷ روپیہ ۸ آنہ

باہتمام

جناب عبدالمجید صاحب در مطبع اسرار کریمی الہ آباد
طبع شد

سنہ ۱۹۵۷ء